تذکرۃ المحدثین

حضرت العلامہ مولانا غلام رسول سعیدی



فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور

اصل کتاب ہے -

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون ۝ الذین امنوا وکانوا یتقون ۝

سن لو بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم، وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے ہیں (یونس: ۶۲-۶۳)

تذکرۃ المحدثین

ائمہ اربعہ مجتہدین، امام محمد، امام طحاوی اور مصنفین
صحاح ستہ کی شخصیات کے حالاتِ زندگی، خدمات
اور اُن کی تصانیف کا تفصیلی تعارف

تصنیف

علامہ غلام رسول سعیدی
شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ کراچی

ناشر

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور

ISBN 969-563-008-1



تصحیح شاہد محمود
مطبع رومی پبلیکیشنز اینڈ پرنٹرز لاہور
الطبع الاول : ربیع الثانی 1397ھ / 1977ء
الطبع الثالث : ذوالحج 1426ھ / جنوری 2006ء
قیمت -/100 روپے

Farid Book Stall®
Phone No:092-42-7312173-7123435
Fax No.092-42-7224899
Email:info@faridbookstall.com
Visit us at:www.faridbookstall.com

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور
فون نمبر ۰۹۲۔۴۲۔۷۳۱۲۱۷۳۔۷۱۲۳۴۳۵
فیکس نمبر ۰۹۲۔۴۲۔۷۲۲۴۸۹۹
ای میل : info@faridbookstall.com
ویب سائٹ : www.faridbookstall.com

مفتی

0321 5921681

فہرس

تذکرۃ المحدثین

تحدیثِ نعمت

کچھ عرصہ پہلے جامعہ نظامیہ میں تصنیف و تالیف کا شعبہ قائم کیا گیا' جہاں مختلف موضوعات پر تحقیقی کام ہوتا رہا' اس کے قیام نے اہل سنت و جماعت کی ایک دیرینہ آرزو کو پورا کر دیا۔ مختصر مدت میں اس شعبہ نے اتنا مؤثر کام کیا کہ یگانے رطب اللسان اور بیگانے ششدر و حیران رہ گئے۔ اس شعبہ کو باقاعدہ منظم کرنے کے لیے حضرت مولانا علامہ مفتی عبدالقیوم ہزاروی کے ارشاد پر ۲۱ اکتوبر ۱۹۷۶ء کو مجلس مشاورت طلب کی گئی جس میں مندرجہ ذیل صاحبان علم و فضل اور اہل قلم حضرات نے شرکت فرمائی:

حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقیوم قادری رضوی' الحاج حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری' مولانا قاضی عبدالنبی صاحب کوکب ایم۔ اے' حضرت مولانا مفتی غلام سرور قادری' علامہ غلام رسول صاحب سعیدی' مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری' مولانا محمد جعفر ضیائی' جناب راجا رشید محمود ایم۔ اے' مولانا سیّد غلام مصطفےٰ عقیل' مولانا حافظ عبدالستار' مولانا محمد صدیق صاحب اور محمد منشا تابش قصوری۔ اس مجلس میں متفقہ طور پر طے پایا کہ جامعہ نظامیہ کے شعبہ تصنیف و تالیف کو مضبوط اور منظم کیا جائے۔ اسی مقصد کے پیش نظر جامعہ کے ناظم اعلیٰ اور حاضرین نے مکرم الحاج حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری صدر مرکزی مجلس رضا لاہور کو سرپرستی کی درخواست کی' جسے انہوں نے قبول کر لیا اور ساتھ ہی اس شعبہ کی انتظامی مجلس حسب ذیل قرار دی گئی:

صدر: حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی

نگران: مولانا علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری

ناظم: محمد منشا تابش قصوری

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ مجلس کی اس باقاعدہ تنظیم سے قبل بھی شعبہ نے بڑی عمدگی سے قابلِ قدر خدمات انجام دے کر اکابر اہل سنت سے خراجِ تحسین حاصل کیا۔ ان سطور میں شعبہ کی کارکردگی پیش کی جارہی ہے ایک نظر ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری کی مطبوعہ تصانیف:

تذکرہ اکابر اہل سنت' سراج الفقہاء (مولانا سراج احمد)' یاد اعلیٰ حضرت (اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے حالات)' مسائل اہل سنت' آپ کی وہ مطبوعہ کتب جن پر حواشی' مقدمے تتمے یا تعارف لکھے:

باغی ہندوستان (حالات مولانا فضل حق خیر آبادی) مقدمہ و تتمہ (اردو)' سیف الجبار (از مولانا شاہ فضل رسول بدایونی) مقدمہ (اردو)' مرقاۃ (منطق)' حاشیہ عربی (حاشیہ قاضی مبارک از علامہ فضل حق خیر آبادی تعارف عربی' الحدیقۃ الندیہ تعارف عربی' اجلی الاعلام تعارف عربی' نام حق حاشیہ اردو' کریما حاشیہ اردو۔

(تصانیف) محمد منشا تابش قصوری:

جامعہ نظامیہ رضویہ کا تاریخی جائزہ' محمد نور' الغنی یارسول اللہ' محبوب الفقہ (فارسی) ترجمہ اُردو مقالات (اعلیٰ حضرت کے بارے میں مجموعہ) از مولانا محمد صدیق' مولانا حافظ عبدالستار' مولانا سید غلام مصطفےٰ عقیل۔

ان مطبوعات کے علاوہ عنقریب مندرجہ ذیل کتابیں بھی شعبہ کی طرف سے پیش کی جائیں گی۔

الحدیث انوار العلوم ملتان: مقام سنت	مولانا علامہ محمد مشتاق احمد صاحب چشتی
تصانیف علماء اہل سنت	مولانا حافظ محمد عبدالستار صاحب
تعارف علماء اہل سنت پاکستان	مولانا محمد صدیق صاحب ہزاروی
تذکرہ حضرت صدر الافاضل	جناب راجا رشید محمود ایم۔اے
تذکرہ حضرت محدث اعظم پاکستان	محمد منشا تابش قصوری

تذکرۃ المحدثین

اس وقت آپ کے سامنے ہے' یہ حسین و جمیل علمی و تحقیقی تصنیف حضرت مولانا غلام رسول صاحب سعیدی کے قلم کا وہ عظیم شاہکار ہے' جس نے نہ صرف دور حاضر کی ایک اہم ضرورت کو پورا کر دیا ہے' بلکہ اس کاوش سے مستقبل کا مؤرخ استفادہ کئے بغیر نہ رہ سکے گا۔ اس زندہ و جاوید کتاب پر بصیرت افروز تعارف ''سونے پر سہاگہ'' کا مصداق ہے' جو حضرت علامہ

مفتی محمد عبدالقیوم قادری رضوی کے فکر ونظر کی گہرائی و گیرائی پر دال ہے۔

ہم اس عظیم تذکرہ کو احساس تفاخر کے ساتھ نہیں بلکہ تحدیثِ نعمت کے طور پر اہل علم کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

محمد منشا تابش قصوری

ناظم شعبہ تصنیف وتالیف جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

معروضہ

کافی عرصہ سے میرے دل میں اشتیاق تھا کہ مشاہیر ائمہ اور محدثین کی شخصیات اور خدمات پر تعارف اور تبصرہ لکھوں' تاکہ کتب متداولہ کا مطالعہ کرنے والے طلباء کتاب کی خصوصیات اور اس کے مصنف کے حالات پر مطلع ہو سکیں۔ اسی دوران تنظیم المدارس کا قیام عمل میں آیا اور اس کے مرتب کردہ امتحانی پرچوں میں ایک سوال مصنف اور کتاب کے بارے میں ضروری معلومات کے سلسلہ میں بھی تھا۔ اس وجہ سے یہ شوق اور بھی بڑھ گیا۔

پچھلے سال حضرت علامہ مفتی عبدالقیوم صاحب' مہتمم جامعہ نظامیہ و ناظم اعلیٰ تنظیم المدارس نے ایک علمی مجلس میں مجھ سے اس موضوع پر کتاب لکھنے کی فرمائش کی' چونکہ مجھے خود بھی اس عنوان پر کام کرنے کا خیال تھا۔ لہٰذا ان کی فرمائش کے بعد میں نے اس کتاب کی تدوین کے لیے کام کرنا شروع کر دیا۔

میں اس کتاب کی تیاری کے سلسلہ میں عزیز القدر محمد سرفراز نعیمی کا مشکور ہوں جنہوں نے جامعہ نعیمیہ کی لائبریری اور شعبہ تصنیف و تالیف سے مجھے ضروری کتب فراہم کیں۔ کتابوں کی فراہمی کے سلسلہ میں میرے قدیم رفیق اور محترم دوست حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب شرف قادری نے بھی کافی تعاون کیا ہے اور خاص طور پر میں حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب کا ممنون ہوں جنہوں نے نہ صرف اپنی لائبریری سے مجھے مطلوبہ کتابیں فراہم کیں' بلکہ جن کتابوں کی مجھے ضرورت تھی انہیں خرید کر بازار سے مہیا کیا' اس کتاب کے تمام مسودے کو پڑھا اور اس سلسلہ میں اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا اور تعارف لکھ کر حوصلہ افزائی فرمائی۔ اخیر میں اگر مولانا محمد منشاء تابش صاحب قصوری کا شکریہ ادا نہ کیا جائے تو سخت ناسپاسی ہوگی جنہوں نے انتہائی عرق ریزی سے پروف ریڈنگ فرمائی۔

احب الصالحین ولست منهم لعل الله یرزقنی صلاحا

(غلام رسول سعیدی غفرلہٗ شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ' کراچی نمبر ۳۸)

تقریب وتعارف

(حضرت مولانا علامہ مفتی محمد عبدالقیوم قادری رضوی)

برصغیر کے علماء اہل سنت نے ہر دور میں عوام الناس سے متعلق اپنے فرضِ منصبی کو ادا کرتے ہوئے سیر وسوانح' احکام وفتاویٰ اور اخلاق کے محاذ پر بھرپور کام کیا ہے' اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے مختلف فتنوں کا مقابلہ بھی کیا۔ چنانچہ شانِ الوہیت' ناموسِ رسالت اور عظمت صحابہ واولیاء کا تحفظ کرتے ہوئے انہوں نے اغیار کے اکابر کی توہین آمیز اور گستاخانہ عبارات پر سخت گرفت فرمائی۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ لوگ علماء حق کے ممنون ہوتے اور بروقت تنبیہ پر عاقبت کی فکر کرتے' مگر جب یہ اغیار کوشش کے باوجود اپنی گستاخانہ عبارات پر گرفت کا جواب نہ دے سکے' تو بوکھلاہٹ کے عالم میں انہوں نے عوام الناس کو سوءِ ظن کا نشانہ بناتے ہوئے شرک وکفر کے فتوے شروع کر دیئے اور ساتھ ہی علماء اہل سنت کے متعلق یہ پروپیگنڈہ بھی شروع کر دیا کہ انہوں نے کوئی علمی کام نہیں کیا۔ حالانکہ علماء اہل سنت نے علمی میدان میں بیسیوں فنون پر سینکڑوں کتابیں لکھی ہیں۔ صرف اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے پچاس فنون پر تقریباً ایک ہزار کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔

اردو زبان میں بھی اکابر اہل سنت نے جو کارنامے انجام دیئے ہیں' ان کی مثال کوئی اور پیش نہیں کرسکا۔ چنانچہ آج بھی اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ قرآن پاک ''کنزالایمان''''فتاویٰ رضویہ'' اور حضرت صدر الافاضل مولانا سیّد نعیم الدین مرادآبادی کی تفسیر ''خزائن العرفان'' اور صدر الشریعۃ مولانا امجد علی اعظمی کا شاہکار ''بہار شریعت'' ایسی عدیم النظیر تصانیف ہر ایک کو دعوتِ فکر دے رہی ہیں۔ ہاں علماء اہل سنت نے خالص علمی ابحاث اور عوام الناس کے لیے غیر ضروری فنون کی اشاعت پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی تو اس کی چند وجوہ ہیں۔

انہوں نے اسلاف کی طرح ''کلموا الناس علی قدر عقولھم'' کے اصول کو

اپناتے ہوئے ... علمی ابحاث کو علماء کی امانت قرار دیا اور عوام الناس کی زبان میں پیش نہ کیا۔

حضور نبی کریم ﷺ کے بیان فرمودہ آثار قیامت میں سے ایک یہ بھی ہے: "ان اللہ یرفع العلم برفع العلماء" قرب قیامت اللہ تعالیٰ علماء کو بتدریج اٹھائے گا۔ جس کے نتیجہ میں علم دین اٹھتا چلا جائے گا اور ظاہر ہے کہ علماء حق' علماء اہل سنت ہی ہیں' جو سلف صالحین کو اپنی حجت تسلیم کرتے ہوئے ان کے نقوش پر عمل پیرا ہیں۔ لہٰذا قیامت کی مذکورہ علامت کا مصداق بھی یہی علماء ٹھہرے' جس کے نتیجہ میں علماء اہل سنت کی تعداد کم سے کم ہوتی چلی گئی' جب کہ عوام الناس کی تعداد میں برابر اضافہ ہوتا رہا۔ اس طرح میدان عمل بڑھتا چلا گیا آخر کار ایک سنی عالم کو بیک وقت کئی محاذ سنبھالنے پڑے' امامت' خطابت' تدریس' تبلیغ' افتاء' مناظرہ۔ پھر مسلک حقہ کے لیے کسی مدرسہ کا قیام اور اس کے جملہ انتظامات ایک ہی عالم کو کرنے پڑے جس کی بناء پر وہ اضافی کام کے لیے فرصت نہ پا سکے۔

جس دور میں اُردو زبان نے نئی کروٹ لی اس زمانہ میں نئے فتنوں کا طوفان امڈ پڑا' جس سے عوام کے عقائد متزلزل ہونے لگے اور تیرہ صد سالہ وہ مربوط نظام پامال ہونے لگا' جس کی بناء پر عوام اپنے اسلاف کا دامن مضبوطی سے تھامے چلے آرہے تھے اور اس سے اپنے عقائد و اعمال میں رسوخ رکھتے تھے۔

علماء حق کو فرض منصبی کے طور پر ان فتنوں کا رد کرنا پڑا اور ان کو اب امامت و خطابت اور تبلیغ و تدریس کے ساتھ ساتھ تمام باطل فرقے اور شدھی ایسی تحریکوں کے علاوہ سیاسی میدان میں کانگرس' ترک موالات' تحریک ہجرت اور ایسی کئی باطل تحریکوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔

انہوں نے یہ کام اتنا بھرپور کیا کہ زخم خوردہ اغیار آج علماء اہل سنت کو طعنہ دیتے ہوئے یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہیں کہ "سنی علماء تو رد کرنا ہی جانتے ہیں"۔ علماء اہل سنت کا یہ سنہری کارنامہ ہے جس سے حق و باطل میں آج بھی امتیاز موجود ہے۔ اس طرح علماء اہلِ سنت کا یہ گروہ "لایزال طائفة من امتی ظاهرین علی الحق" کا مصداق ثابت ہوا ہے۔

انگریز نے ہندوستان پر مسلط ہوتے ہی محسوس کر لیا کہ اسے یہاں خطرہ ہے تو صرف مسلمان سے ہے۔ اس لیے اس نے اپنی تمام تر کوششیں مسلمانوں کی ذہنیت تبدیل کرنے پر

مرکوز کردیں۔ ہندو کو کانگرس کا جال دیا تا کہ وہ اس سے مسلمانوں کے حاکمانہ ذہن کو مسخ کر سکیں' چنانچہ ہندو اور انگریز نے اس مقصد کی تکمیل کے لیے ضمیر فروش علماء کو خرید کر کانگرسی نظریہ کا مبلغ بنایا' مگر باضمیر مسلمان جو اپنے ہزار سالہ محکوم ہندو کے اس جال میں نہ پھنس سکے' ان پر انگریز اور ہندو نے مشترکہ ضرب لگانے کی طرح ڈالتے ہوئے باغی قرار دے کر کچلنا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی ساتھ تحریک ہجرت کے ذریعہ ان کی معاشیات پر ہاتھ صاف کرنے لگے۔ اس دو طرفہ کاروائی سے مسلمان اس قدر رنڈھال ہو گے کہ اب انہیں اپنی بے سروسامانی بھی غنیمت معلوم ہونے لگی۔ جب کہ کانگرسی علماء اور ان کے ادارے انگریز اور ان کے ماتحت نوابوں کی سرپرستی میں پروان چڑھ رہے تھے۔ حتیٰ کہ کانگرس پرست علماء نے ہر قسم کے سامان سے آراستہ ہو کر اپنے نظریات اور افراد کو اجاگر کرنے کے لیے مستقل پریس قائم کر لیے۔ ان کے مقابلہ میں علماء حق بے سروسامانی کے عالم میں اپنے محاذ پر ڈٹے رہے۔ ان کے پاس نہ پریس تھے اور نہ ہی پروپیگنڈا کی جدید تکنیک' جس کے باعث وہ عوام الناس کو اپنی حیثیت اور کارکردگی سے متعارف کراتے۔

ان مذکورہ وجوہ کے باوجود علماء حق نے نہ صرف اپنے وجود کو باقی رکھا' بلکہ حسب توفیق فرضِ منصبی کی ادائیگی کے لیے بھی سرگرم عمل رہے' خوب سے خوب تر کی طرف آگے بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ:

۱۹۷۳ء میں تنظیم المدارس پاکستان کی سالانہ مجلس شوریٰ کے موقع پر علماء اہل سنت نے ایک قرارداد منظور فرمائی' جس کا مقصد یہ تھا کہ علماء کرام عموماً اور اساتذہ کرام وطلباء خصوصاً تعلیم وتعلم کے ساتھ ساتھ مختلف فنون پر اس نہج سے تحریری کام کریں جس سے علوم وفنون جدیدہ کے اساتذہ وطلباء بھی استفادہ کر سکیں۔ کالج اور یونیورسٹی کے طالب علم علوم دینیہ سے بآسانی بہرہ ور ہو سکیں۔ اس قرارداد پر عمل کے لیے تنظیم کے مرکزی دفتر کو خصوصی ہدایات بھی دی گئیں' جن پر عمل کرتے ہوئے مرکزی دفتر نے جب تحریک شروع کی تو علماء وطلباء نے دیئے گئے مختلف موضوعات پر ایسا تحقیقی کام کیا' جس کو دیکھنے والوں نے ایک قابل قدر ذخیرہ قرار دیتے ہوئے اعتراف کیا کہ موجودہ علماء اہلِ سنت اپنے سلف کی طرح درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں بھی بلاشبہ یدطولیٰ رکھتے ہیں۔ دو سال کے قلیل عرصہ میں تقریباً ۳۵ موضوعات پر تحقیقی

مقالات کا ایک وافر ذخیرہ دفتر کو موصول ہو چکا ہے جسے بتدریج کتابی شکل میں پیش کیا جائے گا۔ (ان شاء اللہ العزیز)

اس تحریک کے ایما پر محققین علمائے کرام انفرادی طور پر بھی مختلف علمی موضوعات پر کام کر رہے ہیں بعض کے ہاں تو بیک وقت کئی زیر تصنیف ہیں علاوہ ازیں اہل سنت کا مشہور علمی ادارہ "مرکزی مجلس رضا" لاہور ایک مخلص مرد درویش الحاج حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری کی زیر سرپرستی قابل قدر کارنامہ سرانجام دے رہا ہے جس سے اغیار رزہ براندام ہیں۔

اشاعت کے میدان میں بھی اللہ کے فضل و کرم سے اب خاطر خواہ کام ہو رہا ہے اور ملک کے مختلف شہروں لاہور لائل پور (فیصل آباد) ملتان سکھر سیالکوٹ ساہیوال میں اشاعتی ادارے حسب توفیق خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ جس سے لکھنے والوں کے حوصلے مزید بلند ہو رہے ہیں۔ فالحمد للہ علی ذالک

تذکرۃ المحدثین

جب کوئی شخص "قرآن کریم" اور جملہ احادیث صحیحہ کا حافظ ہونے کے بعد ان میں غور و فکر کرنے کے لیے "قرآن و حدیث" سے متعلق سینکڑوں علوم و معارف میں ملکہ حاصل کر لیتا ہے۔ اور پھر ان پر عمل پیرا ہو کر انسانیت کے اوصاف جمیلہ کے کمال تک پہنچ جاتا ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے اسے ایک خاص قوت عطا فرماتا ہے' جس سے وہ "قرآن و حدیث" کے بے کنار سمندر میں غوطہ زن ہو کر بیش قیمت خزانوں کو باہر نکال لینے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

خداداد غوطہ زنی کی اس قوت کا نام اجتہاد ہے اور اس قوت کی حامل شخصیت کو "مجتہد" کے مبارک نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس حقیقت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تمام احادیث صحیحہ کا حافظ ہونا اجتہاد کے مراحل میں سے ایک ابتدائی مرحلہ ہے' جس سے گزر کر علوم و معارف اور پھر ان پر عمل میں انتہائی کمال کا مشکل ترین مرحلہ طے کرنے کے بعد بھی مرتبہ اجتہاد پر رسائی یقینی نہیں' بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر موقوف ہے۔

حفظ قرآن و احادیث کے بغیر کوئی مجتہد' محل اجتہاد کو معلوم نہیں کر سکتا' کیونکہ کسی مسئلہ

میں قیاس و اجتہاد کا عمل اسی وقت کیا جاتا ہے جب یہ معلوم ہو کہ اس مسئلہ میں ''قرآن و حدیث'' کی کوئی نص موجود ہے اور نص کے وجود و عدمِ وجود کا علم اس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ تمام آیات و احادیث پیش نظر نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ جمع و تدوینِ احادیث میں مسابقت کے زمانہ میں بھی امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ تمام محدثین پر فائق رہے' حالانکہ امام احمد بن حنبل ائمہ اربعہ (مجتہدین) میں سب سے چھوٹے ہیں۔

دس لاکھ احادیث کے حافظ امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ اپنے استاذ حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کے متعلق فرماتے ہیں: ''کان کالشمس للدنیا'' اور دنیائے علم کے شمس امام شافعی اپنے استاذ حضرت امام مالک علیہ الرحمۃ کے متعلق فرماتے ہیں: ''اذا ذکر العلماء فمالک النجم الثاقب'' اور استاذ الاساتذہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں فرمایا: ''الناس کلھم عیال ابی حنیفۃ فی الفقہ''۔

پس جب امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مجتہد ہونے کی حیثیت سے حافظ الحدیث تھے' تو باقی ائمہ ثلاثہ بھی مجتہد ہونے کی بناء پر یقیناً حافظ الحدیث ہیں۔ اگرچہ ان کی شہرت محدث یا حافظ الحدیث کی بجائے مجتہد ایسے بلند منصب میں ہوئی' کیوں نہ ہو کہ اعلیٰ منصب کی موجودگی میں ادنیٰ منصب کو مشہور کرنا بے ادبی ہے۔

اس مذکورہ حقیقت کے اظہر من الشمس ہونے کے باوجود بعض جاہل مجتہدین کے متعلق یہ خیال فاسد رکھتے ہیں کہ شاید وہ لوگوں سے قرآنی آیات اور احادیث پوچھ پوچھ کر اپنے اجتہاد کا کام چلاتے تھے۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

خدا کی شان! کہ جب سے تیل عام ہوا ہے ان جہلاء کی مشینری تیز رفتار ہے' ائمہ مجتہدین کی تنقیص و توہین کے اس فتنہ سے عوام کو محفوظ رکھنے کے لیے ایک ایسی کتاب کی ضرورت محسوس ہوئی' جس میں عام محدثین کے علاوہ ایسے اکابر محدثین کا تذکرہ بھی ہو جو محدثین سے بڑھ کر مرتبہ اجتہاد پر فائز تھے۔ اس اہم اور فوری ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ایک ایسی شخصیت کی ضرورت تھی جو فن حدیث' اس کے معارف اور اسماء الرجال پر وسیع نظر رکھتی ہو' جو علم فقہ' اس کے اصول اور طبقات فقہاء کی معرفت تامہ کی حامل ہو اور اس کو رسوخ حاصل کرنے کے لیے سالہا سال ان فنون کی تدریس کا موقع ملا ہو۔ پھر اس کے ساتھ ہی وہ

تذکرہ نویسی اور اس کے آداب سے واقف ہو بلکہ تحریر وتقریر میں فصاحت اور شگفتگی کا خوگر بھی ہو تاکہ اس وسیع کام کو مختصر مدت اور کم صفحات میں پیش کر سکے۔ ان اہم خصوصیات کے پیش نظر علامہ غلام رسول صاحب سعیدی زید مجدہ کی خدمت میں "تذکرۃ المحدثین" لکھنے کی درخواست کی گئی جسے آپ نے بلا تکلف قبول فرمایا۔ اگرچہ ہم نے درخواست کرتے وقت ضرورت و اہمیت کے پیش نظر اس پر فوری کام کا احساس دلایا تھا مگر اس وقت ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے دو ماہ کے قلیل عرصہ میں کتاب کا مسودہ تیار کر دیا۔ جن امور کی اہمیت کے پیش نظر علامہ سعیدی صاحب کو اس تصنیف کی درخواست کی گئی تھی وہ یہ تھے

☆ حدیث کے اساتذہ وطلباء کرام کو درس وتدریس کے موقعہ پر کتاب اور مصنف کے متعلق جن امور کے لیے عرق ریزی کرنا پڑتی ہے ان سب کو یکجا پیش کرنا۔

☆ اہل علم حضرات میں سے جو حدیث کے موضوع سے دلچسپی رکھتے ہوں ان کے لیے معلومات فراہم کرنا۔

☆ یونیورسٹی اور کالجز کے اساتذہ وطلباء بھی اس سے خاطر خواہ استفادہ کر سکیں۔

☆ اس جھوٹ اور غلط پراپیگنڈہ کو زائل کرنا کہ "ائمہ مجتہدین" حدیث اور اس کے معارف سے بے بہرہ تھے انہیں تو صرف چند احادیث یاد تھیں انہوں نے احادیث کو نظر انداز کرتے ہوئے قیاس آرائی سے کام لیا۔ اس لیے محدثین کرام میں سے ایسے بارہ ائمہ کو ہی اس تذکرہ کے لیے منتخب کیا گیا جو حافظ الحدیث اور مجتہد تھے یا صرف بلند پایہ محدث تھے اور ان کی کتب حدیث درس وتدریس کے لیے مروج ہوئیں۔

اس لیے زیر نظر کتاب کا موضوع ائمہ (مجتہدین) امام محمد، امام طحاوی اور ائمہ صحاح ستہ اور ان کی تالیفات کو قرار دیا گیا اور ان حضرات کے ابتدائی حالات، تعلیمی مراحل، اساتذہ، تلامذہ، سیرت، مناقب، تصانیف اور وصال کے عنوانات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور ان کی تصانیف پر تعارف، خصوصیات، مقبولیت، اسلوب، تنقید اور شروح وغیرہ ایسے عنوان قائم کر کے ان پر محققانہ بحث کی گئی ہے، جس سے اساتذہ کو فن حدیث میں آسانی ہو گی۔ تلامذہ رہنمائی حاصل کریں گے اور علمی ذوق رکھنے والے حضرات کو معلومات کا خاصا ذخیرہ ہاتھ لگے گا۔

ان عنوانات پر محققانہ بحث سے قبل کتاب کے شروع میں ایک نہایت مفید اور مبسوط

مقدمہ بھی شامل کیا گیا ہے' جو قاری کو اس کے ذوق کے مطابق فن حدیث اور کتاب میں بصیرت کا کام دے گا۔

علامہ غلام رسول سعیدی

علامہ سعیدی صاحب نوجوان فاضل ہیں' انہوں نے وقت کے مشہور اور بے بدل شیوخ حضرت غزالی زمان مولانا احمد سعید کاظمی' حضرت استاذ الاساتذہ مولانا عطا محمد' حضرت استاذ العلماء علامہ مفتی محمد حسین نعیمی (دامت برکاتہم) سے روحانی اور علمی استفادہ کیا ہے' ان شیوخ کی ماہرانہ تربیت ہی کا نتیجہ ہے کہ یہ قیمتی ہیرا اب ہر پہلو سے اس قدر رنگین شعاعیں دیتا ہے کہ دیکھنے والے حیران اور ششدر رہ جاتے ہیں۔

علامہ صاحب بیک وقت بہترین مدرس' مفتی' مناظر' مصنف اور فصیح و بلیغ ادیب و خطیب ہیں۔ تدریس کے میدان میں آپ دس سال سے معقولات' منقولات پڑھا رہے ہیں اور اصول وفنون کے ماہر استاذ کی حیثیت سے انہوں نے نام پیدا کرلیا ہے۔ چنانچہ آپ اس وقت اہل سنت کی مشہور درس گاہ دارالعلوم نعیمیہ میں شیخ الحدیث ہیں۔ جولائی ۱۹۸۵ء میں لاہور سے منتقل ہونے کے بعد یہاں دورہ حدیث پڑھا رہے ہیں۔ دورہ حدیث کے علاوہ آج کل ''شرح صحیح مسلم'' کی تصنیف میں مصروف ہیں۔

فن حدیث کی گہرائیوں میں اس حد تک پہنچ چکے ہیں کہ جب درسِ حدیث کی مسند پر بیٹھتے ہیں تو حدیثِ پاک کو علوم عقلیہ ونقلیہ کا ماخذ قرار دیتے ہوئے فنون کے اصول و جزئیات کو اس پر متفرع کرتے چلے جاتے ہیں اور پھر معارفِ حدیث سے ان تفریعات کی توثیق کرتے ہیں۔

مناظرہ کے میدان میں انہوں نے ائمہ مجتہدین پر طعن کرنے والوں کے امام وقت کو تصنیف وتالیف کے میدان میں منکرین کمالاتِ نبوت کے مدعی سرفرازی کو اور مضمون نگاری کے میدان میں ایک مشہور ماہر کو ایسا چت کیا کہ مخالفین دم بخود ہیں۔ مختلف شخصیات و موضوعات پر علامہ سعیدی صاحب کے تحقیقی مقالات اور رشحات قلم ملکی جرائد میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ آپ جس عنوان پر بھی قلم اٹھاتے ہیں اس کا حق ادا کرتے چلے جاتے ہیں۔ اگر

کوئی تنقیدی پہلو بھی ہو تو اس سے اس طرح نبرد آزما ہوتے ہیں کہ شکوک و شبہات کی گنجائش تک نہیں چھوڑتے۔ ماہنامہ "ضیائے حرم" دسمبر ۱۹۷۵ء کے شمارہ میں جب آپ کا علمی مقالہ "قادیانیوں کو دعوت اسلام" شائع ہوا تو دوشی کا ایک مرزائی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ چنانچہ اس نے اپنے قلبی جذبات مدیر "ضیائے حرم" کے نام ارسال کیے۔

تصانیف

علامہ غلام رسول سعیدی کی مشہور تصانیف ذکر بالجہر حصہ اول و دوم، انسداد سود، توضیح البیان، ضیاء کنز الایمان، فاضل بریلوی کا فقہی مقام، حیات استاذ العلماء، ان کے علاوہ انہوں نے متعدد کتب پر مبسوط مقدمے، پرکشش تعارف دل نشیں انداز میں پیش لفظ اور مختلف موضوعات پر ملکی جرائد میں تحقیقی مقالات پر قلم کیے ہیں۔

تحریر و تقریر میں ان کی خصوصیات کا یہ عالم ہے کہ پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کو آسان اور مختصر الفاظ میں اس انداز سے بیان کرتے ہیں کہ سننے والوں کو مشکل ترین مقام کا احساس تک نہیں ہونے دیتے۔ علوم و فنون میں رسوخ و پختگی کا یہ عالم ہے کہ روزمرہ کی مصروفیات شاقہ کو نہایت بے تکلفی سے سرانجام دینے کے ساتھ ساتھ مختلف موضوعات پر تحقیقی کام بھی جاری رکھتے ہیں اور تحریری کام کے ساتھ ہنگامی خدمات کے لیے بھی کمربستہ رہتے ہیں۔ جس کی مثال آپ کے ہاتھ میں یہ عظیم و ضخیم کتاب "تذکرۃ المحدثین" شاہد عادل ہے۔

آپ کی ان گراں قدر خدمات کو دیکھتے ہوئے ہدیہ تبریک پیش کرنے کے لیے قلم بے تاب ہے، دعا ہے اللہ تعالیٰ بجاہ حبیبہ الاعلیٰ علامہ صاحب کی اس مبارک تصنیف کو قبولیت عامہ کا شرف عطا فرمائے اور آپ کے علم سے خاص و عام کو مستفیض ہونے کی توفیق ارزانی بخشے۔

محمد عبدالقیوم قادری رضوی لاہور

مقدمہ

مسلمانوں کے دین کا سرمایہ اوران کی شریعت کی متاعِ کل حضورﷺ کا نمونہ حیات ہے۔حضورﷺ کے اقوال واحوال اورآپ کے شب وروز کے معمولات ہی ان کے لیے سر چشمہ ہدایت ہیں۔صحابہ کرام نے حضورﷺ کی کتابِ زندگی کے ایک ایک ورق کو حفظ کیا' خلوت وجلوت' سفروحضر اورنجی حالات سے لے کر عام سیاسی معاملات تک حضورﷺ کی زندگی کا کوئی واقعہ نہیں ہے مگراس کوانہوں نے محفوظ کرلیا۔وہ حضورﷺ کی احادیث کا تذکار کرتے اور سینوں سے لے کر صحیفوں تک انہیں محفوظ رکھتے۔ان کے بعد تابعین اوران کے اتباع نے حفظ اور کتابت کے اس عمل کو جاری رکھا۔یہاں تک کہ دوسری صدی ہجری کے بعد حدیث کی باقاعدہ تدوین شروع ہوئی اورابواب وکتب کی ترتیب سے حدیث کی کتابیں مدون ہوئیں۔یوں ہمارے پاس حضورﷺ کی جامع سیرت اور دین کی مکمل تصویر پہنچنے کا اہتمام ہوا۔

اکابر علماء ملت اوراسانید شریعت نے علم حدیث کی تحصیل کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دی تھیں۔انہوں نے بارہا صرف ایک حدیث کی خاطر سینکڑوں میل کا سفر کیا' طلب حدیث میں کوئی چیز ان کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتی تھی' وہ اپنے شاگردوں سے بھی احادیث روایت کر لیتے تھے' انہوں نے احادیث کواپنے سینوں میں اور پھر نوشتوں میں محفوظ کیا' ناقلینِ حدیث کو پرکھنے کے لیے علم رجال ایجاد کیا اوراس میدان میں حیرت انگیز کارنامے انجام دیئے' مگر حدیث کے ان عظیم کارناموں کی صحیح قدروقیمت کا اندازہ اسی وقت ہوسکتا ہے' جب ہم کو یہ معلوم ہوکہ علمِ حدیث کی دین میں کیا اہمیت ہے؟ اوراگر امت کے پاس آج احادیث کا یہ سرمایہ نہ ہوتا تو دین کی کیا شکل وصورت ہوتی؟

مشاہیر محدثین کا تذکرہ اوران کی تصنیفات پر تبصرہ کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علمِ حدیث کے اہم موضوعات پر اجمالاً گفتگو کرلی جائے' تاکہ قارئین کومضامین کتاب کی علیٰ وجہ البصیرت معرفت حاصل ہوسکے'اس سلسلہ میں ہم حدیث کی ضرورت' حجیت اورتدوین پر

مختصراً گفتگو کریں گے اور اس کے بعد حدیث کی تعریف' اقسام اور کتب حدیث کی انواع اور بعض دیگر اصطلاحات کا مختصراً بیان کریں گے۔ فنقول و باللہ التوفیق

ضرورت حدیث

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے انسانی معیشت کے اصول اور مبادی اجمالاً بیان فرمائے ہیں جن کی تعبیر و تشریح بغیر احادیث نبویہ کے ممکن نہیں ہے۔ نیز احکام کی عملی صورت بیان کرنے کے لیے اسوۂ رسول کی ضرورت ہے احادیث رسول ہمیں قرآنی احکام کی عملی تصویر مہیا کرتی ہیں۔ علاوہ ازیں مثلاً صلوٰۃ' زکوٰۃ' تیمم' حج اور عمرہ یہ محض الفاظ ہیں لغت عربی ان الفاظ کے وہ معانی نہیں بتاتی جو شرع میں مطلوب ہیں۔ پس اگر احادیث رسول موجود نہ ہوں تو ہمارے پاس ''قرآن کریم'' کے معانی شرعیہ متعین کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں رہے گا۔

حجیت حدیث

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے اقوال اور افعال کی پیروی کا حکم دیا ہے چنانچہ ارشاد فرماتا ہے:

(۱) اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول۔ اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔

(۲) ما آتاکم الرسول فخذوہ ومانھاکم عنہ فانتھوا۔ رسول تم کو جو حکم دیں وہ لے لو اور جس چیز سے روکیں اس سے رک جاؤ۔

(۳) قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی۔ آپ فرما دیجئے کہ تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔

(۴) لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ تمہارے اعمال کے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔

ان آیات مبارکہ سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے احکام کی اطاعت اور آپ ﷺ کے افعال کی اتباع قیامت تک کے مسلمانوں پر واجب ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ بعد کے لوگوں کو حضور ﷺ کے احکام اور آپ ﷺ کے افعال کا کس ذریعہ سے علم ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی زندگی کو ہمارے لیے نمونہ بنایا ہے۔ پس جب تک حضور ﷺ کی زندگی ہمارے

سامنے نہ ہو ہم اپنی زندگی کو حضور ﷺ کے اسوہ میں کیسے ڈھال سکیں گے؟ اور جب کہ ہمیں اسوہ رسول پر اطلاع صرف احادیث سے ہی ممکن ہے، تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جس طرح صحابہ کے لیے بنفس نفیس حضور ﷺ کی ذات ہدایت تھی، اسی طرح ہمارے لیے حضور ﷺ کی احادیث ہدایت ہیں اور اگر احادیث رسول کو حضور کی دی ہوئی ہدایات اور آپ کے نمونہ کے لیے معتبر مآخذ نہ مانا جائے تو اللہ تعالیٰ کی حجت بندوں پر ناتمام رہے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رشد و ہدایت کے لیے صرف ''قرآن'' کو کافی قرار نہیں دیا، بلکہ ''قرآن'' کے احکام کے ساتھ ساتھ رسول کے احکام کی اطاعت اور اس کے افعال کی اتباع کو بھی لازم قرار دیا ہے اور اس کے اقوال اور افعال کو جاننے کے لیے احادیث کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

احادیث شریفہ کو اگر معتبر نہ مانا جائے تو نہ صرف یہ کہ حضور کی دی ہوئی ہدایات سے ہم محروم ہوں گے، بلکہ ''قرآن کریم'' کی دی ہوئی ہدایات سے بھی ہم مکمل طور پر مستفید نہیں ہو سکیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیے ''قرآن'' نازل فرمایا، لیکن اس کے معانی کا بیان اور اس کے احکام کی تعلیم حضور ﷺ کے سپرد کر دی چنانچہ ارشاد فرمایا:

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم. — ہم نے آپ کی طرف ذکر (قرآن کریم) نازل فرمایا تاکہ آپ لوگوں کو بیان کریں کہ ان کی طرف کیا احکام نازل کیے گئے ہیں۔

ویعلّمھم الکتاب والحکمۃ. — اور رسول مسلمانوں کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔

ممکن ہے کوئی شخص یہ کہہ دے کہ آیات کے معانی کا بیان اور کتاب و حکمت کی تعلیم صرف صحابہ کے لیے تھی۔ تو میں اوّلاً یہ کہوں گا کہ اسلام صرف صحابہ کا نہیں بلکہ قیامت تک کے مسلمانوں کا دین ہے، اس لیے جس ہدایت کی انہیں ضرورت تھی ہمیں بھی ضرورت ہے۔

ثانیاً: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب اپنی بلندی مقام اور جناب رسالت مآب ﷺ سے قرب کے باوجود قرآنی احکام کو سمجھنے کے لیے حضور کے بیان اور آپ کی تعلیم کے محتاج تھے تو بعد کے لوگ تو بدرجہ اولیٰ اس بیان اور تعلیم کی طرف محتاج ہوں گے۔

ثالثاً: قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیهم آیته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین O وآخرین منهم لما یلحقوا بهم

وہ ذات جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک بہت بڑا رسول بھیجا' جو ان پر اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے جب کہ وہ لوگ پہلے کھلی گمراہی میں تھے O اور بعد کے لوگوں کو جو ابھی پہلوں کے ساتھ لاحق نہیں ہوئے۔

قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے "قرآن" کی جو تعلیم دی ہے وہ صحابہ کے لیے بھی ہے اور بعد کے لوگوں کے لیے بھی۔ پس ثابت ہوا کہ حضور ﷺ کا "قرآن کریم" کی تعلیم دینا اور آیات کے معانی بیان کرنا جس طرح صحابہ کے لیے تھا اسی طرح قیامت تک کے مسلمانوں کے لیے بھی ہے اور اگر حدیث کو معتبر نہ مانا جائے تو بعد کے لوگوں کے لیے حضور ﷺ کی تعلیم اور تزکیہ کا کس طرح ثبوت ہوگا اور اس آیت کا صدق کیسے ظاہر ہوگا؟

آپ ہی سوچیے! اگر حضور نہ بتلاتے تو ہمیں کیسے معلوم ہوتا کہ لفظ صلوۃ سے یہ ہیئت مخصوصہ مراد ہے؟ مؤذن کی اذان سے لے کر امام کے سلام پھیرنے تک نماز اور جماعت کی تفصیل ہمیں کیوں کر معلوم ہوتی؟ اسی طرح حج اور عمرہ کا بیان' احرام کہاں سے اور کس دن باندھنا ہے؟ وقوف عرفہ' طواف زیارت و وداع' ان تمام احکام کی تفصیل اور تعیین "قرآن" میں کہیں نہیں ملتی۔ حد یہ ہے کہ "قرآن" میں یہ بھی مذکور نہیں کہ حج کس دن ادا کیا جائے؟ زکوۃ کا صرف لفظ "قرآن" میں مذکور ہے' لیکن عُشر اور زکوۃ کی کسی تفصیل کا "قرآن" میں بیان نہیں' پھر ان کی شرعی ہئیت کذائی جس سے فرائض' واجبات اور آداب کی تمیز ہو قرآن میں کہیں نہیں ملتی۔

قرآن کریم کے بیان کردہ ان تمام احکام کی تفصیل اور تعیین صرف حضور ﷺ سے ملتی ہے۔ عہد رسالت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ بیان زبانِ رسالت سے حاصل ہوا اور بعد کے لوگوں کو یہی بیان احادیث نبویہ سے حاصل ہو رہا ہے اور جو شخص ان احادیث کو معتبر نہیں مانتا' اس کے پاس "قرآن کریم" کے مجمل اور محکم احکام کی تفصیل اور تعیین کے لیے کوئی ذریعہ

نہیں ہوگا۔

حضور ﷺ جس طرح معانی "قرآن" کے مبیّن اور معلم ہیں، اسی طرح آپ بعض احکام کے شارع بھی ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ آپ کی اس حیثیت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یحل لھم الطیبات و یحرم علیھم الخبائث.	رسول اللہ ﷺ پاک چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔

حضور ﷺ نے جن چیزوں کو حلال اور حرام کیا، قرآن میں کہیں ان کا ذکر نہیں ہے۔ ان کا ذکر صرف احادیثِ رسول سے ہی ممکن ہے۔ حضور ﷺ نے شکار کرنے والے درندوں اور پرندوں کو حرام کیا، دراز گوش اور حشرات الارض کو حرام کیا اور ہمارے لیے ان احکام کا علم صرف احادیث رسول سے ہی ممکن ہے اور اگر احادیثِ رسول کو حجت نہ مانا جائے تو حلت و حرمت کے تمام احکام کے لیے شریعت اسلامیہ متکفل نہیں ہوگی۔

قرآن کریم کے نفس مضمون کو سمجھنے کے لیے بھی ہمیں احادیث کی ضرورت پڑتی ہے۔ کیونکہ "قرآن مجید" کی بعض آیات کا نزول کسی خاص واقعہ سے متعلق ہوتا ہے، بعض دفعہ کسی خاص سوال کے سبب سے کوئی آیت نازل ہوتی ہے اور بعض مرتبہ مشرکین یا منافقین کی کسی بات کے ردّ میں کوئی آیت نازل ہوتی ہے، کبھی کسی آیت میں عہد رسالت میں ہونے والے کسی واقعہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور کبھی صحابہ کے کسی عمل پر تنبیہ یا اس کی تائید میں کوئی آیت نازل ہوتی ہے۔ لہٰذا جب تک اس قسم کی تمام آیات کے پس منظر اور اسبابِ نزول کا علم نہ ہو، ان کا کوئی واضح معنی سمجھ میں نہیں آتا اور اگر فہم قرآن کے لیے احادیثِ نبویہ کو ایک معتبر مآخذ اور حجت نہ مانا جائے تو "قرآن مجید" کی بعض آیات ایک چیستان اور معمہ بن کر رہ جائیں گی۔

تدوینِ حدیث

عام طور پر منکرین حدیث یہ کہتے ہیں کہ احادیث کی تدوین حضور ﷺ کی وفات کے ڈھائی سو سال بعد کی گئی ہے، اس لیے کتبِ احادیث قابلِ اعتبار نہیں ہیں، لیکن ان کا یہ قول سخت مغالطہ آفرینی پر مبنی ہے کیونکہ احادیثِ رسول کی حفاظت اور کتابت کے سلسلہ میں عہدِ

رسالت سے لے کر اتباع تبع تابعین تک پورے تسلسل اور تواتر سے کام ہوتا رہا ہے اور ڈھائی سو سال کے اس طویل عرصہ کے کسی وقفہ میں بھی اس کام کا انقطاع نہیں ہوا۔

حضور سید عالم ﷺ کے مبارک زمانہ میں متعدد صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے احادیث کو قلم بند کرنا شروع کر دیا تھا۔ امام بخاری اپنی "صحیح" میں روایت کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے موقع پر حضور ﷺ نے طویل خطبہ دیا۔ یمن کے ایک شخص (ابوشاہ) نے آ کر عرض کیا "اکتب لی یا رسول اللہ" میرے لیے یہ خطبہ لکھوا دیجئے۔ آپ نے حکم دیا "اکتبوا لابی فلان" اس شخص کے لیے یہ خطبہ لکھ دو۔ (امام محمد بن اسماعیل بخاری المتوفی ۲۵۶ھ صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۲)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کو احادیث لکھنے کی عام اجازت تھی انہی سے روایت ہے:

عن عبداللہ بن عمرو قال کنت اکتب کل شئی اسمعه من رسول اللہ ﷺ ارید حفظه فنهتنی وقالوا اتکتب کل شئی تسمعه ورسول ﷺ بشر یتکلم فی الغضب والرضا فامسکت عن الکتابة فذکرت ذالک الی رسول اللہ ﷺ فاوما باصبعه الی فیه فقال اکتب فوالذی نفسی بیده ما یخرج منه الا الحق. (امام سلیمان بن اشعث ابوداؤد المتوفی ۲۷۵ھ سنن ابوداؤد ص ۵۱۴)	عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ میں حفاظت کے خیال سے رسول اللہ ﷺ سے سن کر ہر بات لکھ لیتا تھا بعض لوگوں نے مجھے منع کیا اور کہا: تم حضور ﷺ سے سن کر ہر بات لکھ لیتے ہو حالانکہ حضور ﷺ بھی ایک بشر ہیں آپ کبھی خوش ہوتے ہیں اور کبھی ناراض' یہ سن کر میں نے لکھنا چھوڑ دیا' جب حضور ﷺ سے میں نے اس واقعہ کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: لکھا کرو' قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اس منہ سے حق کے سوا اور کچھ نہیں نکلتا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احادیث لکھنے کا تذکرہ کیا ہے' فرماتے ہیں:

ما من اصحاب النبی ﷺ احد اکثر حدیثا عنه منی الا ما کان من	صحابہ میں مجھ سے زیادہ کسی کے پاس حضور کی احادیث محفوظ نہ تھیں سوا عبداللہ بن

عبداللہ بن عمرو فانہ کان یکتب ولا اکتب. (امام محمد بن اسماعیل البخاری، المتوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۲)

عمرو کے کیونکہ وہ احادیث لکھتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔

ابوداؤد اور بخاری کی ان روایتوں سے یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو احادیث قلم بند کیا کرتے تھے۔ رہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تو حضور ﷺ کی توجہ کی وجہ سے ان کا حافظہ بہت تیز ہو گیا تھا۔ اس وجہ سے وہ احادیث نہیں لکھتے تھے، تاہم ان کے پاس حضور ﷺ کی احادیث کتب اور صحائف کی شکل میں بھی محفوظ تھیں۔ چنانچہ عمرو بن امیہ بیان کرتے ہیں:

تحدث عند ابی ھریرہ بحدیث فاخذ بیدی الی بیتہ فارانا کتبا من حدیث النبی ﷺ وقال ھذا ھو مکتوب عندی. (حافظ ابن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱ ص ۲۱۷)

حضرت ابوہریرہ کے سامنے ایک حدیث پر گفتگو ہوئی، تو وہ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور ہمیں احادیث کی کتابیں دکھائیں اور کہا: دیکھو! وہ حدیث میرے پاس لکھی ہوئی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوہریرہ کے پاس ان کی تمام مرویات لکھی ہوئی محفوظ تھیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ ابوہریرہ ابتداً زمانہ رسالت میں احادیث نہیں لکھتے تھے، حضور ﷺ کے وصال کے بعد انہوں نے احادیث کو لکھ لیا یا اسی زمانہ میں وہ کسی اور شخص سے ان احادیث کو لکھواتے رہے ہوں گے۔ اور حضرت انس نے تو احادیث لکھ کر حضور ﷺ کو سنانے کا شرف بھی حاصل کر لیا تھا، چنانچہ قتادہ روایت کرتے ہیں:

کان یملی الحدیث حتی اذا کثر علیہ الناس جاء بمجال من کتب فالقا ھا ثم قال ھذہ احادیث سمعتھا و کتبتھا عن رسول اللہ وعرضتھا علیہ. (تفسیر العلم ص ۹۶-۹۵)

حضرت انس احادیث لکھوایا کرتے تھے اور جب لوگ زیادہ تعداد میں آئے، تو وہ اپنا صحیفہ لے کر آئے اور اس کو ان کے آگے رکھ کر فرمایا: یہ وہ احادیث ہیں جن کو میں نے حضور ﷺ سے سُن کر لکھا اور انہیں میں آپ پر پیش کر چکا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمر بھی احادیث کو لکھ کر صحائف میں محفوظ رکھا کرتے تھے۔ چنانچہ

روایت ہے:

یروی ان عبداللہ بن عمر کان خرج الی السوق نظر فی کتبہ وقد اکد الراوی ان کتبہ ھذہ کانت فی الحدیث

روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر جب بھی بازار جاتے تو اپنی کتابوں کو دیکھ لیتے تھے راوی تاکیداً کہتے ہیں کہ ان کی وہ کتابیں احادیث پر مشتمل تھیں۔

(الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع ص ۱۰۰)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص، حضرت ابوہریرہ، حضرت انس بن مالک اور حضرت عبداللہ بن عمر کے بارے میں آپ کی نظر سے مستحکم حوالے گذر چکے ہیں کہ یہ حضرات عہد رسالت میں احادیث کو صحائف میں لکھ کر محفوظ کر لیا کرتے تھے۔ اب ہم آپ کے مطالعہ میں ایک ایسا حوالہ پیش کرتے ہیں، جس سے ظاہر ہوگا کہ سرکار کے زمانہ اقدس میں بالعموم صحابہ کرام احادیث لکھ کر محفوظ کر لیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں:

کان عند رسول ﷺ ناس من اصحابہ وانا معھم وانا اصغر القوم فقال النبی ﷺ من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار فلما خرج القوم قلت کیف تحدثون عن رسول اللہ ﷺ وقد سمعتم ما قال وانتم تنھمکون فی الحدیث عن رسول اللہ ﷺ فضحکوا وقالوا یا ابن اخینا ان کل ما سمعنا منہ عندنا فی کتاب۔

(حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ مجمع الزوائد ج اص ۱۵۲۔۱۵۱)

میں دوسرے صحابہ کرام کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں حاضر تھا اور میں ان سب سے عمر میں کم تھا، حضور ﷺ نے فرمایا: جو شخص میری طرف جھوٹ منسوب کرے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے جب لوگ باہر نکلے تو میں نے ان سے کہا کہ حضور ﷺ نے حدیث کے معاملہ میں کتنی شدید وعید فرمائی ہے اور آپ لوگ بھی بہ کثرت احادیث بیان کرتے ہیں۔ یہ سن کر وہ لوگ ہنسے اور کہنے لگے: اے بھتیجے! ہم لوگ جو کچھ بیان کرتے ہیں وہ سب ہمارے پاس لکھا ہوا محفوظ ہے۔

ان احادیث سے یہ ظاہر ہوگیا کہ احادیث کو لکھنے اور محفوظ کرنے کا کام عہدِ رسالت میں

شروع ہو چکا تھا اور صحابہ کرام حضور ﷺ کے ارشادات اور آپ کے افعال اور احوال لکھ کر قلم بند کیا کرتے تھے اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بعض احادیث میں لکھنے کی جو ممانعت آئی ہے وہ بعض مواقع کے ساتھ مخصوص ہے، یعنی حضور ﷺ نے ان صورتوں میں لکھنے سے منع فرمایا تھا جن میں ''قرآن'' اور حدیث کے اشتباہ کا احتمال تھا۔

حضور ﷺ کے وصال کے بعد دورِ صحابہ میں تابعین نے صحابہ کی مرویات کو لکھ کر محفوظ کرنا شروع کیا حضرت ابوہریرہ جن سے پانچ ہزار تین سے چوہتر (۵۳۷۴) احادیث مروی ہیں انہوں نے بے شمار شاگرد پیدا کیے اور ان لوگوں نے ان احادیث کو لکھ کر محفوظ کیا اور یہ سلسلہ روایت آگے بڑھایا، چنانچہ ''مسند دارمی'' میں ہے کہ آپ کے شاگردوں میں سے بشیر بن نہیک نے آپ کی روایات کو لکھ کر محفوظ کر لیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے ایک ہزار چھ سو ساٹھ (۱۶۶۰) احادیث مروی ہیں، ان کی روایات کو دوسرے شاگردوں کے علاوہ کریب نے محفوظ کر لیا تھا۔ (محمد بن سعد کاتب واقدی، طبقات ابن سعد ج۵ ص۲۱۶)

اور حضرت انس جو کہ دو ہزار دو سو چھیاسی احادیث کے راوی ہیں، ان کے بارے میں ''مسند دارمی'' میں ہے کہ ان کی مرویات کو ابان نے لکھ کر محفوظ کر لیا تھا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو دو ہزار دو سو دس (۲۲۱۰) احادیث کی روایت کرتی ہیں، ان کی احادیث کو عروہ بن الزبیر نے لکھ کر محفوظ کر لیا تھا۔ (علامہ جلال الدین الخوارزمی، الکفایہ ص ۲۲۹)

حضرت عبداللہ بن عمر جو ایک ہزار چھ سو تیس احادیث کی روایت کرتے ہیں ''طبقات ابنِ سعد'' اور ''دارمی'' میں ہے کہ ان کی روایات کو نافع نے لکھ کر محفوظ کر لیا تھا اور حضرت جابر جو ایک ہزار پانچ سو چالیس (۱۵۴۰) احادیث کے راوی ہیں۔ ان کی مرویات کو قتادہ بن دعامۃ سروسی نے لکھ کر محفوظ کر لیا تھا۔ (محمد بن سعد کاتب واقدی، طبقات ابن سعد ج۷ ص۲)

مذکور الصدر سطور میں چند مثالیں پیش کی ہیں، ورنہ صحابہ کرام سے احادیث کا سماع اور روایت کرنے والے تمام حضرات احادیث کو ضبطِ تحریر میں لے آتے تھے۔ پہلی صدی ہجری کے اخیر تک اسی طرح متفرق طور پر کتابت کے سہارے تدوینِ حدیث کا کام آگے بڑھتا رہا۔ احادیث کے یہ صحائف اور نوشتے کسی نقطہ پر مشترک اور کسی جہت سے مجتمع نہ تھے، بغیر کسی ترتیب کے تابعین کرام نے اپنی اپنی مرویات کو اپنے سینوں اور صحیفوں میں محفوظ کر رکھا

تھا یہاں تک کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا زمانہ خلافت آیا اور انہوں نے احادیث کو یکجا کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ اس کام کے لیے انہوں نے معتمد اور مستند علماء کی ایک کمیٹی مقرر کی جن میں: ابوبکر محمد بن عمرو بن حزم، قاسم بن محمد بن ابی بکر اور ابوبکر محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب زہری کے اسماء خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

عمر بن عبدالعزیز نے مختلف علاقوں سے احادیث کا لکھا ہوا ذخیرہ جمع کیا اور ابن شہاب زہری نے ان احادیث کو ترتیب دیا تہذیب سے منظم اور منضبط کیا۔ (حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ تدریب الراوی ص ۳۰) احادیث کو جمع اور منظم کرنے کے ساتھ ساتھ حدیث کو سند کے ساتھ بیان کرنے کی ابتداء بھی ابن شہاب زہری نے کی ہے (مقدمہ معرفۃ الکتاب الجرح والتعدیل ص ۲۰) اسی وجہ سے ان کو علم اسناد کا واضع کہا جاتا ہے۔

احادیث کی ترتیب اور تہذیب کا جو کام ابن شہاب زہری نے شروع کیا تھا اس کام کو ان کے مایہ ناز تلامذہ برابر آگے بڑھاتے رہے یہاں تک کہ دوسری صدی کے اخیر میں ان کے ایک نامور شاگرد امام مالک بن انس اصبحی نے احادیث کو باب وار ترتیب دے کر پہلا مجموعہ حدیث ''موطا'' کے نام سے پیش کر دیا۔

''موطا امام مالک'' کے علاوہ امام اعظم نے اپنی مرویات کو ''کتاب الآثار'' کے نام سے پیش کیا جس کو ان کے لائق اور قابل صد فخر تلامذہ نے الگ الگ روایت کیا ہے۔ ان حضرات کے علاوہ دوسری صدی کے جن دوسرے متعدد بزرگ مصنفین نے فن حدیث میں کتابیں پیش کی ہیں ان میں سے بعض کی کتابیں یہ ہیں: سنن ابوالولید (۱۵۱ھ)' جامع سفیان ثوری (۱۶۱ھ)' معصنف ابی سلمۃ (۱۶۷ھ)' معصنف ابی سفیان (۱۹۷ھ)' جامع سفیان بن عیینہ (۱۹۸ھ) اور تیسری صدی کے جن مصنفین نے حدیث کی کتابیں تصنیف کی ہیں ان میں سے بعض حضرات کی کتابیں یہ ہیں: کتاب الام للشافعی (۲۰۴ھ)' مسند احمد بن حنبل (۲۴۱ھ)' الجامع الصحیح للبخاری (۲۵۶ھ)' الجامع لمسلم (۲۶۱ھ)' سنن ابوداؤد (۲۷۵ھ)' الجامع للترمذی (۲۷۹ھ)' سنن ابن ماجہ (۲۷۳ھ)۔

مضبوط اور مستحکم حوالہ جات کی روشنی میں ہم نے آپ کے سامنے عہد رسالت سے لے کر صحاح ستہ کے مصنفین تک تدوین حدیث کا ایک مربوط جائزہ پیش کر دیا ہے' جس سے ظاہر

ہوتا ہے کہ زمانہ رسالت سے لے کر اتباع تبع تابعین تک ہر دور میں احادیث کو قلم بند کیا جاتا رہا اور سینوں سے لے کر صحیفوں تک ہر طرح سے حدیث کی حفاظت کی جاتی رہی۔ نیز ہر دور میں لوگوں نے اپنے زمانہ کے مخصوص تقاضوں اور تصنیف و تالیف کے رجحانات کو سامنے رکھ کر احادیث کی تدوین کی۔ یہاں تک کہ تیسری صدی میں مصنفین صحاح ستہ نے پہلے لوگوں کی خوبیوں کو نئے اضافوں کے ساتھ ضم کر کے ایک جامع اسلوب کے ساتھ اپنی تصانیف کو پیش کیا جن کا تفصیلی تعارف اور تبصرہ اس کتاب کے آئندہ ابواب میں پیش کیا جا رہا ہے۔ حدیث کی ضرورت' حجیت اور تدوین پر بحث کرنے کے بعد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کی تعریف' اس کی اقسام وغیرہ پر بھی گفتگو کر لی جائے۔

علم حدیث کی اقسام (۱) از روایۃً (۲) از درایۃً

تعریف حدیث

علمِ حدیث کی دو قسمیں ہیں: علمِ حدیث روایۃً اور علم حدیث درایۃً۔ حدیث از روئے روایت اس علم کو کہتے ہیں جس سے حضور ﷺ کے اقوال' افعال' احوال (حضور کی تقریرات بھی احوال میں شامل ہیں' سعیدی غفرلہ) اور اوصاف کی معرفت حاصل ہو۔ اس علم کا موضوع خود حضور کی ذاتِ مقدسہ ہے اور علمِ حدیث از روئے درایت وہ علم ہے' جس سے راوی اور مروی عنہ کے حالات بہ حیثیت رد اور قبول معلوم ہوں۔ اس علم کا موضوع راوی اور مروی عنہ ہیں۔

اقسامِ حدیث

حدیث کی تعریف کے بعد اس کی بعض ضروری اقسام کی تعریفیں پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ مرفوع: جس حدیث میں حضور ﷺ کے اقوال' افعال اور تقریرات کا بیان ہو۔

۲۔ موقوف: جس حدیث میں صحابہ کرام کے اقوال' احوال اور تقریرات کا بیان ہو۔

۳۔ مقطوع: جس حدیث میں تابعین کے اقوال' افعال اور تقریرات کا بیان ہو۔

۴۔ متصل: جس حدیث کی سند سے کوئی راوی ساقط نہ ہو۔

۵۔ معلق: جس حدیث کی سند کے شروع سے رواۃ کو حذف کر دیا جائے خواہ یہ حذف بعض کا ہو یا کل کا۔

۶۔ مرسل: جس حدیث کی سند کے اخیر سے راوی کو ساقط کر دیا جائے مثلاً تابعی حضور ﷺ سے روایت کرے اور صحابی کو چھوڑ دے۔

۷ - معضل: درمیان سند سے دو متوالی راویوں کو چھوڑ دیا جائے۔

۸ - منقطع بمعنی اخص: دو سے زیادہ راویوں کو سند میں ایک جگہ سے یا دو راویوں کو متعدد جگہ سے چھوڑ دیا جائے۔

۹ - مضطرب: سند یا متن حدیث میں زیادتی' نقصان یا تقدیم وتاخیر کردی جائے۔

۱۰ - مدرج: متن حدیث میں راوی اپنا یا غیر کا کلام ملادے۔

۱۱ - شاذ: جس میں ثقہ راوی اپنے سے زیادہ ثقہ راوی کی مخالفت کرے (اس کا مقابل محفوظ ہے)۔

۱۲ - منکر: جس روایت میں زیادہ ضعیف راوی کم ضعیف کی مخالفت کرے (اس کا مقابل معروف ہے)۔

۱۳ - معلل: جس حدیث میں علت خفیہ قادحہ ہو مثلاً حدیث مرسل کو موصولاً روایت کیا جائے۔

۱۴ - صحیح لذاتہ: جس حدیث کے تمام راوی متصل' عادل' تام الضبط ہوں اور وہ حدیث غیر شاذ اور غیر معلل ہو۔

۱۵ - صحیح لغیرہ: جس حدیث میں کمال ضبط کے سوا صحیح لذاتہ کی تمام صفات ہوں اور ضبط کی کمی تعدد طرق روایت سے پوری ہو جائے۔

۱۶ - حسن لذاتہ: جس حدیث میں کمال ضبط کے سوا صحیح لذاتہ کی تمام صفات ہوں اور یہ کمی تعدد طرق سے پوری نہ ہو۔

۱۷ - حسن لغیرہ: جو حدیث صحیح لذاتہ کی ایک سے زیادہ صفات سے قاصر ہو لیکن یہ کمی تعدد طرق روایت سے پوری ہو جائے۔

۱۸ - ضعیف: جو حدیث صحیح لذاتہ کی ایک سے زیادہ صفات سے قاصر ہو اور تعدد طرق سے وہ کمی پوری نہ ہو۔

۱۹ - متروک: جس حدیث کی سند میں کوئی راوی متہم بالکذب ہو۔

۲۰ موضوع: جس حدیث کی سند میں کوئی ایسا راوی ہو جس سے وضع فی الحدیث ثابت ہو۔

۲۱ غریب: جس حدیث کی سند کا کوئی راوی سلسلہ سند کے کسی شیخ سے روایت میں منفرد ہو۔

- عزیز: جس حدیث کے دو راوی ہوں پھر سلسلہ سند کے ہر راوی سے کم از کم دو شخص روایت کرتے ہوں۔
- مشہور: جو حدیث دو سے زیادہ طرق سے مروی ہو (یعنی سلسلہ سند میں کسی شیخ سے بھی تین سے کم راوی نہ ہوں) اور یہ زیادتی حد تواتر سے کم ہو (غریب' عزیز اور مشہور ان میں سے ہر قسم کو خبر واحد کہا جاتا ہے)۔
- متواتر: جو حدیث ہر دور میں اتنے کثیر طرق سے مروی ہو کہ ان روایات کا توافق علی الکذب عادۃً محال ہو۔

اقسام کتب حدیث

کتب حدیث کی انواع اور اقسام کافی زیادہ ہیں' یہاں پر بعض ضروری اقسام کو بیان کیا جارہا ہے۔

- صحیح: جس کتاب کے مصنف نے صرف احادیث صحیحہ کا التزام کیا ہو جیسے ''صحیح بخاری و صحیح مسلم'' وغیرہ۔
- جامع: جس کتاب میں آٹھ عنوانوں کے تحت احادیث لائی جائیں اور وہ یہ ہیں: سیر' آداب' تفسیر' عقائد' فتن' احکام' اشراط' مناقب جیسے ''بخاری اور ترمذی'' وغیرہ۔
- سنن: جس کتاب میں فقط احکام سے متعلق احادیث ہوں جیسے سنن ابوداؤ و نسائی۔
- مسند: جس کتاب میں ترتیب صحابہ سے احادیث لائی جائیں' جیسے مسند احمد بن حنبل۔
- معجم: جس کتاب میں ترتیب شیوخ سے احادیث لائی جائیں جیسے معجم طبرانی۔
- مستخرج: جس کتاب میں کسی اور کتاب کی احادیث کو ثابت کرنے کے لیے ان احادیث کو مصنفِ کتاب کے شیخ یا شیخ الشیخ کی دیگر اسناد سے وارد کیا جائے۔ جیسے مستخرج لابی نعیم علی البخاری۔
- مستدرک: جس کتاب مین مختلف ابواب کے تحت ان احادیث کو لایا جائے جو ان ابواب میں میں کسی اور مصنف سے رہ گئی ہوں جیسے حاکم کی مستدرک علی الصحیحین۔
- رسالہ: جس کتاب میں جامع کے آٹھ عنوانوں میں سے کسی ایک عنوان کے تحت احادیث ہوں' جیسے امام احمد کی ''کتاب الزہد'' آداب میں اور ابنِ جریر طبری کی ''کتاب

تفسیر" ہیں۔

9- جز: جس کتاب میں صرف ایک موضوع پر احادیث ہوں جیسے امام بخاری کی "جز القرأۃ خلف الامام"۔

10- اربعین: جس کتاب میں چالیس احادیث ہوں جیسے اربعین نووی۔

11- امالی: جس کتاب میں شیخ کے املاء کرائے ہوئے فوائد حدیث ہوں جیسے امالی امام محمد۔

12- اطراف: جس کتاب میں حدیث کا صرف وہ حصہ ذکر کیا جائے جو بقیہ پر دلالت کرے اور پھر اس حدیث کے تمام طرق اور اسانید بیان کر دیئے جائیں یا بعض کتب مخصوصہ کی اسانید بیان کی جائیں۔ جیسے "اطراف الکتب الخمسۃ لابی العباس" اور "اطراف المزی"۔

طبقات کتب حدیث

شاہ ولی اللہ نے کتب حدیث کی صحت' شہرت اور مقبولیت کے اعتبار سے چار طبقے بیان کیے ہیں' جن کو ہم تلخیص کے ساتھ پیش کر دیتے ہیں۔

(۱) پہلا طبقہ ان کتابوں کا ہے جن کی صحت' شہرت اور مقبولیت سب سے زیادہ ہے جیسے صحیح بخاری' صحیح مسلم اور موطا امام مالک۔

(۲) دوسرا طبقہ ان کتابوں کا ہے جو صحت' شہرت اور مقبولیت میں پہلے طبقہ کے قریب ہیں' اس طبقہ کی اکثر کتابوں میں اکثر احادیث صحیح اور حسن ہیں' بعض ضعیف روایات بھی آ گئی ہیں لیکن ان کا ضعف بیان کر دیا گیا ہے۔ جیسے جامع ترمذی' سنن ابوداؤد اور سنن نسائی۔

(۳) اس طبقہ میں ان مصنفین کی کتابیں ہیں جو امام بخاری اور مسلم پر مقدم' ان کے معاصر یا ان کے مقارب تھے۔ حدیث میں ان کی فنی مہارت تو مسلم تھی' لیکن ان کی تصانیف میں دوسرے طبقہ کی بہ نسبت ضعیف روایات زیادہ ہیں' بلکہ بعض ایسی احادیث بھی ہیں جو متہم بالوضع ہیں جیسے مسند شافعی' سنن ابن ماجہ' مصنف عبدالرزاق' مصنف ابن ابی شیبہ' سنن دارمی' سنن دارقطنی' سنن بیہقی اور تصانیف طبرانی۔

(۴) چوتھے طبقہ میں ان متاخرین علماء کی کتابیں ہیں جن کی روایت کردہ احادیث کا قرون

اولیٰ میں ثبوت نہیں ملتا۔ اس کے دو ہی مطلب ہیں یا تو متقدین کو ان احادیث کی اصل نہیں مل سکی اور یا انہوں نے ان روایات میں کوئی علت خفیہ دیکھ کر ترک کر دیا' جیسے دیلمی' ابونعیم اور ابن عساکر وغیرہ کی تصانیف۔

مراتب ارباب حدیث

سطور ذیل میں مراتب اربابِ حدیث کا بیان کیا جاتا ہے:

طالب: حدیث کا متعلم۔

شیخ: حدیث کے معلم کو محدث یا شیخ کہتے ہیں۔

حافظ: جس شخص کو ایک لاکھ احادیث متناً و سنداً اور اس کے رواۃ کے احوال جرحاً و تعدیلاً محفوظ ہوں۔

حجة: جس شخص کو تین لاکھ احادیث متناً و سنداً اور جرحاً و تعدیلاً محفوظ ہوں۔

حاکم: جس شخص کو تمام احادیث مرویہ متناً و سنداً اور جرحاً و تعدیلاً محفوظ ہوں۔

حدیث ضعیف کے افراد

جب حدیث کی سند میں کوئی طعن یا جرح پائی جائے تو وہ حدیث باعتبار سند کے مطعون اور مجروح ہو جاتی ہے۔ سطور سابقہ میں اس کی چند اقسام بیان کی گئی ہیں۔ مثلاً مضطرب' منقطع' معلول' منکر' متروک' مبہم وغیرہ طعن کی یہ تمام اقسام حدیث ضعیف میں داخل ہیں' البتہ ان کے مراتب میں فرق ہوتا ہے اور حدیث متروک یعنی جس کا راوی متہم بالکذب ہو' باقی اقسام کی بہ نسبت زیادہ شدید ضعف کی حامل ہوتی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک حدیث کی سند میں متعدد وجوہ طعن ہوں' مثلاً وہ حدیث معلول بھی ہو منکر بھی اور متروک بھی لیکن متعدد وجوہ طعن جمع ہونے کے باوجود بھی وہ حدیث ضعیف ہی رہے گی' البتہ جس قدر وجوہ طعن زیادہ ہوں گے اس کا ضعف بڑھتا جائے گا۔ بتلانا یہ مقصود ہے کہ سند میں طعن اور جرح کی زیادتی اس کے وضع اور بطلان کو مستلزم نہیں ہوتی۔ حدیث کو صرف اس وقت موضوع قرار دیا جائے گا جب اس کی سند میں کوئی وضاع راوی آ جائے۔

غیر صحیح کی تحقیق

بعض دفعہ محدثین حضرات کسی سند کے بارے میں لکھتے ہیں "لا یصح" یعنی یہ سند صحیح نہیں ہے' اس جملہ سے بعض ناواقف لوگ یہ مغالطہ کھاتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع یا باطل ہے حالانکہ اصطلاح محدثین میں صحیح' غلط یا باطل کا مقابل نہیں ہوتا بلکہ صحیح کے مقابلہ میں صحیح لغیرہ' حسن لذاتہ' حسن لغیرہ اور ضعیف یہ سب شامل ہیں اور جب وہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے' تو اس کا مطلب ہوتا ہے یہ صحیح لذاتہ نہیں ہے اور ایسی صورت میں یہ صحیح لغیرہ' حسن لذاتہ یا حسن لغیرہ ہوسکتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ صحت کی نفی تو ضعف کو بھی مستلزم نہیں چہ جائیکہ صحت کی نفی سے وضع یا بطلان کا حکم لازم آئے؟ اس مبحث کی نفیس تحقیق اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی نے رسالہ "منیر العینین" میں بیان فرمائی ہے۔

متن اور سند میں احکام کا فرق

راوی کی مجروحیت اور دوجوہ طعن کا تعلق سند سے ہوتا ہے' متن حدیث کا حکم دوسرے قرائن کے اعتبار سے کیا جاتا ہے' یہ ممکن ہے کہ کسی صحیح حدیث کو ایک وضاع راوی بیان کرے۔ تب اس سند کے اعتبار سے تو اس حدیث کو موضوع کہا جائے گا لیکن فی نفسہ وہ حدیث موضوع نہیں کہلائے گی' البتہ جب کسی حدیث کی سند میں کوئی وضاع راوی ہو اور اس حدیث کا متن کسی طریقہ سے ثابت نہ ہو تو وہ حدیث مطلقاً موضوع کہلائے گی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ علامہ شمس الدین ذہبی "میزان الاعتدال" میں بیان فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے "عن ابراهیم بن موسی المزوری عن مالک عن نافع عن ابی عمرو رضی الله عنهما" حدیث "طلب العلم فریضة" کو موضوع فرمایا' علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس سند کے اعتبار سے موضوع ہے ورنہ نفس حدیث دیگر طرق ضعیفہ سے ثابت ہے۔ اسی طرح "تمہید" میں حافظ ابن البر نے حدیث "الصلوة بسواک خیر من سبعین صلاة" کو باطل کہا ہے لیکن علامہ سخاوی فرماتے ہیں کہ یہ حکم بھی اس خاص سند کے اعتبار سے ہے۔

اسی طرح حدیث ضعیف میں بھی ضعف کا حکم باعتبار سند کے ہوتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی صحیح حدیث کو ایک ضعیف راوی بیان کرے' اس سند کے اعتبار سے وہ حدیث ضعیف

کہلائے گی لیکن متن حدیث کا یہ حکم نہیں ہوگا۔علامہ نووی فرماتے ہیں:

ان روایات الراوی الضعیف یکون فیه الصحیح والضعیف والباطل فیکتبونها ثم یمیز اَهل الحفظ والا تقان بعض ذالک من بعض وذالک سهل علهیم معروف عندهم وبهذا احتج السفیان الثوری حین نهی عن الروایة عن الکلبی فقیل له انت تروی عنه فقال انا اعرف صدقه من کذبه.

(ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی' متوفی ۶۷۶ھ شرح مسلم للنووی علی مسلم ج اص ۲۱)

ضعیف راوی کی روایات میں صحیح' ضعیف اور باطل ہر قسم کی احادیث ہوتی ہے' محدثین ان تمام روایات کو لکھ لیتے ہیں۔پھر اہل علم ان کو تمیز دیتے ہیں اور یہ ان کے لیے آسان ہے۔اسی دلیل سے سفیان ثوری نے اس وقت استدلال کیا' جب ان سے کلبی کی روایات قبول کرنے پر اعتراض کیا گیا کہ آپ ان سے روایت کرتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا: میں اس کے صدق اور کذب میں تمیز کر لیتا ہوں۔

حدیث موضوع کا حکم

حدیث موضوع سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا اور نہ ہی حدیث موضوع کو بغیر بیان وضع کے بیان کرنا جائز ہے۔ایک حدیث متعدد ضعیف اسناد سے بیان کی جائے تو وہ قوی ہو جاتی ہے' لیکن اگر ایک حدیث متعدد موضوع اسانید سے بیان کی جائے تو وہ پھر بھی موضوع رہتی ہے کیونکہ شر کے ساتھ شر مل جائے تو وہ پھر بھی شر ہی رہتا ہے۔

احادیث سے ثابت ہونے والے امور کی تفصیل

احادیث سے جو مسائل اور احکام ثابت ہوتے ہیں جن کا تعلق حلت اور حرمت کے ساتھ ہو وہ چار قسم پر ہیں: (۱) عقائد قطعیہ جیسے توحید و رسالت اور مبدٔ و معاد (۲) عقائد ظنیہ جیسے انبیاء کی ملائکہ پر فضیلت اور قبر کے احوال۔

عقائد قطعیه: ان کے اثبات کے لیے حدیث متواتر ہونی چاہیے۔عام ازیں کہ تواتر لفظی ہو یا معنوی۔

عقائد ظنیه: ان کے اثبات کے لیے اخبار آحاد کافی ہیں۔

(۳) احکام: ان کے اثبات کے لیے حدیث صحیح ہونی چاہیے یا کم از کم یہ کہ وہ حدیث حسن

نظیرہ سے کم نہ ہو۔

(۴) فضائل و مناقب: اس باب میں بالاتفاق احادیث ضعیفہ کا بھی اعتبار کر لیا جاتا ہے۔

چنانچہ علامہ نووی فرماتے ہیں:

انهم قد يرون عنهم احاديث الترغيب والترهيب وفضائل الاعمال والقصص و احاديث الزهد ومكارم الاخلاق ونحو ذالك مما لا تعلق بالحلال والحرام وسائر الاحكام وهذا الضرب من الحديث يجوز عند اهل الحديث وغيرهم التساهل فيه وروایة ما سوى الموضوع منه والعمل به لان اصول ذالك صحيحة مقررة في الشرع معروفة عند اهله وعلى كل حال فان الائمة لا يرون عن الضعفاء شيأ يحتجون به على انفراده في الاحكام.

حضرات محدثین ضعیف راویوں سے ترغیب' ترہیب' فضائل اعمال' قصص' زہد اور مکارم اخلاق میں احادیث روایت کرتے ہیں اور حلال وحرام کے احکام میں ان سے اصلاً روایت نہیں کرتے اور اس قسم کی احادیث میں ضعیف راویوں سے روایت کرنا اور ان پر عمل کرنا صحیح اور شرع میں ثابت ہے اور احکام سے متعلق حدیث میں جب کوئی ضعیف راوی متفرد ہو تو اس کی روایت سے ہرگز استدلال نہیں کیا جاتا۔

علامہ نووی کی اس عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ فضائل اور مناقب میں ضعیف روایات کو قبول کیا جاتا ہے اور ان کے مقتضی پر عمل بھی ہوتا ہے' البتہ احکام میں ضعاف کا اعتبار نہیں ہوتا۔ لیکن بعض صورتوں میں احتیاط کے پیش نظر احکام میں بھی ضعیف روایات کا اعتبار کر لیا جاتا ہے

چنانچہ علامہ نووی لکھتے ہیں:

قال العلماء من المحدثين والفقهاء وغيرهم يجوز ويستحب العمل في الفضائل والترغيب والترهيب بالحديث الضعيف مالم

حضرات محدثین' فقہاء اور دیگر علماء کرام فرماتے ہیں کہ فضائل اعمال اور ترغیب وترہیب میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا مستحب ہے' جب کہ وہ موضوع نہ ہو۔

یکن موضوعا واما الاحکام کالحلال والحرام والبیع والنکاح والطلاق و غیر ذالک فلا یعمل فیھا الا بالحدیث الصحیح او الحسن الا ان یکون فی احتیاط فی شیئی کما اذا ورد حدیث ضعیف بکراھتہ بعض البیوع اوالا نکحۃ.

لیکن حلال اور حرام کے احکام مثلاً بیع' نکاح اور طلاق وغیرہ میں حدیث صحیح یا حسن کے سوا اور کسی پر عمل درست نہیں الا یہ کہ اس میں احتیاط ہو' مثلاً بیع یا نکاح کی کراہت میں کوئی حدیث ضعیف وارد ہو۔

(ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ'شرح مسلم للنووی علی مسلم ج ص ۲۱)

حدیث ضعیف کی تقویت

فضائل اعمال اور باب مناقب میں عموماً احادیث ضعیفہ کا اعتبار کیا جاتا ہے۔اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر ان بعض قرائن کا ذکر کر دیا جائے جن کی بناء پر حدیث ضعیف قوی ہو جاتی ہے اور اس کا ضعف جاتا رہتا ہے۔

پہلی صورت یہ ہے کہ جب حدیث ضعیف متعدد اسانید سے مروی ہو تو وہ حسن لغیرہ ہو جاتی ہے چنانچہ تمام مستند اصولِ حدیث کی کتابوں میں یہ مسئلہ مرقوم ہے: محقق علی الاطلاق امام ابن ہمام نے بھی ''فتح القدیر'' (ج ۲۴۸' مطبع مصر) میں اس کو وضاحت سے بیان فرمایا ہے اور علامہ شعرانی لکھتے ہیں:

وقد احتج جمھور المحدثین بالحدیث الضعیف اذا کثرت طرقہ ولحقوہ بالصحیح تارۃ وبالحسن اخری. (امام عبدالوہاب الشعرانی' میزان الشریعۃ الکبریٰ ج۱ص ۲۸)

جب حدیث ضعیف متعدد اسانید سے مروی ہو تو جمہور محدثین اس سے استدلال کرتے ہیں اور اس کو گاہے صحیح کے ساتھ اور گاہے حسن کے ساتھ لاحق کرتے ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ جب کسی حدیث ضعیف کے موافق مجتہدین میں سے کسی کا قول مل جائے تو اس سے بھی حدیث ضعیف کی تقویت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں:

ان المجتهد اذا استدل بحديث كان تصحيحا له كما في التحرير وغيره. (علامہ ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ ردالمحتار ج ۱ ص ۱)

مجتہد جب کسی احادیث سے استدلال کرے تو اس کا استدلال بھی حدیث کے صحیح ہونے کی دلیل ہے جس طرح "تحریر" وغیرہ میں (امام ابن ہمام نے تحقیق فرمائی ہے)۔

تیسری صورت یہ ہے کہ اگر کسی حدیث ضعیف کے موافق اہل علم میں سے کسی کا قول ہو تو اس سے بھی حدیث کی تقویت ہو جاتی ہے چنانچہ امام ترمذی حدیث: "اذا اتى احدكم الصلوة والامام على حال الحديث" کے تحت لکھتے ہیں: "هذا حديث غريب لا نعرف احدا اسنده الا ما روى من هذا الوجه والعمل على هذا عند اهل العلم"۔ ملا علی قاری اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

قال النووى اسناده ضعيف نقله ميرك فكان الترمذى يريد تقوية الحديث بعمل اهل العلم. (ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ مرقات ج ۳ ص ۹۸)

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور امام ترمذی اہل علم کے عمل سے اس حدیث کی تقویت کا ارادہ فرما رہے تھے۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ بعض اوقات صالحین کے عمل سے بھی حدیث کی تقویت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ صلوۃ التسبیح جس روایت سے ثابت ہے وہ حدیث ضعیف اور حاکم اور بیہقی نے اس کی تقویت کی وجہ یہ بتائی ہے کہ عبداللہ بن مبارک کے عمل کی وجہ سے یہ حدیث تقویت پا گئی۔ چنانچہ مولانا عبدالحی لکھتے ہیں:

قال البيهقى كان عبدالله بن المبارك يصليها وتداولها الصالحون بعضهم عن بعض وفى ذالك تقوية للحديث المرفوع. (مولانا عبدالحی لکھنوی المتوفی ۱۳۰۴ھ الآثار المرفوعۃ ص ۲۳)

علامہ بیہقی لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن مبارک صلاۃ تسبیح پڑھا کرتے تھے اور بعد کے تمام علماء اس کو ایک دوسرے سے نقل کرکے پڑھتے رہے۔ اس وجہ سے اس حدیث مرفوع کو تقویت حاصل ہوگی۔

اس کے علاوہ تجربہ اور کشف سے بھی حدیث ضعیف کی تقویت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ملا علی

قاری نے اسی بحث میں ابن عربی کے کشف سے ایک حدیث کی تقویت کا واقعہ بیان کیا ہے۔

روایات مختلفہ میں مذائق ائمہ

جب کسی ایک مسئلہ پر متعدد و متعارض روایات وارد ہوں تو اس سلسلہ میں تتبع اور تلاش سے جو ائمہ اربعہ کا مسلک معلوم ہو سکا ہے وہ یہ ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ایسی صورت میں روایات کے درمیان تطبیق دیتے ہیں اور حتی الامکان کوشش کرتے ہیں کہ ہر روایت پر کسی نہ کسی صورت میں عمل ہو جائے اور جب تطبیق نہ ہو سکے تو اس روایت کو ترجیح دیتے ہیں جو اسلام اور اصولِ روایت کے قریب تر ہو۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ایسی شکل میں قوت سند کے لحاظ سے کسی ایک روایت کو لیتے ہیں اور باقی کو چھوڑ دیتے ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تعارض کی صورت میں اس روایت کو ترجیح دیتے ہیں جو اہلِ مدینہ کے تعامل کے موافق ہو اور امام احمد متقدمین کی اکثریت کا لحاظ کرتے ہیں۔

مشہور حفاظ

سطور ذیل میں ہم چاروں مسلکوں کے مشاہیر حفاظ کے اسماء پیش کر رہے ہیں۔

احناف: حافظ ابو بشر دولابی، حافظ اسحاق بن راہویہ، حافظ ابو جعفر طحاوی، حافظ ابن ابی العوام سعدی، حافظ ابو محمد حارثی، حافظ عبد الباقی، حافظ ابو بکر رازی جصاص، حافظ ابو نصر کلاباذی، حافظ ابو محمد سمرقندی، حافظ شمس الدین سروجی، حافظ قطب الدین حلبی، حافظ علاؤ الدین ماردینی، حافظ جمال الدین زیلعی، حافظ علاؤ الدین مغلطائی، حافظ بدر الدین عینی، حافظ قاسم بن قطلو بغا وغیرہم۔

شوافع: حافظ دار قطنی، حافظ بیہقی، حافظ خطابی، حافظ عز الدین ابن سلام، حافظ ابن دقیق العید، حافظ عراقی، حافظ ذہبی، حافظ مزی، حافظ ابن اثیر جزری، سبکی، ہیتمی، ابن حجر عسقلانی وغیرہم۔

مالکیہ: حافظ حسین بن اسماعیل، حافظ رحیلی، حافظ ابن عبد البر، حافظ ابو الولید الباجی، حافظ قاضی ابو بکر العربی، حافظ عبد الحق، حافظ قاضی عیاض، حافظ مازری، حافظ ابن رشد، حافظ ابو القاسم سہیلی وغیرہم۔

حنابلہ: حافظ عبد الغنی المقدسی، حافظ ابو الفرج بن الجوزی، حافظ ابن قدامہ، حافظ ابنِ رجب وغیرہم۔

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ

حضرت امام الائمہ سراج الامہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ تمام فقہا اور مجتہدین کے رئیس ماہرین حدیث کے امام اور استاذ وارفتگان شوق کے قبلہ عابدوں کے رہنما' زاہدوں کے قافلہ سالار' صوفیوں کے پیشوا۔ الغرض نبوت و صحابیت کے بعد ایک انسان میں جس قدر محاسن اور فضائل ہو سکتے ہیں وہ ان سب کے جامع بلکہ ان اوصاف میں سب کے لیے ہادی اور مقتدیٰ تھے۔

امام ابو حنیفہ نے فقہ اسلامی کے جو اصول اور قوانین وضع کیے ان کو امت محمدیہ کی اکثریت نے قبول کیا اور اعزاز و افتخار کے ساتھ فقہ حنفی کے مقلد ہوئے' بے شمار اصفیاء و اتقیاء آپ کے مسلک کے مؤید بنے اور بے شمار محدثین اور محققین نے آپ کے اصول اور قواعد کے مطابق فقہی جزئیات کی توضیح اور تشریح کی اور آج دنیا میں دو ثلث سے زیادہ مسلمانوں کی آبادی فقہ حنفی کے مطابق ہی اپنی عبادات اور معاملات کو انجام دے رہی ہے۔

ولادت اور نام و نسب

امام اعظم ابو حنیفہ کے نسب میں مورخین کا کافی اختلاف ہے۔ خطیب بغدادی نے اپنی "تاریخ" میں آپ کے نسب سے متعلق تمام روایات جمع کر دی ہیں۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ آپ کے والد ثابت آپ کی ولادت کے وقت نصرانی تھے' لیکن یہ صحیح نہیں ہے' کیونکہ آپ کے صاحبزادے حماد بن ابی حنیفہ سے صحیح روایت کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ کے والد ثابت مذہب اسلام (حافظ ابو بکر احمد بن علی الخطیب البغدادی' المتوفی ۴۶۳ھ' تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۲۵) پر پیدا ہوئے اسی طرح آپ کے دادا کے بارے میں بھی مورخین کا اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے آپ کے دادا کا نام زوطیٰ ذکر کیا ہے جو بنی تیم کے غلام تھے۔ بعد میں بنی تیم نے آزاد کر دیا تھا۔ لیکن یہ روایت بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ خطیب بغدادی کی آپ کے پوتے اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ سے نقل کردہ صحیح روایت اس کی تکذیب کرتی ہے۔ انہوں نے آپ کے دادا کا نام نعمان بن مرزبان بیان کیا ہے۔ آپ کا پورا نام اس طرح ہے: "نعمان بن ثابت بن نعمان

بن مرزبان''۔ نیز اسماعیل بن حماد نے فرمایا: ہم اہل فارس ہیں اور ہمیشہ سے آزاد ہیں' ہمارے خاندان میں کبھی غلامی نہیں آئی (حافظ ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی' المتوفی ۴۶۳ھ' تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۲۶) خطیب کی اس روایت کو دیگر محققین نے بھی قبول کر کے اس پر اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ حوالے کے لیے دیکھئے ''تہذیب التہذیب'' ج ۱۰' ص ۴۴۹ از ابن حجر عسقلانی اور ''ذیل الجواہر المضیہ'' ج ۲' ص ۴۵۲' از ملا علی قاری۔

یہ خیال بھی کیا جاتا ہے کہ آپ کے دادا کا نام قبل از اسلام زوطی تھا اور قبول اسلام کے بعد انہی کا نام نعمان رکھا گیا ہے۔

اسماعیل بن حماد سے ہی روایت ہے کہ آپ کے دادا نعمان بن مرزبان کے حضرت علی سے بڑے گہرے مراسم تھے ایک مرتبہ نعمان بن مرزبان حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے فالودہ لے کر گئے' جس کو انہوں نے بے حد پسند فرمایا' جب ثابت پیدا ہوئے تو نعمان ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے کر گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ثابت اور ان کی اولاد کے حق میں دعا فرمائی تھی۔ اسماعیل بن حماد کہتے ہیں: ہمیں اللہ کے فضل سے توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے حق میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ دعا قبول فرمائی ہے۔

(حافظ ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی' المتوفی ۴۶۳ھ' تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۲۶)

آپ کی کنیت ابوحنیفہ ہے جس کا مطلب ہے' صاحبِ ملت حنیفہ اور اس کا مفہوم ہے ''ادیانِ باطلہ سے اعراض کر کے دینِ حق کو اختیار کرنے والا'' اسی معنی کی غرض سے یہ کنیت اختیار کی گئی ہے۔ ورنہ حنیفہ نام کی آپ کی کوئی صاحبزادی نہیں تھی۔

آپ کا نام نعمان ہے' اس نام کی لطافت بیان کرتے ہوئے علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نعمان لغت میں اس خون کو کہتے ہیں جس پر بدن کا سارا ڈھانچہ قائم ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ جسم کی پوری مشینری کام کرتی ہے اور امام اعظم کی ذات گرامی بھی دستور اسلام کے لیے محور اور عبادات و معاملات کے تمام احکام کے لیے بہ منزلہ روح ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ نعمان کے معنی سرخ اور خوشبودار گھاس کے بھی آتے ہیں چنانچہ آپ کے اجتہاد اور استنباط سے بھی فقہ اسلامی اطرافِ عالم میں مہک اٹھی ہے۔

(علامہ ابنِ حجر ہیتمی مکی شافعی' متوفی ۹۷۳ھ' الخیرات الحسان' ص ۴۸)

بشارت نبوی

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ظہور کے بارے میں حضور سید عالم ﷺ کی بشارت ملتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔ اسی مجلس میں سورۃ جمعہ نازل ہوئی' جب آپ نے اس سورت کی آیت "و آخرین منھم لما یلحقوا بھم" کی تلاوت فرمائی تو حاضرین میں سے کسی نے پوچھا: حضور! یہ دوسرے کون ہیں؟ جو ابھی تک ہم سے نہیں ملے؟ حضور ﷺ نے اس کے جواب میں سکوت فرمایا۔ جب بار بار یہ سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے حضرت سلمان فارسی کے کندھے پر دست اقدس رکھ کر فرمایا:

لو کان الایمان عند الثریا لنا لہ رجال من ھؤلاء۔ (محمد بن اسماعیل بخاری' متوفی ۲۵۶ھ صحیح بخاری ج ۲ص ۷۲۷)

اگر ایمان ثریا کے پاس بھی ہوگا تو اس کی قوم کے لوگ اس کو ضرور تلاش کر لیں گے۔

علامہ ابن حجر ہیتمی مکی نے حافظ سیوطی کے بعض شاگردوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ ہمارے استاذ (یعنی سیوطی) یقین کے ساتھ کہتے تھے کہ اس حدیث کے اولین مصداق صرف امام اعظم ہیں۔ کیونکہ امام اعظم کے زمانہ میں اہل فارس میں سے کوئی شخص بھی آپ کے علمی مقام کو نہ پا سکا' بلکہ آپ کا مقام تو الگ رہا آپ کے تلامذہ کے مقام کو بھی آپ کے معاصرین میں سے کوئی شخص حاصل نہ کر سکا۔ (امام موفق بن احمد مکی متوفی ۵۶۸ھ مناقب امام اعظم' ج ۱ص ۵۹۰) اور تو اور نواب صدیق حسن خان بھوپالی کو بھی حنفیت سے بسیار تعصب کے باوجود کہنا پڑا:

"ہم امام دراں داخل است"

(نواب صدیق حسن بھوپالی' اتحاف النبلاء ص ۲۲۴)

امام ابوحنیفہ' حضور علیہ السلام کی اس بشارت کے مصداق ہیں' جس کی تائید مرجع عوام و خواص' عارف کامل سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی اس بیان کردہ حکایت سے معلوم ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں: "حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا: میں نے عرض کیا: حضور! میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟ فرمایا: "عند علم

ابی حنیفة" علم ابوحنیفہ کے نزدیک۔

(حضرت ابوالحسن علی بن عثمان الہجویری' متوفی ۴۶۷ھ' کشف المحجوب ص ۲۱۶)

تعلیم کے مراحل

امام ابوحنیفہ ابتدائی اور ضروری تعلیم دین حاصل کرنے کے بعد تجارت کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ایک دن اسی سلسلہ میں بازار جا رہے تھے راستہ میں امام شعبی سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے آپ کے چہرہ پر ذہانت اور سعادت کے آثار نمایاں دیکھے تو آپ کو بلایا اور پوچھا: کہاں جا رہے ہو؟ بتایا: میں بازار جا رہا ہوں' پوچھا: علماء کی مجلس میں نہیں بیٹھتے؟ کہا: نہیں' فرمایا: تم علماء کی مجلس میں بیٹھا کرو۔ کیونکہ میں تمہارے چہرے پر علم و فضل کی درخشندگی کے آثار دیکھ رہا ہوں۔ (امام موفق بن احمد مکی متوفی ۵۶۸ھ' مناقب امام اعظم ج ا ص ۵۹)

امام شعبی سے ملاقات کے بعد امام اعظم کے دل میں علوم دینیہ کو علیٰ وجہ الکمال حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ پہلے آپ نے علم کلام کو حاصل کرنا شروع کیا اور اس میں کمال حاصل کر کے گمراہ فرقوں مثلاً جہمیہ اور قدریہ عقائد کے حاملین سے گفتگو اور مناظرہ شروع کیا۔ کچھ عرصہ اسی نہج پر کام کرتے رہے۔ پھر خیال آیا کہ صحابہ کرام سے زیادہ دین کا جاننے والا اور کون ہو سکتا تھا؟ اس کے باوجود انہوں نے ذات باری اور اس کی صفات کے باریک مسائل اور جبر و قدر کی معرکہ آراء بحثوں میں حصہ نہیں لیا۔ اس کے برخلاف شرعی اور فقہی مسائل میں ان کا التفات اور اشتغال زیادہ تھا۔ اگر مسائل کلامیہ میں غور و خوض کسی اہم اور بڑی خوبی کا حامل ہوتا تو یہ نفوس قدسیہ اس موضوع کو نہ چھوڑتے۔ اس خیال کے بعد آپ کی توجہ اس موضوع سے ہٹنے لگی۔ (امام موفق بن احمد مکی متوفی ۵۶۸ھ' مناقب امام اعظم ج ا ص ۶۰)

فقہی مسائل میں اشتغال اور حضرت حماد کے درس میں شمولیت کا داعیہ اس طرح پیش آیا کہ ایک دن ایک عورت نے آپ سے ایک مسئلہ پوچھا کہ جو شخص اپنی بیوی کو سنت کے مطابق طلاق دینا چاہتا ہو تو وہ کس طرح طلاق دے؟ آپ نے فرمایا: حماد سے یہ مسئلہ پوچھنا اور جب کچھ وہ جواب میں کہیں مجھے بھی بتا دینا۔ حماد نے جواب میں کہا کہ وہ شخص عورت کو اس طہر میں طلاق دے جس میں جماع نہ کیا ہو اور پھر اس کو چھوڑ دے اور جب وہ عورت تیسرے حیض کے گزرنے پر غسل کر لے گی تو نکاح کے لیے آزاد ہو گی' یہ جواب سن کر حضرت امام اعظم نے حماد

کی مجلس درس کو اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

(امام موفق بن احمد مکی متوفی ٥٦٨ھ مناقب الامام الاعظم ج ۱ ص ٥٥)

فقہ کی طرف امام اعظم کی توجہ کا ایک اور باعث یہ ہوا کہ آپ نے ایک رات خواب دیکھا کہ آپ حضور ﷺ کی قبر مبارک کھود رہے ہیں۔ تعبیر رؤیا کے بہت بڑے عالم اور امام محمد بن سیرین سے اس خواب کی تعبیر پوچھی گئی' تو انہوں نے اس کی تعبیر یوں بیان کی کہ آپ حضور ﷺ کی احادیث اور سنن سے ایسے مسائل کا استخراج اور ایسے امور کی عقدہ کشائی کریں گے جو ان سے پہلے کسی نے نہیں کی ہوگی۔ اس تعبیر کو اشارہ غیبی قرار دے کر امام اعظم نے پوری توجہ اور استغراق سے علم فقہ کی تحصیل شروع کر دی۔

(امام موفق بن احمد مکی متوفی ٥٦٨ھ مناقب امام اعظم ج ۱ ص ٦٧)

حضرت حماد کے درس میں آپ کو نمایاں جگہ ملتی اور بہت جلد آپ استاذ کی آنکھوں کا تارا بن گئے۔ کچھ عرصہ بعد آپ کو خیال آیا کہ اپنا الگ حلقہ درس قائم کر لیں۔ اسی اثناء میں حضرت حماد کو کہیں جانے کا اتفاق ہوا' ان کی غیر موجودگی میں آپ نے ساٹھ فتوے جاری کیے۔ بعد میں جب وہ مسائل آپ نے حضرت حماد پر پیش کیے تو انہوں نے ان میں چالیس مسائل سے اتفاق کیا اور باقی ماندہ بیس مسائل سے اختلاف کیا۔ اس وقت آپ نے قسم کھائی کہ تاحیات حماد کی مجلس کو نہیں چھوڑیں گے' چنانچہ ایسا ہی کیا۔

(امام موفق بن احمد مکی متوفی ٥٦٨ھ مناقب امام اعظم ج ۱ ص ٥٦)

اساتذہ

فقہ کے ساتھ ساتھ امام اعظم نے حدیث کی تحصیل بھی جاری رکھی۔ صحابہ کرام اور قابلِ غور تابعین میں سے جو حضرات بھی فن حدیث میں امام اور حجت تسلیم کیے جاتے تھے ان سب کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا۔ صدر الائمہ امام موفق بن احمد مکی نے ابو عبداللہ بن حفص کے حوالے سے آپ کے چار ہزار اساتذہ کا ذکر کیا ہے۔

(امام موفق بن احمد مکی متوفی ٥٦٨ھ مناقب امام اعظم ج ۱ ص ٣٨)

امام اعظم کے ان تمام اساتذہ اور مشائخ کا استقصاء تو دشوار ہے۔ لیکن چند مشاہیر اساتذہ کا ذکر کیا جاتا ہے' امام اعظم کو بعض صحابہ کرام سے بھی روایت حدیث کا شرف حاصل

ہے۔ جن میں حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے آپ کے جن مشائخ حدیث کا ذکر کیا ہے ان کے اسماء یہ ہیں: عطا ابن رباح' عاصم بن ابی النجود' علقمہ بن مرثد' حماد بن ابی سلیمان' حکم بن عتبہ' سلمہ بن کہیل' ابوجعفر محمد بن علی' علی بن الاحمر' زیاد بن علاقہ' سعید بن مسروق ثوری' عدی بن ثابت الانصاری' عطیہ بن سعید عوفی' ابوسفیان سعدی' عبدالکریم ابوامیہ' یحییٰ بن سعید انصاری اور ہشام بن عروہ۔ (حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ' تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۴۹)

حافظ ذہبی نے ان کے علاوہ نافع' عبدالرحمٰن' ہرمز الحرج' قتادہ' عمرو بن دینار اور ابواسحاق کا بھی ذکر کیا ہے۔ (امام ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ' تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۶۸)

ملا علی قاری نے آپ کے مشائخ میں ربیعہ' زید بن اسلم' شعبہ بن حجاج' ابوبکر بن عاصم بن ابی النجود اور عامر بن شرحبیل کا بھی ذکر کیا ہے۔

(ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ' ذیل جواہر المصنیہ ج ۲ ص ۴۵۴)

تلامذہ

امام اعظم کے تلامذہ بھی عدد و شمار سے باہر ہیں۔ امام ابویوسف' امام محمد' امام زفر آپ کے وہ قابل صد فخر تلامذہ ہیں' جنہوں نے ساری دنیا میں فقہ حنفی کا سکہ بٹھا دیا اور امام اعظم کی تعلیمات کی اس طرح اشاعت کی کہ آج دنیا میں دو تہائی اکثریت فقہ حنفی کے مطابق اپنی عبادات اور معمولات کو انجام دے رہی ہے۔ ان اہم شخصیات کے علاوہ جن حضرات نے آپ سے اکتساب فیض کیا ان میں سے بعض کے اسماء یہ ہیں: حماد بن نعمان' ابراہیم بن طہمان' حمزہ بن حبیب' ابویحییٰ حمانی' عیسیٰ بن یونس' وکیع' یزید بن زریع' اسد بن عمرو بجلی' حکام بن یعلی بن سلمہ رازی' خارجہ بن مصعب' عبدالمجید بن رداد' علی بن مسہر' محمد بن بشر عبدی' عبدالرزاق' مصعب بن مقدام' یحییٰ بن یمان' ابوعصمت نوح بن ابی مریم' ابوعبدالرحمان مقری' ابونعیم' اور ابو عاصم۔ (حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ' تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۴۹)

ذہانت و فطانت

امام اعظم رضی اللہ عنہ بے حد ذہین اور زیرک تھے۔ یوں تو فقہ حنفی کے تمام اصول و فروع آپ کی ذہانت اور فطانت پر بہترین شاہد ہیں۔ لیکن آپ نے اپنی زندگی میں بار بالوگوں کے بعض ایسے الجھے ہوئے معاملات کا حل پیش کیا' جن کی عقدہ کشائی سے آپ کے تمام معاصرین

عاجز ہو چکے تھے اور جب اس وقت کے جلیل القدر ائمہ اور مسلم اساتذہ آپ کے فتاوی کو دیکھتے تو ان کی عقلیں حیران رہ جاتیں اور انہیں بے اختیار کہنا پڑتا کہ علم کے جس شہر میں امام ابوحنیفہ رواں دواں ہیں ہم ہنوز اس کے دروازے تک بھی نہیں پہنچ سکے۔

آیئے! اب ہم آپ کے سامنے ان بے شمار فتاوی میں چند فتووں کی جھلکیاں پیش کریں۔

امام ابو یوسف راوی ہیں ایک شخص نے غصہ میں طلاق کی قسم کھا کر اپنی بیوی سے کہا کہ میں اس وقت تک تم سے کلام نہیں کروں گا جب تک تم مجھ سے بات نہ کرو۔ جواباً بیوی نے بھی قسم کھائی کہ میں بھی تم سے اس وقت تک گفتگو نہیں کروں گی جب تک تم مجھ سے بات نہ کرو گے۔ اس زمانے کے علماء نے فتوی دے دیا کہ ان میں سے جس نے بھی بات کر لی قسم ٹوٹ جائے گی۔ امام اعظم تک یہ سوال پہنچا تو آپ نے اس شخص کو فرمایا: جاؤ جا کر اپنی بیوی سے گفتگو کرو کچھ نہیں ہوگا۔ سفیان ثوری کو آپ کے فتوی کا علم ہوا تو بہت برہم ہوئے اور کہنے لگے: تم حرام کو حلال کرتے ہو۔ امام اعظم نے اپنے جواب کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا: خاوند نے قسم کھائی تھی کہ وہ بیوی کے بولنے سے پہلے بات نہیں کرے گا یہ سن کر اس کی بیوی نے ایسی ہی قسم کھائی اور جب قسم کھائی تو اس نے خاوند سے بات کر لی اب جب خاوند اس سے بات کرے گا تو یہ کلام بیوی کی گفتگو کے بعد ہوگا۔ کیونکہ بیوی قسم کھا کر اس سے پہلے بات کر چکی ہے اور جب بیوی بات کرے گی تو وہ بات خاوند کی اس گفتگو کے بعد ہوگی۔ لہذا دونوں میں سے کسی کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔ امام اعظم سے جواب کی یہ تفصیل سن کر سفیان ثوری کہنے لگے: ابوحنیفہ! تمہارے لیے علم کے وہ راستے کشادہ کر دیئے گئے ہیں جن تک ہماری رسائی نہیں ہوئی۔ (ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ ذیل الجواہر المضیہ ج ۲ ص ۴۸۱)

وکیع روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام اعظم، سفیان ثوری، مسعر، مالک بن مغول، جعفر بن زیاد اور حسن بن صالح، ایک رئیس کے ہاں ولیمہ میں شریک تھے صاحب خانہ نے اپنے دو لڑکوں کی ایسی دو لڑکیوں سے شادی کی تھی جو آپس میں بہنیں تھیں۔ ناگاہ صاحب خانہ حیران و پریشان آیا اور علماء کی اس جماعت سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: رات کو غلطی سے دونوں لڑکیوں میں سے ہر لڑکی اپنے خاوند کے غیر کے پاس پہنچا دی گئی اور دونوں بھائیوں میں سے ہر ایک نے رات جس لڑکی کے پاس گزاری ہے وہ اصل میں دوسرے بھائی کی بیوی تھی۔ سفیان ثوری

نے فتویٰ دیتے ہوئے کہا: ہر لڑکی اپنے اصل خاوند کے پاس پہنچا دی جائے اور کسی سے کوئی مواخذہ نہیں ہے' سوائے اس کے کہ ہر ایک پر مہر واجب ہوگا۔

مسعر نے امام اعظم کی طرف توجہ کی اور پوچھا: آپ کیا فرماتے ہیں؟ سفیان کہنے لگے: بھلا اس جواب کے سوا اور کیا کہہ سکتے تھے؟ امام اعظم نے ان دونوں بھائیوں کو بلایا اور ہر ایک سے پوچھا: جس لڑکی کے ساتھ تم نے رات گزاری ہے کیا اس کو تم پسند کرتے ہو؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ آپ نے ان سے فرمایا: تم دونوں اپنی اپنی بیویوں کو طلاق دو اور جس کے ساتھ رات گزاری ہے اس سے فوراً نکاح کرلو۔ آپ کے اس جواب سے تمام علماء حیران رہ گئے اور مسعر نے اٹھ کر آپ کی پیشانی چوم لی۔

(ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ ذیل الجواہر المضیہ ج ۲ ص ۴۸۱)

امام اعظم بعض دفعہ دوسرے علماء کے فتاویٰ اور قضایا کی اصلاح بھی فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ قاضی ابولیلیٰ کے ہاں ایک مقدمہ پیش ہوا کہ ایک شخص نے اپنی مجنونہ بیوی کو کچھ کہا تو اس نے جواب میں اسے ''یا ابن الزانیتین'' کہا' قاضی نے عورت کو مسجد میں کھڑا کیا اور اس پر دو بار حد لگائی۔ امام اعظم کو جب اس فیصلے کی خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا: ابولیلیٰ نے اس فیصلے میں چھ غلطیاں کی ہیں: اولاً یہ کہ مجنونہ پر حد لگائی۔ حالانکہ جنون کی وجہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔ ثانیاً: یہ کہ مسجد میں حد لگائی ہے حالانکہ مسجد امن کی جگہ ہے۔ ثالثاً: عورت کو کھڑا کر کے حد قائم کی حالانکہ عورت کو بٹھا کر حد لگائی جاتی ہے۔ رابعاً: عورت نے ایک کلمہ کے ساتھ تہمت لگائی تھی اور ایک کلمہ کے ساتھ اگر ساری دنیا کو بھی تہمت لگائی جائے تو ایک حد واجب ہے۔ اس لیے اس پر دو حدوں کے قائم کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ خامساً: تہمت خاوند کے ماں باپ پر لگی اور وہ غائب تھے خاوند کو نہ شکایت کا حق تھا اور نہ حد کے مطالبہ کا۔ سادساً: دوسری حد پہلی حد سے صحت یاب ہونے سے قبل لگائی' حالانکہ اصول یہ ہے کہ اگر دو حدیں جاری کرنی ہوں تو ایک سے صحت یاب ہونے کے بعد دوسری حد لگائی جاتی ہے۔ (امام ابن حجر ہیتمی مکی متوفی ۹۷۳ھ الخیرات الحسان ص ۱۱۸)

سیرت و کردار

امام اعظم رضی اللہ عنہ جس طرح علم و فضل میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے اسی طرح اخلاق اور کردار کے لحاظ سے بھی یکتائے روزگار اور بے نظیر تھے۔ ان کی فکر صائب اور علمی وسعت

نے جس طرح قیامت تک کے لوگوں کے لیے ایک لائحہ عمل مہیا کیا۔ اسی طرح ان کی بلند سیرت اور عظیم اخلاق نے انسانی کردار کو عظمت کا قوام اور مواد عطا کیا۔ یوں تو امام اعظم کے اخلاق کو بیان کرنے کے لیے تاریخ اور تذکرہ کی کتابوں سے متعدد واقعات کو بطور استشہاد پیش کیا جا سکتا ہے لیکن ان کے خلق کی جو تصویر ہارون الرشید کے دربار میں امام ابو یوسف نے کھینچی ہے اس کی جامعیت اور افادیت اندازہ سے باہر ہے۔

امام زعفرانی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہارون الرشید نے امام ابو یوسف سے کہا کہ امام ابوحنیفہ کے اوصاف بیان کیجئے۔ فرمایا: امام اعظم محارم سے شدید اجتناب کرتے تھے بلا علم دین میں کوئی بات کہنے سے سخت ڈرتے تھے وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں انتہائی مجاہدہ کرتے اہل دنیا کے منہ پر کبھی ان کی تعریف نہیں کرتے تھے اکثر خاموش رہتے اور مسائل دینیہ میں غور و فکر کرتے رہتے تھے اتنے عظیم علم کے باوجود بے حد سادہ اور منکسر المزاج تھے جب ان سے کوئی سوال پوچھا جاتا تو کتاب و سنت کی طرف رجوع کرتے اور اگر اس کی نظیر قرآن و حدیث میں نہ ملتی تو پھر قیاس کرتے نہ کسی شخص سے طمع کرتے اور نہ بھلائی کے سوا کبھی کسی کا تذکرہ کرتے۔ ہارون الرشید یہ سنتے ہی کہنے لگا: صالحین کے اخلاق ایسے ہی ہوتے ہیں۔ پھر اس نے کاتب کو ان اوصاف کے لکھنے کا حکم دیا اور اپنے بیٹے سے کہا: ان اوصاف کو یاد کر لو۔

(امام ابن بزاز کردری متوفی ۸۲۷ھ مناقب کردری ج ۱ ص ۲۲۶)

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ امام اعظم اگر کسی کو کچھ عطا فرماتے اور وہ اس پر ان کا ممنون ہوتا تو آپ کو بے حد افسوس ہوتا' فرماتے: شکر کا مستحق تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کا دیا ہوا مال میں نے تم تک پہنچایا ہے' امام ابو یوسف نے کہا کہ امام اعظم بیس سال تک میرے اور میرے اہل و عیال کی کفالت فرماتے رہے۔ ایک دن میں نے عرض کیا کہ میں نے آپ جیسا فیاض کوئی شخص نہیں دیکھا' فرمایا: تم نے حماد کو نہیں دیکھا' ورنہ ایسا کبھی نہ کہتے۔

(امام ابن حجر ہیتمی مکی متوفی ۹۷۳ھ الخیرات الحسان ص ۹۵)

سقیق بیان کرتے ہیں کہ میں امام اعظم کے ساتھ بازار جا رہا تھا راستہ میں ایک شخص آپ کو دیکھ کر چھپ گیا۔ آپ نے اس کو بلا کر چھپنے کی وجہ پوچھی' اس نے بتایا کہ میں نے آپ کے دس ہزار درہم دینے ہیں۔ کافی عرصہ گزر چکا لیکن میں تنگ دستی کی وجہ سے نہیں دے سکا۔

اس لیے شرم کی وجہ سے آپ کو دیکھ کر چھپ گیا تھا۔ اُس کی اِس گفتگو کو سن کر آپ پر بڑا گہرا اثر ہوا اور فرمایا: جاؤ میں خدا کو گواہ کر کے تمہارا سارا قرضہ معاف کرتا ہوں۔

(امام ابن حجر ہیتمی مکی' متوفی ۹۷۳ھ' الخیرات الحسان ص ۹۵)

امام رازی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام اعظم کسی جگہ رہے تھے۔ راستہ میں کیچڑ تھی ایک جگہ آپ کے پیر کی ٹھوکر سے کیچڑ اڑ کر کسی شخص کے مکان کی دیوار سے جا لگی' آپ پریشان ہو گئے کہ اگر کیچڑ اکھاڑ کر دیوار صاف کی جائے تو دیوار کی مٹی بھی اتر آئے گی اور اگر یونہی چھوڑ دیا جائے تو ایک شخص کی دیوار خراب ہوتی ہے۔ اس پریشانی میں تھے کہ صاحب خانہ باہر آیا اتفاق سے وہ شخص یہودی تھا اور آپ کا مقروض تھا۔ آپ کو دیکھ کر سمجھا کہ قرض مانگنے آئے ہیں' پریشان ہو کر عذر پیش کرنے لگا آپ نے فرمایا: قرض کو چھوڑو میں تو اس خلجان میں ہوں کہ تمہاری دیوار کو صاف کیسے کروں؟ کیچڑ کھرچوں تو خطرہ ہے دیوار سے کچھ مٹی بھی اتر آئے گی اور اگر یونہی رہنے دوں تو تمہاری دیوار گندی ہوتی ہے۔ یہ بات سن کر یہودی بے ساختہ کہنے لگا: حضور! دیوار کو بعد میں صاف کیجئے گا پہلے کلمہ پڑھا کر میرا دل پاک کر دیں۔

عبادت وریاضت

امام اعظم عبادت وریاضت میں قدم راسخ رکھتے تھے ان کی عبادت وریاضت کا جو حال غیر حنفی علماء نے بیان کیا ہے وہ عادت سے اس قدر بعید اور اتنا حیرت انگیز ہے کہ آج کی عیش کوش اور تن آسان دنیا اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ حنفی' شافعی بلکہ ملتِ اسلامیہ کے علماء کے درمیان یہ بات حد استفاضہ سے زیادہ معروف ہے کہ امام ابو حنیفہ چالیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھتے تھے۔ لیکن زمانہ قریب کے مشہور مؤرخ جناب شبلی صاحب نے اس واقعہ سے سراسر انکار اور اس کو عقل کے خلاف قرار دیا ہے۔ دراصل گمراہی کی سب سے پہلی بنیاد یہ ہے کہ ہم اپنی عقل وفراست اور اپنے اخلاق وکردار کے میزان سے صالحین امت کے کارناموں کو تولنا شروع کر دیں۔ غور کیجئے! امام بخاری کو تین لاکھ احادیث زبانی یاد تھیں' کیا آج کی دنیا کے لوگوں کی قوت حفظ کو سامنے رکھ کر یہ باور کرنا ممکن ہے؟ کیا یہ امر واقعہ نہیں کہ امام شمس الدین سرخسی نے تیس ضخیم مجلدات پر مشتمل ''مبسوط'' جیسی عظیم کتاب بغیر کسی کتب کے مطالعہ کیے زبانی املا کرائی؟ اور صرف ''مبسوط'' ہی نہیں امام سرخسی نے ''مبسوط'' جیسی کئی

ضخیم کتابیں قید خانہ میں بغیر مطالعہ کے زبانی املاء کرائیں۔ کیا آج کے لوگوں کی قوت علمیہ کو سامنے رکھ کر یہ باور کرنا ممکن ہے کہ کوئی شخص محض حافظہ کی بنیاد پر اتنا عظیم کام کر سکتا ہے؟ جس طرح سلف صالحین کا یہ گروہ اپنی قوت علمیہ کے اعتبار سے ہم سے آگے تھا اس طرح یہ نفوس قدسیہ اپنی قوت عملیہ کے لحاظ سے بھی ہمارے وہم وگمان سے بہت بلند تھے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کی شب بیداری کا سبب یہ تھا کہ ایک بار ایک شخص نے آپ کو دیکھ کر کہا۔ یہ وہ شخص ہیں جو عبادت میں پوری رات جاگ کر گزارتے ہیں امام ابوحنیفہ نے یہ سنا تو فرمانے لگے ہمیں لوگوں کے گمان کے مطابق بننا چاہیے۔ اس وقت سے آپ نے رات کو جاگ کر عبادت کرنی شروع کی یہاں تک کہ عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھا کرتے اور چالیس سال تک لگاتار اس معمول پر قائم رہے۔

(امام ابن حجر ہیتمی مکی متوفی ۹۷۳ھ الخیرات الحسان ص ۹۲)

فضل بن دکین کہتے ہیں کہ میں نے تابعین میں امام ابوحنیفہ کی طرح کسی شخص کو شدت خشوع سے نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ دعا مانگتے وقت خوف خداوندی سے آپ کا چہرہ زرد ہو جاتا تھا اور کثرت عبادت کی وجہ سے آپ کا بدن کسی سال خوردہ مشک کی طرح مرجھایا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ ایک بار آپ نے رات کو نماز میں ''قرآن کریم'' کی آیت مبارکہ ''بل الساعة موعدهم والساعة ادهى وامر'' کی تلاوت کی پھر اس کی قرأت سے آپ پر ایسا کیف طاری ہوا کہ بار بار اس آیت کو دہراتے رہے یہاں تک کہ مؤذن نے صبح کی اذان کہہ دی۔

(امام ابن حجر ہیتمی مکی متوفی ۹۷۳ھ الخیرات الحسان ص ۸۳)

زہد وتقویٰ

تقویٰ کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر اس چیز کو چھوڑ دیا جائے جس کی وجہ سے دین میں کسی قسم کا شک وشبہ پیدا ہو اس لحاظ سے بھی امام ابوحنیفہ کا مقام بہت اونچا تھا۔ جس چیز میں ادنیٰ سی کراہت کا بھی شائبہ ہوتا آپ اس سے کلیۃً اجتناب کرتے۔ زہد کا یہ عالم تھا کہ مال ودولت کی طرف قطعاً التفات نہ کرتے اور بڑی سی بڑی رقم بھی آپ کی خدمت میں پیش کی جاتی تو شانِ استغناء سے رد کر دیا کرتے تھے۔

حسن بن زیاد حلفاً بیان کرتے تھے کہ امام اعظم نے کبھی کوئی وظیفہ یا کسی کا ہدیہ یا تحفہ

قبول نہیں فرمایا' یہ زہد کا حال تھا اور تقویٰ کا اندازہ اس سے کریں کہ ایک مرتبہ اپنے شریک کے پاس تجارت کے لیے کپڑے کے تھان بھیجے جن میں سے ایک تھان میں کوئی نقص اور عیب تھا۔ آپ نے اپنے شریک سے کہا کہ جب اس تھان کو فروخت کرنا تو اس کا عیب بیان کر دینا' شریک نے اس تھان کو فروخت کر دیا اور گاہک سے اس کا عیب بیان کرنا بھول گیا اور بعد میں یہ بھی یاد نہ رہا کہ کس شخص کے ہاتھ وہ تھان فروخت کیا تھا۔ امام اعظم کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو انہوں نے تیس ہزار درہم کی مالیت کے ان تمام تھانوں کی قیمت صدقہ کر دی۔

(امام ابن حجر ہیتمی مکی' متوفی ۹۷۳ھ الخیرات الحسان ص ۹۸)

امام اعظم کی خصوصیات

امام اعظم کو اللہ عزوجل نے وہبی اور کسبی بے شمار خصوصیات سے نوازا تھا۔ علم و حکمت میں دیکھیے تو وہ ایک بحر نا پیدا کنار' زہد و تقویٰ کے لحاظ سے دیکھئے تو نادرِ روزگار' فراست و فطانت کے اعتبار سے پرکھیں تو اپنا ثانی نہیں رکھتے' استنباط مسائل اور فقاہت کے لحاظ سے دیکھیں تو اعمش اور سفیان ثوری بھی ان سے سوال پوچھتے دکھائی دیتے ہیں۔

امام اعظم کو بے شمار ایسے محاسن اور فضائل حاصل تھے جن کی وجہ سے آپ اپنے معاصرین اور بعد کے ائمہ اور مجتہدین سے ممتاز اور فائق تھے۔ ان تمام کا احصاء تو مشکل ہے۔ بعض ازاں یہ ہیں:

(۱) امام اعظم خیر القرون علی الاطلاق قرن اول میں پیدا ہوئے جس قرن کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا: اس قرن کے لوگ تمام زمانہ کے لوگوں سے بہتر ہیں۔

(۲) آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ' عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ اور دیگر متعدد صحابہ (رضی اللہ عنہم) کی زیارت کی۔ جس کی وجہ سے آپ تابعی کہلائے۔

(۳) حضرت انس' عبداللہ بن ابی اوفیٰ' عائشہ بنت عجرد وغیرہم صحابہ کرام سے آپ کو شرف روایت بھی حاصل ہے۔

(۴) آپ کے اساتذہ و تلامذہ کی تعداد دیگر تمام ائمہ کے اساتذہ و تلامذہ سے زیادہ ہے۔

(۵) آپ نے سب سے پہلے علم فقہ کو مدون کیا اور ابواب و کتب کے لحاظ سے اس کو مرتب کیا۔ چنانچہ "موطا" میں امام مالک نے آپ کے طرزِ تدوین کی اتباع کی ہے۔

(۶) آپ کے طریق اجتہاد سے تمام ائمہ اور مجتہدین نے استفادہ کیا۔ چنانچہ امام شافعی نے فرمایا: "الفقهاء كلهم عيال ابى حنيفة فى الفقه"۔

(۷) امام اعظم کا مسلک ان ممالک میں پہنچا جہاں آپ کے مسلک کے سوا اور کوئی مسلک نہیں پہنچا' جیسے ہند' پاکستان' روم' ترکی اور ماوراء النہر وغیرہ۔

(۸) ملا علی قاری کی تصریح کے مطابق اس وقت دنیا کے مسلمانوں میں ۲/۳ مسلک حنفی کے حاملین ہیں اور باقی ۱/۳ دوسرے ائمہ کے مقلدین ہیں۔

(۹) آپ نے کبھی کسی کا صلہ اور انعام قبول نہیں کیا۔ اپنے ہاتھ کی کمائی سے خود بھی کھاتے تھے اور دوسرے علماء وفقراء پر بھی خرچ کرتے تھے۔

(۱۰) زہد وتقویٰ اور عبادت وریاضت میں جس قدر آپ کی سعی بلیغ اور جدوجہد کا ثبوت ملتا ہے۔ تاریخ میں کسی اور امام کا اس قدر مجاہدہ نہیں ملتا۔

کلمات الثناء

امام اعظم کے علمی وعملی کمالات کی آپ کے معاصرین اور بعد کے ائمہ ومجتہدین نے تعریف وتحسین کی اور آپ کی دینی خدمات کو انتہائی عزت وتوقیر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ خلف بن ایوب بہ بانگ دہل کہا کرتے تھے: اللہ تعالیٰ سے علم حضور ﷺ تک پہنچا' وہ علم آپ نے صحابہ تک پہنچایا' صحابہ نے تابعین کو اور تابعین سے وہ علم امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کو ملا۔ حق یہی ہے خواہ اس پر کوئی راضی ہو یا ناراض۔

(حافظ ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی' متوفی ۴۶۳ھ' تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۳۶)

ابن عیینہ' عبداللہ بن المبارک سے نقل کرکے کہتے تھے کہ ابوحنیفہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں۔ (حافظ ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی' متوفی ۴۶۳ھ' تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۳۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود کے پوتے جناب قاسم کہا کرتے تھے کہ امام ابوحنیفہ کی مجلس سے زیادہ فیض رساں اور کوئی مجلس نہیں ہے۔

(حافظ ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی' متوفی ۴۶۳ھ' تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۳۷)

مسعر بن کدام کہتے تھے کہ کوفہ میں مجھے صرف دو آدمیوں پر رشک آتا ہے' ابوحنیفہ پر ان کی فقہ کی وجہ سے اور حسن بن صالح پر ان کے زہد کی وجہ سے۔

(حافظ ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی' متوفی ۴۶۳ھ' تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۳۸)

اسرائیل کا قول ہے کہ نعمان اچھے آدمی تھے' احکام سے متعلق کسی کو ان سے زیادہ احادیث یاد نہ تھیں' نہ ان سے زیادہ کوئی حدیث کی فقہ جاننے والا تھا' انہوں نے حماد سے احادیث یاد کیں اور خوب یاد کیں' خلفاء اور امرائے نے ان کی عزت کی اور جو شخص فقہی مسائل میں ان سے بحث کرتا اس کی جان مصیبت میں آ جاتی تھی۔

(حافظ ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی' متوفی ۴۶۳ھ' تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۳۹)

امام ابویوسف کا قول ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہ سے بڑھ کر حدیث کے معانی اور فقہی نکات جاننے والا کوئی شخص نہیں دیکھا۔ وہ کہتے تھے: میں جس کسی مسئلہ میں امام اعظم سے اختلاف کرتا تو بعد میں غور وخوض سے مجھ پر یہی منکشف ہوتا کہ امام اعظم کا نظریہ اخروی نجات کے زیادہ قریب تھا۔ بعض اوقات میں حدیث کے ظاہری مطلب کی طرف میلان کرتا تھا' لیکن بالآخر یہ کہنا پڑتا تھا کہ احادیث کے دقائق میں وہ ہم سب سے بہت زیادہ بصیرت رکھتے تھے۔ ابویوسف کہا کرتے تھے کہ میں امام ابوحنیفہ کے لیے اپنے والد سے پہلے دعا مانگتا ہوں۔

(حافظ ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی' متوفی ۴۶۳ھ' تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۴۱)

ابوبکر بن عیاش کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ تعزیت کے سلسلے میں سفیان کے گھر پہنچا' مجلس آدمیوں سے بھری ہوئی تھی۔ جب امام اعظم آئے تو سفیان نے کھڑے ہو کر ان کی تعظیم کی' اور اپنی جگہ ان کو بٹھایا اور خود سامنے مؤدب ہو کر بیٹھ گئے۔ بعد میں میں نے ان سے اس قدر تعظیم کی وجہ پوچھی تو وہ کہنے لگے: وہ علم میں ذی مرتبہ شخص ہیں۔ اگر میں ان کے علم کے لیے نہ اٹھتا تو ان کے سن اور سال کی وجہ سے اٹھتا۔ اور اگر سن اور سال کی وجہ نہ اٹھتا تو ان کی فقہ کی وجہ سے اٹھتا اور اگر فقہ کی وجہ سے نہ اٹھتا تو ان کے تقویٰ کی وجہ سے اٹھتا۔

(حافظ ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی' متوفی ۴۶۳ھ' تاریخ بغداد' ج ۱۳' ص ۳۳۸)

امام شافعی بیان کرتے تھے کہ ایک مرتبہ امام مالک سے کسی نے سوال کیا کہ کیا آپ نے امام ابوحنیفہ کو دیکھا تھا؟ فرمایا: ہاں میں نے انہیں ایسا شخص پایا کہ اگر وہ اس ستون کو سونے کا ثابت کرنا چاہتے تو اپنے علم کے زور پر ایسا کر سکتے تھے۔

(حافظ ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی' متوفی ۴۶۳ھ' تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۳۸)

امام شافعی کہتے ہیں: تمام لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے پروردہ ہیں۔ امام ابوحنیفہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو فقہ میں موافقت حق عطا کی گئی۔

(حافظ ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۴۶)

جرح اور اس کا جواب

خطیب بغدادی نے امام اعظم کے فضائل اور مناقب بیان کرنے کے بعد ۵۵ صفحات میں بعض لوگوں کے وہ اقوال بیان کیے ہیں جن میں امام اعظم پر جرح کی گئی ہے۔ اور اس جرح کا بعض حصہ عقائد سے متعلق ہے اور بعض اعمال سے عقائد کے لحاظ سے آپ کی طرف ارجاء اور زندقہ وغیرہ کی نسبت کی گئی ہے اور اعمال کے اعتبار سے آپ کی طرف خروج وغیرہ کی نسبت کی گئی ہے۔ خطیب بغدادی نے اس جرح کے بیان کرنے والے راویوں کی نہ توثیق اور تعدیل کی نہ جرح کا سبب بیان کیا بلکہ جرح نقل کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے خلاف اقوال بھی نقل کرتے چلے گئے۔ اس کا مطلب سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ خطیب نے ان روایات کو نقل کرنے میں صرف اپنا مورخانہ فرض ادا کیا ہے۔ ورنہ ان روایات کے معتقد نہ تھے چنانچہ لکھتے ہیں:

وقد سقنا عن ایوب السختیانی وسفیان الثوری وسفیان بن عیینة وابی بکر بن عیاش و غیرهم من الائمة اخباراً کثیرة. تتضمن تقریظ ابی حنیفة والمدح له والثناء علیه والمحفوظ عند نقلة الحدیث عن الائمة المتقدمین و هؤلآء المذکورین منهم فی ابی حنیفة خلاف ذالک. و کلامهم فیه کثیر لامور شنیعة حفظت علیه متعلق بعضها باصول الدیانات وبعضها بالفروع نحن ذاکروها بمشیة الله

ہم اوراق سابقہ میں ایوب سختیانی، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ اور ابوبکر بن عیاش وغیرہ سے امام اعظم کے فضائل اور مناقب نقل کر چکے ہیں لیکن ناقلان روایت کے پاس بعض اسانید سے امام اعظم کے بارے میں ایسے اقوال منقول ہیں جو بیان سابق کے خلاف ہیں۔ ان میں سے بعض اقوال اصول دین کے متعلق ہیں اور بعض فروع کے۔ اور ہم نے جس طرح دوسرے ائمہ کے بارے میں جرح اور تعدیل کے سب اقوال نقل کر دیئے ہیں اسی طرح باوجود اس کے کہ ہم امام کی جلالتِ قدر کے

ومعتذرون على من وقف عليها وكره سماعها بان ابا حنيفة عندنا مع جلالة قدره اسوة غيره من العلمآء الذين دوّنا ذكرهم فى هذا الكتاب واوردنا اخبارهم وحكينا اقوال الناس فيهم على تباينها.

قائل ہیں ان کے بارے میں بھی تعدیل کے بعد جرح کے اقوال بھی نقل کریں گے اور جو لوگ ان اقوال کو پڑھ کر ناپسندیدگی کا اظہار کریں ہم ان سے اپنے اسلوب کتاب کی وجہ سے معذرت خواہ ہیں۔

(حافظ ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ' تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۶۹)

خطیب کے اس بیان سے واضح ہو گیا کہ انہوں نے ان اقوال کو نقل کرنے میں محض اپنے اسلوب کتاب کی پابندی کی ہے۔ ورنہ وہ بذاتہٖ امام اعظم کی جلالت' قدر اور عظمت شان کے قائل تھے۔

خطیب نے اگرچہ اپنی مؤرخانہ حیثیت سے ان اقوال کو نقل کیا ہے لیکن دوسرے مؤرخین نے اس روش میں ان کا ساتھ نہیں دیا۔ چنانچہ ابنِ اثیر جذری شافعی' حافظ ذہبی' ابنِ حجر عسقلانی' ابوالحجاج المزی' عبدالغنی مقدسی' امام نووی' ابنِ الحماد حنبلی' امام شافعی' امام عبدالوہاب شعرانی' ابنِ حجر ہیتمی مکی اور حافظ سیوطی جیسے حفاظ حدیث اور ائمہ رجال نے امام اعظم کا تذکرہ لکھا اور آپ کے بے شمار محامد و مناقب بیان کیے' لیکن جرح سے متعلق ایک لفظ بھی نقل نہیں کیا۔ اس لیے اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ جرح کے یہ اقوال ناقدین اور ماہرین رجال میں سے کسی ایک کے نزدیک بھی ثابت نہیں ہیں۔

امام اعظم کی طرف سے جو (العیاذ باللہ) ارجاء' زندقہ وغیرہ کی نسبت کی گئی ہے اس کے ابطال کے لیے یہ کافی ہے کہ سلفاً' خلفاً' علماء اور مشائخ امام اعظم کے مذہب اور ان کے اقوال نقل کرتے چلے آ رہے ہیں۔ کیا کوئی شخص ان تصانیف میں ارجاء یا زندقہ کی نشاندہی کر سکتا ہے؟ کیا عبداللہ بن المبارک' ابراہیم بن ادہم' شقیق بلخی' معروف کرخی' بایزید بسطامی' داؤد طائی' علی ہجویری اور معین الدین چشتی جیسے صالحین اولیاء اللہ نے ایک مرجی کے مسلک کو اختیار کر لیا تھا؟ اور کیا کوئی ہوش مند اس بات کو باور کر سکتا ہے کہ اُمت مسلمہ کی دو تہائی اکثریت ایک مرجی سے اپنی تقدیر وابستہ کر چکی ہے؟

مسلک حنفی کی برتری

امام ابوحنیفہ نے اجتہاد اور استنباط کے ایسے زریں اصول مقرر کیے جن کی وجہ سے آپ کا مسلک دوسرے ائمہ کے مسلک کے مقابلہ میں سب سے زیادہ عقل و آگہی کے قریب' انتہائی محتاط اور مزاج رسالت کی سب سے زیادہ رعایت کرنے والا ہے۔ چنانچہ کتاب اللہ کی رعایت' سنت نبوی کی موافقت اور اتباع صحابہ کا سب سے زیادہ عنصر اگر کسی مسلک میں پایا جاتا ہے تو وہ فقہ حنفی ہے۔ امام اعظم کے مسلک کی تمام خصوصیات اگر بیان کی جائیں تو ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔ اجمالی طور پر یوں سمجھ لیجئے کہ مثلاً نماز میں خضوع وخشوع مقصود ہوتا ہے اور خضوع وخشوع کے سب سے زیادہ قریب وہ نماز ہے جس میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین قرأت خلف الامام اور آمین بالجہر کا ترک ہو۔ روزہ سے مقصود قہر نفس ہے دوسرے ائمہ روزہ میں عمداً کھانے پینے سے کفارہ لازم نہیں فرماتے۔ امام اعظم نے روزہ کی اس حکمت کے پیش نظر فرمایا: عمداً کھانے پینے سے بھی روزہ میں کفارہ لازم آتا ہے۔ طہارت کے باب میں نظافت اصل ہے۔ اس لیے آپ خون نکلنے سے نقض وضو کو لازم کرتے ہیں۔ نابالغ احکام کا مکلف نہیں ہوتا' اس لیے آپ اس کے مال پر زکوۃ واجب نہیں ٹھہراتے۔

مسلک حنفی میں احتیاط بہت زیادہ ہے اور اصول حنفیہ کی روشنی میں عبادت دیگر تمام اصول کے لحاظ سے عبادات کی جامع ہے۔ چنانچہ ایک دو چسکی دودھ پی لینے سے رضاعت کا ثبوت' وتر کا وجوب اور تین رکعات کے ساتھ اس کی تعیین اور قربانی کی تین دن کے ساتھ تحدید وغیرہ وہ مثالیں ہیں جن سے امام اعظم کے عظیم تفقہ اور دین کے معاملہ میں گہری احتیاط کا پتہ چلتا ہے۔ اس کتاب کا اختصار اور اسلوب اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ اس موضوع پر کھل کر اور تفصیل سے گفتگو کی جائے۔ انشاء اللہ اس عنوان پر پھر کبھی تفصیل سے بحث کی جائے گی۔

امام اعظم کے مسلک کی عظمت اور شرف کی ایک خاص وجہ یہ ہے کہ صوفیاء کے نزدیک ثابت ہے کہ امام اعظم کا مسائل میں استنباط رسول اکرم ﷺ کی راہنمائی کے تابع ہے اور جس کسی مسئلہ میں آپ نے کوئی حکم بیان کیا وہ حضور ﷺ کی تلقین سے بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ اس کی تائید رئیس الصوفیاء حضرت سید علی ہجویری کے اس بیان سے ہوتی ہے' فرماتے ہیں:

"میں ایک بار شام میں تھا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ مؤذن رسول ﷺ کے مزار کے سرہانے سو رہا تھا کہ میں نے خواب میں خود کو مکہ معظمہ میں دیکھا اسی وقت حضور ﷺ کی زیارت ہوئی کہ آپ باب بنی شیبہ سے تشریف لا رہے ہیں اور ایک معمر بزرگ کو اپنے پہلو میں اسی طرح لے رہے جیسے بچوں کو شفقت سے لیتے ہیں، میں فرطِ محبت سے دوڑا اور حضور ﷺ کے پائے اقدس کو چومنے لگا میں سوچ رہا تھا کہ یہ معمر بزرگ کون ہیں؟ حضور ﷺ میرے دل کے اس خیال پر مطلع ہوئے، فرمانے لگے: یہ تمہارے شہر کے لوگوں کا امام ہے یعنی ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ۔

اس خواب کو دیکھنے سے میرا یہ خیال قوی ہو گیا کہ امام اعظم ان پاک ہستیوں میں سے ہیں جو اوصاف طبع سے فانی اور احکامِ شرع کے ساتھ باقی و قائم ہیں۔ کیونکہ ان کے چلانے والے حضور ﷺ ہیں اگر وہ خود چلتے تو باقی الصفت ہوتے اور باقی الصفت یا مخطی ہوتا ہے یا مصیب۔ اور جب امام اعظم کے قائد حضور ہیں تو فانی الصفت ہوئے اور حضور کی صفت بقاء سے قائم ہوئے اور جب حضور سے خطاء محال ہے تو جو آپ کے چلانے سے چل رہا ہے اور اپنی صفت فنا کر کے آپ کی صفت سے قائم ہے اس سے بھی خطاء ہو سکتی۔ (حضرت ابوالحسن سیّد علی بن عثمان الہجویری، متوفی ۴۶۵ھ، کشف المحجوب ص ۲۱۶) پس ثابت ہوا کہ اور کسی امام سے مسائل میں خطا ہو یا نہ ہو آپ سے نہیں ہو سکتی۔

تصانیف

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تصنیف و تالیف کا اس قدر رواج نہ تھا۔ عام طور پر لوگ اپنے حافظہ پر زیادہ اعتماد کیا کرتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ اساتذہ کی تقاریر کو نوٹ کر لیتے تھے۔ اسی سبب سے امام اعظم کی تصانیف کی زیادہ تعداد نہیں ہے۔ بعض لوگوں نے امام اعظم کی تصانیف کا اصلاً انکار کر دیا۔ لیکن ان کا یہ انکار روایت و درایت کی روشنی میں قطعاً ناقابلِ قبول اور کتب تواریخ سے بالکل ناواقفیت پر مبنی ہے۔

امام اعظم کی مندرجہ ذیل کتب اہلِ علم کے نزدیک شہرت اور تواتر سے ثابت ہیں:

(۱) کتاب العالم والمتعلم: امام اعظم کی یہ تصنیف عقائد اور نصائح کے موضوع پر متعلم کے سوال اور عالم کے جواب کے طور پر تالیف کی گئی۔ (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۴۳۷)

(۲) کتاب الفقہ الاکبر: عقائد کے موضوع پر امام اعظم کی اس تصنیف کو ابو مطیع بلخی نے آپ سے روایت کیا ہے اس کتاب کی متعدد شروح لکھی گئی ہیں۔ (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۲۸۷)

(۳) کتاب الوصایا: (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۴۷۰)

(۴) کتاب المقصود　(۵) کتاب الاوسط۔

قاضی ابوزید دبوسی ابوسہل غزانی ابو علی الدقاق ابو منصور ماتریدی اور ابواللیث سمرقندی نے اپنی تصانیف جلیلہ میں ان کتابوں کے رواۃ اور ناقلین کی امام اعظم تک پوری سند بیان کی ہے۔ (فقیہ محمد جبلی حدائق حنفیہ ص ۱۰)

امام اعظم نے اپنے تلامذہ کو احادیث املاء کرائیں اور اس کا نام "کتاب الآثار" رکھا جس کو امام اعظم کے متعدد شاگردوں نے روایت کیا ہے۔ ان میں "کتاب الآثار" بہ روایت امام محمد بہت زیادہ مشہور ہے۔ اسی کتاب کی احادیث کا انتخاب کر کے امام اعظم کی شیوخ کی ترتیب پر احادیث جمع کر کے مسانید امام اعظم ترتیب دی گئی ہیں۔ بہر حال یہ احادیث چونکہ امام اعظم کی املاء کرائی ہوئی ہیں اس لیے "کتاب الآثار" کو بھی امام اعظم کی تصانیف میں شمار کیا جاتا ہے۔ جس طرح "موطا امام مالک" کو باوجود یحییٰ بن یحییٰ کی روایت کے امام مالک کی تصنیف قرار دیا جاتا ہے۔

وصال

حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: "اشد الناس بلاء الانبیآء ثم الامثل فالامثل"۔ سب سے زیادہ تکالیف انبیاء علیہم السلام پر وارد ہوتی ہیں پھر جو ان کے قریب ہو اور جو اس کے قریب ہو۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی عزت و حرمت اور ان کا مقام کون نہیں جانتا؟ اس کے باوجود جس مظلومیت سے آپ دشت کربلا میں شہید کیے گئے وہ کسی شخص سے مخفی نہیں ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی عظمت کا آفتاب عرصہ دراز تک آسمانِ علم و فضل پر جگمگاتا رہا یہاں تک کہ اخیر عمر میں خلیفہ ابو جعفر منصور نے اپنے دربار میں آپ کو عہدہ قضاء کے لیے طلب کیا' آپ نے اس پیش کش کو قبول نہیں کیا' جس کی وجہ سے آپ پر شاہی عتاب نازل کیا گیا' بغداد کے قید خانہ میں آپ کو مقید کر دیا گیا اور مورخین کی روایات کے مطابق آپ پر

روزانہ کوڑے لگائے جاتے تھے۔ تا آنکہ ایک دن (ماہ رجب شعبان ۱۵۰ھ) بہ حالت سجدہ آپ کا انتقال ہو گیا۔ پہلی مرتبہ پچاس ہزار اشخاص نے آپ کی نماز جنازہ پڑھی اس کے بعد قبر پر نماز پڑھی جاتی رہی۔ امام موفق نے لکھا ہے کہ خیزران میں آپ کو دفن کیا گیا۔ اور دفن کے بعد بیس دن تک لوگ آپ کی قبر پر نماز جنازہ پڑھتے رہے۔ خلیفہ ابوجعفر منصور نے قبر پر آ کر نماز پڑھی اور سب سے آخر میں آپ کے صاحبزادے حماد بن ابی حنیفہ نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ (صدر الائمہ موفق بن احمد مکی متوفی ۵۶۸ھ' مناقب امام اعظم ج ۲ ص ۱۷۹)

✿✿✿✿✿

علم حدیث میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمات

امام الائمۃ' سراج الامۃ' سیّد الفقہاء' سند الاتقیاء' محدث کبیر' حضرت ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ میں اللہ عزوجل نے علم وعمل کی تمام خوبیاں جمع کر دی تھیں۔ وہ میدان علم میں تحقیق و تدقیق کے شاہسوار' اخلاق و عادات میں لائقِ تقلید اور عبادت و ریاضت میں یگانہ روزگار تھے۔ مسائل فقہیہ میں ان کی سطوت اور اجتہاد میں ان کا سکہ تو ہر ایک نے مانا ہے' البتہ بعض اہلِ ہوا' کوتاہ بین اور متعصب حضرات فنِ حدیث میں امام اعظم کی بصیرت پر نکتہ چینی کرتے ہیں اور کچھ بے لگام لوگ تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کو صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں۔ اس لیے ہم نہایت اختصار کے ساتھ علم حدیث کے فن روایت و درایت میں امام اعظم کا رتبہ اور مقام ٹھوس دلائل اور مستحکم شواہد کے ساتھ پیش کرتے ہیں تا کہ ناواقف لوگ متعصبین کے جھوٹے پروپیگنڈہ سے محفوظ رہ سکیں۔

حق تو یہ ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ اسلامی علوم وفنون کے تمام شعبوں میں امام اور مجتہد

تھے۔ جس طرح وہ آسمان فقہ کے درخشندہ آفتاب تھے اسی طرح عقائد و کلام کے افق پر بھی انہیں کا سورج طلوع ہوتا تھا اور روایت و درایت کے میدان میں سالمیت کا علم بھی انہی کا نصب کردہ ہے۔ فقہ میں یہ آب و رنگ انہی کے دم سے ہے اور فن حدیث میں یہ بہار انہی کی کاوشوں کا ثمرہ ہے۔ شافعی اور مالکی فقہ میں ان کے پروردہ ہیں اور صحاح ستہ کے شیوخ ان کے فیض یافتہ نہ ہوتے تو نہ فقہاء کو یہ عروج ہوتا اور نہ بخاری و مسلم کو یہ جوبن نصیب ہوتا۔

فن حدیث میں امام اعظم کی بصیرت پر اجمالی نظر

امام اعظم نے اگرچہ بنیادی طور پر علم فقہ کی خدمت کی ہے اور اپنی عمر کا تمام حصہ اسی میں صرف کیا ہے تاہم علم حدیث میں بھی ان کا نہایت اونچا مقام ہے۔ انہوں نے افاضل صحابہ اور اکابر تابعین سے احادیث کا سماع کیا۔ پھر ان روایات کو کامل حزم و احتیاط کے ساتھ اپنے تلامذہ تک پہنچایا۔ امام اعظم چونکہ علم حدیث میں مجتہدانہ بصیرت کے حامل تھے اس لیے محض نقل روایت پر ہی اکتفاء نہیں کرتے تھے بلکہ "قرآن کریم" کی نصوص صریحہ اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں روایات کی جانچ پڑتال کرتے تھے' راویوں کے احوال اور ان کی صفات پر بھی زبردست تنقیدی نظر رکھتے تھے اور کسی حدیث پر اعتماد کرنے سے پہلے اس کی سند اور متن کو پوری طرح پرکھ لیتے تھے۔

جو لوگ سوچے سمجھے بغیر یہ کہہ دیتے ہیں کہ امام اعظم کو علم حدیث میں دسترس نہیں تھی وہ اس امر پر غور نہیں کرتے کہ امام اعظم نے عبادات و معاملات' معاشیات و عمرانیات اور قضایا و عقوبات کے ان گنت احکام بیان کیے ہیں' حیات انسانی کا کوئی گوشہ امام اعظم کے بیان کردہ احکام سے خالی نہیں ہے۔ لیکن آج تک کوئی یہ ثابت نہیں کر سکا کہ امام اعظم کا بیان کردہ فلاں حکم حدیث کے خلاف تھا۔ امام اعظم کی مہارت حدیث پر اس سے بڑھ کر اور کیا سند ہو سکتی ہے کہ ان کا بیان کردہ ہر مسئلہ حدیث نبوی کے موافق اور ہر حکم سنت رسول کے مطابق ہے؟

بسا اوقات ایک ہی مسئلہ میں متعدد اور متعارض روایات ہوتی ہے مثلاً نماز پڑھتے پڑھتے کوئی شخص رکعات کی تعداد بھول جائے تو بعض روایات میں یہ ہے کہ وہ از سر نو نماز پڑھے' بعض روایات میں ہے کہ وہ رکعات کو کم سے کم تعداد پر محمول کرے اور بعض میں ہے کہ وہ غور و فکر کر کے راجح جانب پر عمل کرے۔ اسی طرح سفر میں روزہ کے بارے میں بھی مختلف احادیث

ہیں۔ بعض میں اثناء سفر میں روزہ کو نیکی کے منافی قرار دیا ہے اور بعض میں عین ثواب' ایسی صورت میں امام اعظم منشاء رسالت تلاش کر کے ان روایات میں باہم تطبیق دیتے ہیں اور اگر تطبیق ممکن نہ ہو تو سند کی قوت وضعف اور دوسرے اصول ودرایت کے اعتبار سے فیصلہ کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ کام وہی شخص کرسکتا ہے جو منشاءِ وحی اور مزاجِ رسالت کو پہچانتا ہو' روایات کے تمام طرق پر حاوی' درایت کے کل اصولوں پر محیط اور راویوں کے احوال پر ناقدانہ نظر رکھتا ہو۔

تابعیّت کا ثبوت

حدیث پاک کے ایک راوی ہونے کی حیثیت سے رجالِ حدیث میں امام اعظم کا مقام معلوم کرنا نہایت ضروری ہے۔ امام اعظم کے معاصرین میں سے امام مالک' امام اوزاعی اور سفیان ثوری نے خدمت حدیث میں بڑا نام کمایا ہے۔ لیکن ان میں سے کسی کو بھی تابعیت کا وہ عظیم شرف حاصل نہیں ہے جو امام اعظم کی خصوصیت ہے۔

تابعی: اس شخص کو کہتے ہیں جس نے رسول اللہ ﷺ کے کسی صحابی کو دیکھا ہو اور اس بات پر سب نے اتفاق کیا ہے کہ امام اعظم نے حضرت اَنس رضی اللہ عنہ کو دیکھا تھا اور ان سے ملاقات بھی کی تھی کیونکہ امام اعظم کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی ہے اور حضرت اَنس رضی اللہ عنہ اس کے بارہ سال سے زیادہ عرصہ تک زندہ رہے۔ نیز علامہ ابن حجر ہیتمی (الخیرات الحسان ص ۵۳) نے ثابت کیا ہے کہ امام اعظم نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کو بھی دیکھا ہے اور یہ بات بالکل صحیح ہے' کیونکہ علامہ ابنِ حجر عسقلانی نے امام بخاری سے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن ابی اوفی کا انتقال امام اعظم کی ولادت کے سات سال بعد ۸۷ھ میں ہوا ہے (تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۱۵۲) اور ابن سعد نے "طبقات" میں لکھا ہے کہ ان دو صحابہ کے علاوہ اور بھی کئی صحابہ کا انتقال امام اعظم کی ولادت کے بعد ہوا ہے اور امام اعظم کی ان سے ملاقات کئی طرق سے ثابت ہے۔

امام اعظم کی صحابہ سے روایت

حضرت اَنس کے سنِ وصال میں اختلاف ہے۔ علامہ ابنِ حجر عسقلانی نے وہب بن جریر سے نقل کیا ہے کہ حضرت اَنس (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۳۷۸) رضی اللہ عنہ کا وصال ۹۵ھ میں ہوا ہے اور مشہور ۹۳ھ ہے اور حضرت اَنس کی زندگی میں امام اعظم بارہا بصرہ گئے

ہیں۔ بعض میں اثناءِ سفر میں روزہ کو نیکی کے منافی قرار دیا ہے اور بعض میں عین ثواب' ایسی صورت میں امام اعظم منشاءِ رسالت تلاش کر کے ان روایات میں باہم تطبیق دیتے ہیں اور اگر تطبیق ممکن نہ ہو تو سند کی قوت وضعف اور دوسرے اصول و درایت کے اعتبار سے فیصلہ کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ کام وہی شخص کر سکتا ہے جو منشاءِ وحی اور مزاجِ رسالت کو پہچانتا ہو' روایات کے تمام طرق پر حاوی' درایت کے کل اصولوں پر محیط اور راویوں کے احوال پر ناقدانہ نظر رکھتا ہو۔

تابعیّت کا ثبوت

حدیث پاک کے ایک راوی ہونے کی حیثیت سے رجالِ حدیث میں امام اعظم کا مقام معلوم کرنا نہایت ضروری ہے۔ امام اعظم کے معاصرین میں سے امام مالک' امام اوزاعی اور سفیان ثوری نے خدمت حدیث میں بڑا نام کمایا ہے۔ لیکن ان میں سے کسی کو بھی تابعیت کا وہ عظیم شرف حاصل نہیں ہے جو امام اعظم کی خصوصیت ہے۔

تابعی: اس شخص کو کہتے ہیں جس نے رسول اللہ ﷺ کے کسی صحابی کو دیکھا ہو اور اس بات پر سب نے اتفاق کیا ہے کہ امام اعظم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دیکھا تھا اور ان سے ملاقات بھی کی تھی کیونکہ امام اعظم کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ اس کے بارہ سال سے زیادہ عرصہ تک زندہ رہے۔ نیز علامہ ابن حجر ہیتمی (الخیرات الحسان ص ۵۳) نے ثابت کیا ہے کہ امام اعظم نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کو بھی دیکھا ہے اور یہ بات بالکل صحیح ہے' کیونکہ علامہ ابنِ حجر عسقلانی نے امام بخاری سے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن ابی اوفی کا انتقال امام اعظم کی ولادت کے سات سال بعد ۸۷ھ میں ہوا ہے (تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۱۵۲) اور ابن سعد نے "طبقات" میں لکھا ہے کہ ان دو صحابہ کے علاوہ اور بھی کئی صحابہ کا انتقال امام اعظم کی ولادت کے بعد ہوا ہے اور امام اعظم کی ان سے ملاقات کئی طرق سے ثابت ہے۔

امام اعظم کی صحابہ سے روایت

حضرت انس کے سنِ وصال میں اختلاف ہے۔ علامہ ابنِ حجر عسقلانی نے وہب بن جریر سے نقل کیا ہے کہ حضرت انس (تہذیب التہذیب ج ا ص ۳۷۸) رضی اللہ عنہ کا وصال ۹۵ھ میں ہوا ہے اور مشہور ۹۳ھ ہے اور حضرت انس کی زندگی میں امام اعظم بارہا بصرہ گئے

تھے۔ اس لیے اس بات کو کوئی نہیں مان سکتا کہ امام اعظم نے پندرہ سال کی عمر تک حضرت انس سے ملاقات نہ کی ہو اور ان سے روایت کا شرف حاصل نہ کیا ہو۔ محققین علماء کرام اور محدثین عظام نے امام اعظم کی مرویات صحابہ کو پوری اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے اور دلائل سے انہیں تقویت دی ہے۔

امام ابومعشر عبدالکریم بن عبدالصمد طبری شافعی نے امام اعظم کی صحابہ کرام سے مرویات میں ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا ہے اور اس میں روایات کو مع اسناد کے ذکر کیا ہے اور ان کی تحسین و تقویت کی ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی شافعی نے ان روایات کو اپنے رسالہ "تبییض الصحیفہ" میں نقل کیا ہے۔ ہم اسی رسالہ سے چند احادیث کا انتخاب پیش کر رہے ہیں۔

(۱) عن ابی یوسف عن ابی حنیفة سمعت انس بن مالک یقول سمعت رسول الله ﷺ یقول طلب العلم فریضة علی کل مسلم.

امام ابو یوسف، امام ابو حنیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت انس سے اور انہوں نے حضور ﷺ سے سنا کہ علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

(۲) عن ابی یوسف عن ابی حنیفة سمعت انس بن مالک یقول سمعت رسول الله ﷺ یقول الدال علی الخیر کفاعله.

امام ابو یوسف، امام ابو حنیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت انس سے اور انہوں نے حضور ﷺ سے سنا کہ خیر کا راہنما اس کے فاعل کے مثل ہے۔

(۳) عن ابی یوسف عن ابی حنیفة سمعت انس بن مالک یقول سمعت رسول الله ﷺ ان الله یحب اغاثة اللهفان.

امام ابو یوسف، امام ابو حنیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت انس سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ پریشان حال کی مدد کو پسند کرتا ہے۔

(۴) عن یحیی بن قاسم عن ابی حنیفة سمعت عبدالله بن ابی اوفی یقول سمعت رسول الله ﷺ من بنی

یحیی بن قاسم امام ابوحنیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی سے سنا کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

للّٰہ مسجدا ولو کمفحص قطاۃ بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ.

جس نے اللہ کی خاطر سنگ خوار کے گڑھے جتنی بھی مسجد بنائی اللہ تعالیٰ اس کا جنت میں گھر بنائے گا۔　(تبییض الصحیفہ ص ۶ تا ۹)

صحابہ سے سماع پر بحث بہ لحاظ روایت

صحابہ کرام سے احادیث کا سماع اوران کی روایت امام اعظم کا ایک جلیل القدر وصف اور عظیم خصوصیت ہے۔ احناف تو خیر کمالاتِ امام کے مداح ہیں ہی شوافع سے بھی امام اعظم کے اس کمال کا انکار نہ ہوسکا بلکہ بعض شافعیوں نے بڑی فراخ دلی سے امام اعظم کی روایت صحابہ پر خصوصی رسائل لکھے ہیں' تاہم بعض لوگوں نے اس کا انکار بھی کیا ہے۔ چنانچہ زمانہ قریب کے مشہور مؤرخ جناب شبلی نعمانی صاحب بھی اس انکار میں پیش پیش ہیں' لکھتے ہیں:

''بعض لوگوں نے رؤیت سے بڑھ کر روایت کا بھی دعویٰ کیا ہے اور تعجب ہے کہ علامہ عینی شارحِ ''ہدایہ'' بھی اس غلطی کے حامی ہیں لیکن انصاف یہ ہے کہ یہ دعویٰ ہرگز پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔ حافظ ابوالمحاسن نے ''عقود الجمان'' میں ان تمام حدیثوں کو مع اسناد کے نقل کیا ہے جن کی نسبت یہ خیال کیا جاتا ہے کہ امام نے صحابہ سے سنی تھیں۔ پھر اصولِ حدیث سے ان کی جانچ پڑتال کی ہے اور ثابت کردیا ہے کہ ہرگز ثابت نہیں۔ محدثانہ بحثیں تو دقت طلب ہیں۔ صاف بات یہ ہے کہ امام نے صحابہ سے ایک بھی روایت کی ہوتی تو سب سے پہلے امام کے تلامذہ خاص اس کو شہرت دیتے۔ لیکن قاضی ابو یوسف' امام محمد' حافظ عبدالرزاق بن ہمام' عبداللہ بن مبارک' ابونعیم' فضل بن وکیع' مکی بن ابراہیم' ابوعاصم النبیل وغیرہ سے کہ امام کے مشہور اور بااخلاص شاگرد تھے اور سچ پوچھیے تو زیادہ تر انہی لوگوں نے ان کی نام آوری کے سکے بٹھائے ہیں' ایک حرف بھی اس واقعہ کے متعلق منقول نہیں۔'' (سیرۃ النعمان' ص ۳۴)

مقام صد حیرت ہے کہ شبلی جیسے تاریخ دان پر بھی یہ امر مخفی رہا کہ صحابہ سے امام اعظم کی روایت کو نقل اور ثابت کرنے والے اولین حضرات ان کے ارشد تلامذہ ہی تھے ہم نے جو چار منتخب روایتیں پیش کی ہیں ان میں سے تین قاضی ابو یوسف سے مروی ہیں اور وہ امام اعظم کے مشہور اور قابلِ صد فخر شاگرد ہیں اور شبلی صاحب کی دی ہوئی تلامذہ کی فہرست میں بھی موجود ہیں۔ اس کے باوجود ان کا یہ قول ناقابلِ فہم ہے کہ تلامذہ سے ایک حرف بھی اس واقعہ کے متعلق

منقول نہیں ہے۔

نیز متعدد محققین علماء کرام نے تصریح کی ہے کہ اوائل میں صحابہ سے روایت امام کو ثابت کرنے والوں میں ان کے تلامذہ بھی تھے۔ چنانچہ ملا علی قاری امام کردری کے حوالے سے لکھتے ہیں:

قال الکردری جماعة من المحدثین انکروا ملاقاته مع الصحابة واصحابه اثبتوه بالا سانید الصحاح الحسان وهم اعرف باحواله منهم والمثبت العدل اولی من النافی. (شرح مسند الامام القاری ص ۴۸۵)

امام کردری فرماتے ہیں کہ محدثین کی ایک جماعت نے امام اعظم کی صحابہ کرام سے ملاقات کا انکار کیا ہے اور ان کے شاگردوں نے اس بات کو صحیح اور حسن سندوں کے ساتھ ثابت کیا ہے اور ثبوت روایت نفی سے بہتر ہے۔

اور مشہور محدث شیخ محمد طاہری ہندی کرمانی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

واصحابه یقولون انه لقی جماعة من الصحابة وروی عنهم. (المغنی ص ۸۰)

امام اعظم کے شاگرد کہتے ہیں کہ امام نے صحابہ کی ایک جماعت سے ملاقات کی ہے اور ان سے سماع حدیث بھی کیا ہے۔

اور حافظ بدرالدین عینی عبداللہ بن ابی اوفی کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

هو احد من راٰه ابو حنیفة من الصحابة وروی عنه ولا یلتفت الی قول المنکر المتعصب وکان عمر ابی حنیفة حینئذ سبع سنین وهو سن التمییز هذا علی الصحیح ان مولد ابی حنیفة سنة ثمانین وعلی قول من کان سنة سبعین یکون عمره حینئذ سبعة عشره سنة ویستبعد جدا ان یکون صحابی

عبداللہ بن اوفی ان صحابہ سے ہیں جن کی امام ابوحنیفہ نے زیارت کی اور ان سے روایت کی ہے (قطع نظر کرتے ہوئے منکر متعصب کے قول سے) امام اعظم کی عمر اس وقت سات سال کی تھی۔ کیونکہ صحیح قول یہ ہے کہ آپ کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی اور بعض اقوال کی بناء پر اس وقت آپ کی عمر سترہ سال کی تھی۔ بہرحال سات سال عمر بھی فہم وشعور کی سن ہے اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک صحابی کسی

مقیما ببلدة وفی اهلها من لارأه واصحابه اخبر بحاله وهم ثقات فی انفسهم. (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۷۹۸)

شہر میں رہتے ہوں اور شہر کے رہنے والوں میں ایسا شخص ہو جس نے اس صحابی کو نہ دیکھا ہو (اس بحث میں امام اعظم کے تلامذہ کی بات ہی معتبر ہے) کیونکہ وہ ان کے احوال سے زیادہ واقف ہیں اور ثقہ بھی ہیں۔

مذکورہ بالا حوالوں سے یہ ظاہر ہو گیا کہ امام اعظم کی صحابہ سے روایت کو نقل کرنے والے اور ابتداء میں اس کو شہرت دینے والے ان کے لائق تلامذہ ہی تھے۔ شبلی صاحب نے کہا ہے کہ ان کے شاگردوں نے اس بات کو نہیں بیان کیا۔ لیکن چونکہ انہوں نے اس پر کوئی دلیل یا حوالہ پیش نہیں کیا اس لیے اس موضوع پر مزید بحث کی ضرورت نہیں ہے۔

صحابہ سے سماع پر بحث بہ لحاظ درایت

شبلی نعمانی کے انکار کی دوسری بنیاد اس امر پر ہے کہ حافظ ابوالمحاسن نے ان روایات کی اسناد پر جرح کی ہے لیکن بے شمار محدثین نے ان اسناد کی تعدیل بھی کی ہے۔ امام ابو معشر طبری اور حافظ سیوطی کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ ان کے علاوہ محدث دارقطنی کے استاذ حافظ ابو حامد حضرمی، حافظ ابوالحسین نہفقی اور حافظ ابوبکر سرخسی، یہ سب حفاظِ حدیث اور جلیل القدر ائمہ فن ہیں، جنہوں نے امام اعظم کی صحابہ سے مرویات پر باقاعدہ رسائل لکھے ہیں اور ان روایات کو دلائل سے ثابت کیا ہے۔

نیز امام سخاوی لکھتے ہیں:

والثنائیات فی الموطا للامام مالک والواحد ان فی حدیث الامام ابی حنیفة. (فتح المغیث، ص ۴۴۱)

امام مالک کی احادیث میں ثنائیات ہیں اور امام اعظم ابوحنیفہ کی روایات میں وحدان ہیں۔

ثنائیات ان احادیث کو کہتے ہیں جن میں حضور ﷺ اور راوی کے درمیان صرف دو واسطے ہوں اور وحدان ان احادیث کو کہتے ہیں جن میں حضور ﷺ اور راوی کے درمیان صرف ایک واسطہ ہو۔ محدث سخاوی کا مطلب یہ ہے امام اعظم کی ایسی روایات بھی ہیں جن میں ان کے اور حضور کے درمیان صرف ایک واسطہ ہے اور یہ واسطہ صحابہ کرام کا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ

محدث سخاوی کے نزدیک امام اعظم کی صحابہ سے روایت ثابت ہے۔

اور صاحب "بزازیہ" ابن بزاز کردری لکھتے ہیں:

لا ینکر سماع الامام من ابی اوفی. (مناقب ابی حنیفہ للکردری ج۱ ص۱۱)	حضرت عبداللہ بن ابی اوفی سے امام اعظم کے سماع کا انکار نہیں ہوسکتا۔

حافظ بدرالدین عینی امام کردری ابومعشر شافعی حافظ سیوطی ابوبکر حضرمی نرسی سخاوی اور ابن حجر ہیتمی مکی جیسے حفاظ اور ائمہ حدیث اور فن کے ماہرین کے اثبات کے بعد شبلی صاحب کے انکار کا کوئی وزن نہیں رہتا۔ نیز اس سلسلہ میں بحث کرتے وقت یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ امام اعظم کے بارے میں شوافع نے بھی کتابیں تصنیف کی ہیں اور ان میں اگرچہ کچھ مسلکاً انصاف پسند تھے لیکن بعض متعصب بھی تھے۔ نیز امام اعظم کی صحابہ سے روایات جن اسناد سے ثابت ہیں ان میں بعض راویوں پر اگرچہ جرح کی گئی ہے۔ تاہم ان میں کوئی راوی ایسا نہیں ہے جس کو باطل یا وضاع قرار دیا گیا ہو۔ چنانچہ علامہ سیوطی اس باب میں حافظ ابن حجر عسقلانی کی رائے پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وحاصل ما ذکرہ ھو وغیرہ الحکم علی اسانید ذلک بالضعف وعدم الصحۃ لا بالبطلان و حیننذ فسھل الامر فی ایرادھا لان الضعیف یجوز روایتہ و یطلق علیہ انہ وارد. (تبییض الصحیفہ ص۶)	حافظ عسقلانی اور دوسرے ناقدین نے ان اسانید پر ضعف کا حکم کیا ہے بطلان یا وضع کا نہیں اور اب بات آسان ہے۔ کیونکہ حدیث ضعیف کی روایت جائز ہے اور اس پر روایت کا اطلاق کرنا صحیح ہے۔

اور قوت وضعف ایک اضافی وصف ہے جو شخص بعض کے نزدیک ضعیف ہے دوسرے اس کو قوی خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ رجال سے بحث کرنے والے حضرات بھی مختلف آراء رکھتے ہیں مشکل سے ہی ایسا ہوگا کہ کسی راوی کی جرح یا تعدیل پر سب کا اتفاق ہو۔ علامہ نووی لکھتے ہیں کہ چھ سو پچیس راوی ایسے ہیں جو امام مسلم کے نزدیک لائق استدلال ہیں اور امام بخاری ان سے روایت نہیں لیتے۔ جابر جعفی کوفہ کا ایک مشہور راوی تھا' جسے دعویٰ تھا کہ اسے پچاس ہزار حدیثیں یاد ہیں اس کے بارے میں سفیان ثوری کہتے ہیں کہ میں نے جابر سے زیادہ کسی کو

حدیث میں محتاط نہیں دیکھا۔ شعبہ کہتے ہیں کہ جب جابر "اَخبرنا و حدّثنا" کہے تو وہ سب سے زیادہ معتمد ہے۔ وکیع کا قول ہے کہ جابر کی ثقاہت میں شک نہیں' اس کے برخلاف ابنِ معین کہتے ہیں کہ جابر کذاب ہے۔ نسائی نے کہا: وہ متروک ہے۔ سفیان بن عیینہ نے کہا کہ جابر کی باتیں سن کر مجھے خوف ہوتا ہے کہ کہیں چھت نہ گر جائے۔

(تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۴۷ تا ۴۹)

الغرض جرح و تعدیل ایک ظنی چیز ہے۔ اور محض بعض لوگوں کی تضعیف کی بناء پر امام اعظم کی صحابہ کرام سے روایات کو ساقط الاعتبار قرار دینا زیادتی ہے خصوصاً جب کہ ان سندوں کا کوئی راوی عسقلانی اور سیوطی کی تصریح کے مطابق باطل اور وضاع نہیں ہے۔

صحابہ سے روایات پر قرائن

شبلی نعمانی نے امام اعظم کی صحابہ کرام سے روایت کے انکار پر کچھ عقلی وجوہات بھی پیش کی ہیں' لکھتے ہیں:

"میرے نزدیک اس کی ایک اور وجہ ہے' محدثین میں باہم اختلاف ہے کہ حدیث سیکھنے کے لیے کم از کم کتنی عمر مشروط ہے؟ اس امر میں اربابِ کوفہ سب سے زیادہ احتیاط کرتے تھے یعنی بیس برس سے کم عمر کا شخص حدیث کی درس گاہ میں شامل نہیں ہو سکتا تھا۔ ان کے نزدیک چونکہ حدیثیں بالمعنی روایت کی گئی ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ طالب علم پوری عمر کو پہنچ چکا ہو ورنہ مطالب کو سمجھنے اور اس کے ادا کرنے میں غلطی کا احتمال ہے' غالباً یہی قید تھی جس نے امام ابوحنیفہ کو ایسے بڑے شرف سے محروم رکھا۔"

اس سلسلہ میں اولاً تو ہم یہ پوچھتے ہیں کہ اہلِ کوفہ کا یہ قاعدہ کہ سماعِ حدیث کے لیے کم از کم بیس سال عمر درکار ہے' کون سی یقینی روایت سے ثابت ہے؟ امام صاحب کی مرویات صحابہ کے لیے جب یقینی اور صحیح روایت کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو اہلِ کوفہ کے اس قاعدہ کو بغیر کسی یقینی اور صحیح روایت کے کیسے مان لیا گیا؟

ثانیاً: یہ قاعدہ خود خلاف حدیث ہے کیونکہ "صحیح بخاری" میں امام بخاری نے "**متی یصح سماع الصغیر**" کا باب قائم کیا ہے اور اس کے تحت ذکر فرمایا ہے کہ محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے پانچ سال کی عمر میں سنی ہوئی حدیث کو روایت کیا ہے۔ اس کے علاوہ

حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی عمر حضور ﷺ کے وصال کے وقت چھ اور سات سال تھی اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی عمر حضور ﷺ کے وصال کے وقت تیرہ سال تھی اور یہ حضرات آپ کے وصال سے کئی سال پہلے کی سنی ہوئی احادیث کی روایت کرتے تھے۔ پس روایت حدیث کے لیے بیس سال عمر کی قید لگانا طریقہ صحابہ کے مخالف ہے اور کوفہ کے ارباب علم وفضل اور دیانت دار حضرات کے بارے میں یہ بدگمانی نہیں کی جاسکتی کہ انہوں نے اتنی جلدی صحابہ کی روش کو چھوڑ دیا ہوگا۔

ثالثاً: بر تقدیر تسلیم گزارش یہ ہے کہ اہل کوفہ نے یہ قاعدہ کب وضع کیا؟ اس بات کی کہیں وضاحت نہیں ملتی۔ اغلب اور قرین قیاس یہی ہے کہ جب علم حدیث کی تحصیل کا چرچا عام ہوگیا اور کثرت سے درس گاہیں قائم ہوگئیں اور وسیع پیمانے پر آثار وسنن کی اشاعت ہونے لگی اس وقت اہل کوفہ نے اس قید کی ضرورت کو محسوس کیا ہوگا تاکہ ہر کہ ومہ حدیث کی روایت کرنا شروع نہ کردے۔ یہ کسی طرح بھی باور نہیں کیا جاسکتا کہ عہد صحابہ میں ہی کوفہ کے اندر باقاعدہ درس گاہیں بن گئیں اور ان میں داخلہ کے لیے قوانین اور عمر کا تعین بھی ہوگیا تھا۔

رابعاً: اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ۸۰ھ ہی میں کوفہ کے اندر باقاعدہ درسگاہیں قائم ہو گئیں تھیں اور ان کے ضوابط اور قوانین بھی وضع کیے جاچکے تھے تو ان درس گاہوں کے اساتذہ سے سماع حدیث کے لیے تو بیس برس کی قید فرض کی جاسکتی ہے مگر یہ حضرت انس اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ وغیرہ ان درس گاہوں میں اساتذہ تو مقرر تھے نہیں کہ اس سے سماع حدیث بھی بیس سال کی عمر میں کیا جاتا۔

خامساً: بیس برس کی قید اگر ہوتی بھی تو کوفہ کی درس گاہوں کے لیے لیکن اگر کوفہ کا کوئی رہنے والا بصرہ جاکر سماع حدیث کرے تو یہ قید اس پر کیسے اثر انداز ہوگی؟ حضرت انس بصرہ میں رہتے تھے اور امام اعظم ان کی زندگی میں بارہا بصرہ گئے اور ان کی آپس میں ملاقات بھی ثابت ہے تو کیوں نہ امام صاحب نے ان سے روایت حدیث کی ہوگی؟

سادساً: اگر بیس سال عمر کی قید کو بالعموم بھی فرض کرلیا جائے تو بھی یہ کسی طور قرین قیاس نہیں ہے کہ حضرات صحابہ کرام جن کا وجودِ مسعود نوادرِ روزگار اور مغتنماتِ عصر میں سے تھا ان سے از راہِ تبرک وتشرف احادیث کے سماع کے لیے بھی کوئی شخص اس انتظار میں بیٹھا رہے گا کہ

میری عمر بیس سال کو پہنچ لے تو میں ان سے جا کر ملاقات اور استماع حدیث کروں؟ حضرت انس (تہذیب التہذیب ج اص ۳۷۸) کے وصال کے وقت امام اعظم کی عمر پندرہ برس تھی اور امام کردری فرماتے ہیں کہ حضرت اَنس رضی اللہ عنہ کی زندگی میں امام اعظم بیس سے زائد مرتبہ بصرہ تشریف لے گئے۔ (مناقب ابی حنیفہ ج اص ۶) پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ امام پندرہ برس تک کی عمر میں بصرہ جاتے رہے ہوں اور حضرت اَنس سے مل کر اور ان سے سماعِ حدیث کر کے نہ آئے ہوں؟ راوی اور مروی عنہ میں معاصرت بھی ثابت ہو جائے تو امام مسلم کے نزدیک روایت مقبول ہوتی ہے۔ یہاں معاصرت کی بجائے ملاقات کے بیس سے زیادہ قرائن موجود ہیں پھر بھی قبول کرنے میں تامل کیا جا رہا ہے؟

الحمد اللہ العزیز! کہ ہم نے اصولِ روایت و درایت اور قرائنِ عقلیہ کی روشنی میں اس امر کو آفتاب سے زیادہ روشن کر دیا ہے کہ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کو صحابہ کرام سے روایتِ حدیث کا شرف حاصل تھا اور اس سلسلے میں جتنے اعتراضات کیے جاتے ہیں ان پر سیر حاصل گفتگو کر لی ہے۔ اس کے باوجود بھی ہم نے جو کچھ لکھا وہ ہماری تحقیق ہے ہم اسے منوانے کے لیے ہرگز اصرار نہیں کرتے۔

تنبیہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تبرکاً چند احادیث کی روایت کے علاوہ امام اعظم نے اپنے زمانے کے مشاہیر اساتذہ اور افاضل شیوخ سے احادیث کا سماع کیا۔ اور ان سے بہ کثرت احادیث روایت کی ہیں۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے امام اعظم کے شیوخ میں عطاء بن ابی رباح، علقمہ بن مرثد، حماد بن ابی سلیمان، حکم بن عتیبہ، سعید بن مسروق، عدی بن ثابت انصاری، ابوسفیان بصری، یحییٰ بن سعید انصاری، ہشام بن عروہ اور دیگر مشاہیر محدثین کا ذکر کیا ہے۔

بعض لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ نے امام مالک سے بھی سماعِ حدیث کیا ہے اور ان کی شاگردی اختیار کی ہے۔ تعجب ہے کہ شبلی نعمانی بھی اس غلطی کا شکار ہو گئے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"امام صاحب کو طلبِ علم میں کسی سے عار نہ تھی۔ امام مالک ان سے عمر میں تیرہ برس کم تھے ان کے حلقۂ درس میں بھی اکثر حاضر ہوئے اور حدیثیں سنیں"۔ (سیرۃ النعمان ص ۵۶)

پھر حافظ ذہبی سے نقل کر کے لکھتے ہیں

"امام مالک کے سامنے ابوحنیفہ اس طرح مؤدب ہو کر بیٹھتے تھے جس طرح شاگرد استاد کے سامنے بیٹھتا ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ امام مالک خود امام اعظم کے شاگرد تھے اور ان کی تصانیف سے علمی استفادہ کرتے تھے۔

خطیب بغدادی اور دارقطنی نے صرف دو روایتیں ایسی پیش کی ہیں جن کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ یہ امام اعظم نے امام مالک سے روایت کی ہیں۔ لیکن خاتم الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانی نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ روایتیں صحیح سند سے مروی نہیں ہیں اور امام اعظم کی امام مالک سے روایت قطعاً ثابت نہیں ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

لم یثبت روایة ابی حنیفة عن مالک وانما اوردها الدار قطنی ثم الخطیب روایتین وقعتا لهما باسنادین فیهما مقال. (التعقب علی ابن الصلاح)	امام ابوحنیفہ کی امام مالک سے روایت ثابت نہیں ہے دارقطنی اور خطیب نے اس بات کا دعویٰ دو روایتوں کی وجہ سے کیا ہے جن کی اسناد میں خلل ہے۔

اور اس خلل کا بیان ذہبی نے "میزان الاعتدال" میں کیا ہے کہ ان سندوں میں ہم ان بن عبدالرحیم نامی ایک شخص ہے اور یہ وضاع تھا چنانچہ لکھتے ہیں:

هو الذی وضع حدیث ابی حنیفة عن مالک.	یہی وہ شخص ہے جس نے امام ابوحنیفہ کی امام مالک سے روایت وضع کی ہے۔

(میزان الاعتدال ج ۲ ص ۸۷)

دراصل حماد بن ابی حنیفہ جو امام اعظم کے صاحبزادے تھے انہوں نے امام مالک سے روایت حدیث کی ہے۔ بعض سندوں سے حماد کا لفظ رہ گیا ہوگا جس سے یہ غلط فہمی ہوئی اور اچھے اچھے لوگ اس میں مبتلا ہو گئے۔

مرویاتِ امام اعظم کی تعداد

چونکہ بعض اہل ہواء یہ کہتے ہیں کہ امام اعظم کو صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں۔ اس لیے ہم ذرا تفصیل سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ امام اعظم کے پاس احادیث کا وافر ذخیرہ تھا۔ حضرت ملا

...قاری امام محمد بن سماعہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

ان الامام ذکر فی تصانیفہ ...ضع و سبعین حدیث و انتخب ...ثار من اربعین الف حدیث.

امام ابو حنیفہ نے اپنی تصانیف میں ستر ہزار سے زائد احادیث بیان کی ہیں اور چالیس ہزار احادیث سے "کتاب الآثار" کا انتخاب کیا ہے۔

(مناقب علی القاری، بذیل الجواہر ج ۲ ص ۴۷۴)

اور صدر الائمہ امام موفق بن احمد تحریر فرماتے ہیں:

وانتخب ابو حنیفۃ الاثار من اربعین الف حدیث.

امام ابو حنیفہ نے "کتاب الآثار" کا انتخاب چالیس ہزار حدیثوں سے کیا ہے۔

(مناقب موفق ج ۱ ص ۹۵)

ان حوالوں سے امام اعظم کا جو علم حدیث میں تبحر ظاہر ہو رہا ہے وہ محتاجِ بیاں نہیں ہے۔

روایت حدیث میں امام اعظم کا مقام

ممکن ہے کوئی شخص کہہ دے کہ ستر ہزار احادیث کو بیان کرنا اور "کتاب الآثار" کا چالیس ہزار حدیثوں سے انتخاب کرنا چنداں کمال کی بات نہیں ہے امام بخاری کو ایک لاکھ احادیثِ صحیحہ اور دو لاکھ احادیث غیر صحیحہ یاد تھیں اور انہوں نے "صحیح بخاری" کا انتخاب چھ لاکھ حدیثوں سے کیا تھا۔ پس فنِ حدیث میں امامِ بخاری کے مقابلہ میں امامِ اعظم کا مقام بہت کم معلوم ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں گزارش ہے کہ احادیث کی کثرت اور قلت درحقیقت طرق اور اسانید کی قلت اور کثرت سے عبارت ہے۔ ایک ہی متنِ حدیث اگر سو مختلف طرق اور سندوں سے روایت کیا جائے تو محدثین کی اصطلاح میں ان کو سو احادیث قرار دیا جائے گا۔ حالانکہ ان تمام حدیثوں کا متن واحد ہوگا۔ منکرینِ حدیث انکارِ حدیث کے سلسلے میں یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ تمام کتبِ حدیث کی روایات کو اگر جمع کیا جائے تو یہ تعداد کروڑوں کے لگ بھگ ہوگی اور حضور علیہ السلام کی پوری رسالت کی زندگی کے شب و روز پر ان کو تقسیم کیا جائے تو یہ احادیث حضور علیہ السلام کی حیاتِ مبارکہ سے بڑھ جائیں گی۔ پس اس صورت میں احادیث کی صحت کیونکر قابلِ تسلیم ہوگی؟ لیکن ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ روایات کی یہ کثرت دراصل اسانید کی کثرت ہے ورنہ نفس احادیث کی تعداد چار ہزار چار سو سے زیادہ نہیں ہے۔

چنانچہ علامہ امیر یمانی لکھتے ہیں:

ان جملة الاحاديث المسندة عن النبی ﷺ یعنی الصحیحة بلا تکرار اربعة الالف واربع مائة.

بلاشبہ وہ تمام مسند احادیث صحیحہ بلا تکرار حضور ﷺ سے مروی ہیں ان کی تعداد چار ہزار چار سو ہے۔

(توضیح الافکار ص ۶۳)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ولادت ۸۰ھ ہے اور امام بخاری ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے اور ان کے درمیان ایک سو چودہ سال کا طویل عرصہ ہے اور ظاہر ہے کہ اس عرصہ میں بہ کثرت احادیث شائع ہو چکی تھیں اور ایک ایک حدیث کو سینکڑوں بلکہ ہزاروں اشخاص نے روایت کرنا شروع کر دیا تھا۔ امام اعظم کے زمانہ میں راویوں کا اتنا شیوع اور عموم تھا نہیں اس لیے امام اعظم اور امام بخاری کے درمیان جو روایات کی تعداد کا فرق ہے۔ وہ دراصل اسانید کی تعداد کا فرق ہے نفس روایات کا نہیں ہے ورنہ اگر نفسِ احادیث کا لحاظ کیا جائے تو امامِ اعظم کی مرویات امام بخاری سے کہیں زیادہ ہیں۔

اس زمانہ میں احادیث نبویہ جس قدر اسانید کے ساتھ مل سکتی تھیں امام اعظم نے ان تمام طرق و اسانید کے ساتھ ان احادیث کو حاصل کر لیا تھا اور حدیث و اثر کسی صحیح سند کے ساتھ موجود نہ تھے مگر امام اعظم کا علم انہیں شامل تھا۔ وہ اپنے زمانہ کے تمام محدثین پر ادراک حدیث میں فائق اور غالب تھے۔ چنانچہ امام اعظم کے معاصر اور مشہور محدث امام مسعر بن کدام فرماتے ہیں:

طلبت مع ابی حنیفة الحدیث فغلبنا واخذنا فی الزهد فبرع علینا وطلبنا معه الفقه فجاء منه ما ترون.

(مناقب ابی حنیفہ للمکی ص ۲۷)

میں نے امام ابو حنیفہ کے ساتھ حدیث کی تحصیل کی۔ لیکن وہ ہم سب پر غالب رہے اور زہد میں مشغول ہوئے تو وہ اس میں سب سے بڑھ کر تھے اور فقہ میں ان کا مقام تو تم جانتے ہی ہو۔

نیز محدث بشر بن موسیٰ اپنے استاد امام عبدالرحمٰن مقری سے روایت کرتے ہیں:

وکان اذ احدث عن ابی حنیفة قال

امام مقری جب امام ابو حنیفہ سے روایت

شاھنشاہ. کرتے تو کہتے کہ ہم سے شہنشاہ نے حدیث بیان کی۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۴۵)

ان حوالوں سے ظاہر ہو گیا کہ امام اعظم اپنے معاصرین محدثین کے درمیان فن حدیث امام پر فائق اور غالب تھے۔ حضور علیہ السلام کی کوئی حدیث ان کی نگاہ سے اوجھل نہ تھی، یہی وجہ کہ ان کے تلامذہ انہیں حدیث میں حاکم اور شہنشاہ تسلیم کرتے تھے۔ اصطلاحِ حدیث میں اس شخص کو کہتے ہیں جو حضور علیہ السلام کی تمام مرویات پر متناً و سنداً دسترس رکھتا ہو۔ مراتبِ ثین میں یہ سب سے اونچا مرتبہ ہے اور امامِ اعظم اس منصب پر یقیناً فائز تھے۔ کیونکہ جو ں حضور علیہ السلام کی ایک حدیث سے بھی ناواقف ہو وہ حیاتِ انسانی کے تمام شعبوں کے لیے ں اللہ علیہ السلام کی لائی ہوئی ہدایات کے مطابق جامع دستور نہیں بنا سکتا۔

م اعظم کے محدثانہ مقام پر ایک شبہ کا ازالہ

گزشتہ سطور میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضور علیہ السلام سے بلا تکرار احادیث مرویہ کی تعداد ہزار چار سو ہے اور امام حسن بن زیاد (مناقب موفق ج ا ص ۹۶) کے بیان کے مطابق امامِ اعظم جو احادیث بلا تکرار بیان فرمائی ہیں ان کی تعداد چار ہزار ہے۔ پس امامِ اعظم کے بارے حاکمیت اور حدیث میں ہمہ دانی کا دعویٰ کیسے صحیح ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چار ہزار یث کے بیان کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ باقی چار سو حدیثوں کا امامِ اعظم کو علم بھی نہ ہو، ک کہ حسن بن زیاد کی حکایت میں بیان کی نفی ہے علم کی نہیں۔

خیال رہے کہ امامِ اعظم نے فقہی تصنیفات میں ان احادیث کا بیان کیا ہے جس سے ل مستنبط ہوتے ہیں اور جن کے حضور علیہ السلام نے اُمت کے لیے عمل کا ایک راستہ متعین ہے جنہیں عرفِ عام میں سنن سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن حدیث کا مفہوم سنت سے عام کیونکہ احادیث کے مفہوم میں روایات بھی شامل ہیں جن میں حضور علیہ السلام کے حلیہ مبارکہ کی قلبی واردات، خصوصیات، گزشتہ اُمتوں کے قصص اور مستقبل کی پیش گوئیاں موجود اور ظاہر ہے کہ اس قسم کی احادیث سنت کے قبیل سے نہیں ہیں اور نہ ہی یہ احکام و مسائل لیے ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

پس امام اعظم نے جن چار ہزار احادیث کو مسائل کے تحت بیان فرمایا ہے وہ از قبیل سنن ہیں اور جن چار سو احادیث کو امام اعظم نے بیان نہیں فرمایا وہ ان روایات پر محمول ہیں جو احکام سے متعلق نہیں ہیں' لیکن یہاں بیان کی نفی ہے علم کی نہیں۔

فن حدیث میں امام اعظم کا فیضان

امام اعظم علم حدیث میں جس عظیم مہارت کے حامل اور جلیل القدر مرتبہ پر فائز تھے اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ تشنگان علم حدیث کا انبوہ کثیر آپ کے حلقہ درس میں سماع حدیث کے لیے حاضر ہوتا۔ علامہ ابن حجر عسقلانی (تہذیب التہذیب ج ۱۰ص ۴۴۹) نے ذکر کیا ہے کہ امام اعظم سے حدیث کا سماع کرنے والے مشہور حضرات میں حماد بن نعمان' ابراہیم بن طہمان' حمزہ بن حبیب' زفر بن ہذیل' قاضی ابویوسف' عیسیٰ بن یونس' وکیع' یزید بن زریع' اسد بن عمرو' خارجہ بن مصعب' محمد بن بشر' عبدالرزاق' محمد بن حسن شیبانی' مصعب بن مقدام' ابوعبدالرحمن مقری' ابونعیم' ابوعاصم اور دیگر یگانہ روزگار افراد شامل تھے۔

حافظ ابن عبدالبر امام وکیع کے ترجمے میں لکھتے ہیں:

وكان يحفظ حديثه كله وكان قد سمع من ابی حنيفة حديثا كثيرا.

وکیع بن جراح کو امام اعظم کی سب حدیثیں یاد تھیں اور انہوں نے امام اعظم سے احادیث کا بہت زیادہ سماع کیا تھا۔

امام مکی بن ابراہیم' امام اعظم ابوحنیفہ کے شاگرد اور امام بخاری کے استاذ تھے۔ اور امام بخاری نے اپنی ''صحیح'' میں بائیس ثلاثیات میں سے گیارہ ثلاثیات صرف امام مکی بن ابراہیم کی سند سے روایت کی ہیں۔ امام صدر الائمہ موفق بن احمد مکی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

ولزم ابا حنيفة رحمة الله وسمع منه الحديث.

انہوں نے اپنے اوپر سماع حدیث کے لیے ابوحنیفہ کے درس کو لازم کرلیا تھا۔

(مناقب موفق ج ۱ص ۲۰۳)

اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری کو اپنی ''صحیح'' میں عالی سند کے ساتھ ثلاثیات درج کرنے کا جو شرف حاصل ہوا ہے وہ دراصل امام اعظم کے تلامذہ کا صدقہ ہے اور یہ صرف ایک مکی بن ابراہیم کی بات نہیں ہے۔ امام بخاری کی اسانید میں اکثر شیوخ حنفی ہیں۔ ان حوالوں

سے یہ امر آفتاب سے زیادہ روشن ہوگیا کہ امامِ اعظم علم حدیث میں مرجع خلائق تھے' ائمہ فن نے آپ سے حدیث کا سماع کیا اور جن شیوخ کے وجود سے صحاح ستہ کی عمارت قائم ہے' ان میں سے اکثر حضرات آپ کے علمِ حدیث میں بالواسطہ یا بلاواسطہ شاگرد ہیں۔

حدیث میں امامِ اعظم کی تصانیف

متقدمین میں تصنیف وتالیف کے لیے آج کل کا مروجہ طریقہ معمول نہیں تھا' بلکہ ان کی تصانیف املاء کی تصانیف کی صورت میں ہوتی تھیں' جن کو ان کے لائق اور قابل فخر تلامذہ شیوخ کی تعلیم وتدریس کے وقت تحریر میں لے آتے تھے اور پھر وہ تصانیف ان شیوخ کی طرف ہی منسوب کی جاتی تھیں۔ چنانچہ ''احکام الاحکام'' جو ابن دقیق العید کی تصنیف قرار دی جاتی ہے' اصل میں ان کی تصنیف نہیں ہے بلکہ انہوں نے اس کو اپنے تلمیذ رشید قاضی اسمٰعیل سے املاء کرایا ہے۔ اسی طرح امام اعظم درسِ حدیث کے وقت جو احادیث بیان کرتے ان کے لائق اور قابل صد افتخار تلامذہ قاضی ابو یوسف' محمد بن حسن شیبانی' زفر بن ہذیل اور حسن بن زیاد ان روایات کو ''حدثنا'' اور ''اخبرنا'' کے صیغوں کے ساتھ قید تحریر میں لے آتے تھے۔

امامِ اعظم نے اپنی بیان کردہ احادیث کو املاء کرانے کے بعد اس مجموعہ کا نام ''کتاب الآثار'' رکھا۔ امام اعظم کے تلامذہ چونکہ کثیر التعداد تھے اس لیے ''کتاب الآثار'' کے نسخے بھی بہت زیادہ ہوئے لیکن مشہور نسخے چار ہیں: (۱) ''کتاب الآثار'' بہ روایت امام ابو یوسف (۲) ''کتاب الآثار'' بہ روایت امام محمد (۳) ''کتاب الآثار'' بہ روایت امام زفر (۴) ''کتاب الآثار'' بہ روایت حسن بن زیاد۔ لیکن ان تمام نسخوں میں سے زیادہ مقبولیت اور شہرت امام محمد کے نسخہ کو حاصل ہوئی ہے۔

تاریخ کے معتمد اساتذہ' محققین اہلِ نظر اور علماء ربانیین' امامِ اعظم کی تصنیف حدیث کو سب ہی مانتے ہیں لیکن شبلی صاحب امام اعظم کی تصنیف کا صاف انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جو لوگ امام صاحب کے سلسلۂ کمالات میں تصنیف وتالیف کا وجود بھی ضروری سمجھتے ہیں وہ انہی مفصلہ بالا کتابوں (جن میں ''کتاب الآثار'' بھی ہے) کو شہادت میں پیش کرتے ہیں لیکن انصاف یہ ہے کہ ان تصنیفات کو امام صاحب کی طرف منسوب کرنا نہایت مشکل ہے''۔ (سیرۃ النعمان' ص ۱۲۲)

عقائد حدیث اور فقہ ان تمام موضوعات پر امام اعظم کی تصانیف موجود ہیں۔ سر دست ان تمام موضوعات سے بحث ہمارے عنوان سے خارج ہے اس لیے ہم صرف حدیث کے موضوع پر امام اعظم کی شہرہ آفاق تصنیف ''کتاب الآثار'' کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔

شبلی صاحب نے اس بارے میں صرف اتنا کہہ دیا ہے کہ اس کا انتساب امام اعظم کی طرف کرنا مشکل ہے۔ لیکن اس انکار یا اشکال پر نہ تو انہوں نے کوئی تاریخی شہادت پیش کی ہے اور نہ ہی کوئی عقلی دلیل وارد کی ہے۔ لہٰذا ہمارے لیے صرف یہی چارہ کار رہ گیا ہے کہ ہم ''کتاب الآثار'' کے ثبوت پر تاریخی شہادتیں جمع کر دیں۔

امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں:

روی الاثار عن نبل ثقات غزار العلم مشیخة حصیفه.

(مناقب موفق ج ۲ ص ۱۹۱)

امام اعظم نے ''الآثار'' کو ثقہ اور معزز لوگوں سے روایت کیا ہے جو وسیع العلم اور عمدہ مشائخ تھے۔

اور علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

والموجود من حدیث ابی حنیفة مفردا انما هو کتاب الاثار التی رواه محمد بن الحسن.

(تعجیل المنفعہ برجال الائمہ الاربعہ ص ۴)

اور اس وقت امام اعظم کی احادیث میں سے ''کتاب الآثار'' موجود ہے جسے محمد بن حسن نے روایت کیا ہے۔

اور امام عبدالقادر حنفی، امام یوسف بن قاضی ابو یوسف کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

روی کتاب الاثار عن ابی حنیفة وهو مجلد ضخم.

(الجواہر المضیہ ج ۲ ص ۲۲۵)

امام یوسف نے (اپنے والد ابو یوسف کے واسطے سے) امام ابوحنیفہ سے ''کتاب الآثار'' کو روایت کیا ہے جو کہ ایک ضخیم جلد ہے۔

مسانید امام اعظم

''کتاب الآثار'' میں امام اعظم نے اپنے جن شیوخ سے احادیث کو روایت کیا ہے، بعد میں لوگوں نے ہر ہر شیخ کی مرویات کو علیحدہ کر کے مسانید کو ترتیب دیا۔ اس طرح امام اعظم کے

ہر شیخ کی مرویات الگ الگ کتاب کی صورت میں جمع ہو گئیں اور بعد میں وہ ''مسند ابی حنیفہ'' کے نام سے مشہور ہو گئیں۔

قاضی ابو یوسف' امام محمد' ابوبکر احمد بن محمد' حافظ عمر بن حسن' حافظ ابونعیم اصبہانی' حافظ ابوالحسن' حافظ ابو محمد عبداللہ اور امام ابوالقاسم وغیرہم حضرات نے امامِ اعظم کی مسانید کو ترتیب دیا ہے:

امام عبدالوہاب شعرانی مسانید امامِ اعظم کو ان الفاظ سے خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں:

وقد من اللہ علی بمطالعۃ مسانید الامام ابی حنیفۃ الثلاثۃ فرأیتہ لا یروی حدیثا الاعن اخیار التابعین العدول الثقات الذین ھم من خیر القرون بشھادۃ رسول اللہ ﷺ کالاسود و علقمۃ وعطاء وعکرمۃ و مجاھد و مکحول والحسن البصری واضرابھم رضی اللہ عنھم اجمعین فکل الرواۃ الذین ھم بینہ وبین رسول اللہ ﷺ عدول ثقات اعلام اخیار لیس فیھم کذاب ولامتھم بکذب.

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان کیا کہ میں نے امامِ اعظم کی مسانیدِ ثلاثہ کا مطالعہ کیا۔ پس میں نے دیکھا کہ امامِ اعظم ثقہ اور صادق تابعین کے سوا کسی سے روایت نہیں کرتے جن کے حق میں حضور ﷺ نے خیر القرون ہونے کی شہادت دی جیسے اسود' علقمہ' عطاء' عکرمہ' مجاہد' مکحول اور حسن بصری وغیرہم۔ پس امامِ اعظم اور حضور ﷺ کے درمیان تمام راوی عدول' ثقہ اور مشہور اخیار میں سے ہیں جن میں سے کوئی کذاب نہیں اور ان کی طرف کذب کی نسبت بھی نہیں کی جا سکتی۔

(میزان الشریعۃ الکبریٰ ج ا ص ۶۸)

ثبوتِ حدیث کے لیے امامِ اعظم کی شرائط

روایتِ حدیث میں حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عمر فاروق اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم بہت زیادہ محتاط تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان حضرات سے بہت کم حدیثیں روایت کی گئی ہیں اور قبولِ حدیث کے معاملہ میں بھی یہ حضرات بہت سخت تھے۔ جب تک کسی حدیث پر اچھی طرح اطمینان نہ ہو جاتا اس وقت تک یہ لوگ کسی حدیث کو قبول نہیں کرتے تھے۔ امام اعظم بھی

اسی مکتب فکر سے متاثر اور اسی کے پیروکار تھے یہی وجہ ہے کہ آپ نے دوسرے محدثین کی طرح بے تحاشا روایت نہیں کی۔

امام اعظم نے احادیث کو قبول کرنے کے لیے بڑی کڑی شرطیں عائد کی ہیں اور اس سلسلہ میں جو اصول اور قواعد مقرر فرمائے ہیں وہ آپ کی دوررس نگاہ اور تفقہ پر مبنی ہیں۔ یہ شروط اور قواعد باقاعدہ منضبط نہیں ہیں' علمائے احناف نے ان میں سے اکثر کو آپ کے بیان کردہ مسائل سے مستنبط کیا ہے۔ ہمیں مختلف کتابوں کے تتبع سے جس قدر قواعد حاصل ہو سکے انہیں پیش کر رہے ہیں:

(۱) امام اعظم ضبط کتاب کی بجائے ضبط صدر کے قائل تھے اور صرف اسی راوی سے حدیث لیتے تھے جو اس روایت کا حافظ ہو۔ (مقدمہ ابن اصلاح)

(۲) صحابہ اور فقہاء تابعین کے علاوہ اور کسی شخص کی روایت بالمعنی کو قبول نہیں کرتے تھے۔ (شرح مسند امام اعظم از ملا علی قاری)

(۳) امام اعظم اس بات کو ضروری قرار دیتے تھے کہ صحابہ کرام سے روایت کرنے والے ایک یا دو شخص نہ ہوں' بلکہ اتقیاء کی ایک جماعت نے صحابہ سے اس حدیث کو روایت کیا ہو۔ (میزان الشریعۃ الکبریٰ)

(۴) معمولات زندگی سے متعلق عام احکام میں امام ابوحنیفہ یہ ضروری قرار دیتے تھے کہ ان احکام کو ایک سے زیادہ صحابہ نے روایت کیا ہو۔ (الخیرات الحسان)

(۵) جو حدیث عقل قطعی کے مخالف ہو (یعنی اس سے اسلام کے کسی مسلم اصل کی مخالفت لازم آتی ہو وہ امام اعظم کے نزدیک مقبول نہیں ہے۔ (مقدمہ تاریخ ابن خلدون)

(۶) جو حدیث خبر واحد ہو اور وہ ''قرآن کریم'' پر زیادتی یا اس کے عموم کو خاص کرتی ہو امام صاحب کے نزدیک وہ بھی مقبول نہیں ہے۔ (الخیرات الحسان)

(۷) جو خبر واحد صریح ''قرآن'' کے مخالف ہو وہ بھی مقبول نہیں ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح)

(۸) جو خبر واحد سنت مشہورہ کے خلاف ہو وہ بھی مقبول نہیں ہے۔ (احکام القرآن)

(۹) اگر راوی کا اپنا عمل اس کی روایت کے خلاف ہو تو وہ روایت مقبول نہیں ہوگی۔ کیونکہ یہ مخالفت یا تو راوی میں طعن کا موجب ہوگی یا نسخ کے سبب سے ہوگی۔ (نبراس)

(۱۰) جب ایک مسئلہ میں مبیح اور محرم دو روایتیں ہوں تو امام اعظم محرم کے مقابلہ میں مبیح کو قبول نہیں کرتے۔ (عمدۃ القاری)

(۱۱) ایک ہی واقعہ کے بارے میں اگر ایک راوی کسی امرِ زائد کی نفی کرے اور دوسرا اثبات اگر نفی دلیل پر مبنی نہ ہو تو نفی کی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ نفی کرنے والا واقعہ کو اصل حال پر محمول کر کے اپنے قیاس سے نفی کر رہا ہے اور اثبات کرنے والا اپنے مشاہدہ سے امرِ زائد کی خبر دے رہا ہے۔ (حسامی)

(۱۲) اگر ایک حدیث میں کوئی حکم عام ہو اور دوسری حدیث میں چند خاص چیزوں پر اس کے برخلاف حکم ہو تو امام اعظم حکمِ عام کے مقابلہ میں خاص کو قبول نہیں کرتے۔ (عمدۃ القاری)

(۱۳) حضور ﷺ کے صریح قول یا فعل کے خلاف اگر کسی ایک صحابی کا قول و فعل ہو تو وہ مقبول نہیں ہے' صحابی کے خلاف کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ اسے یہ حدیث نہیں پہنچی۔

(عمدۃ القاری)

(۱۴) خبر واحد سے حضور ﷺ کا کوئی قول یا فعل ثابت ہو اور صحابہ کی ایک جماعت نے اس سے اختلاف کیا ہو تو آثارِ صحابہ پر عمل کیا جائے گا۔ کیونکہ اس صورت میں یا تو وہ حدیث صحیح نہیں ہے اور یا وہ منسوخ ہو چکی ورنہ حضور کے صحیح اور صریح فرمان کے ہوتے ہوئے صحابہ کرام کی جماعت اس کی کبھی مخالفت نہ کرتی۔ (الخیرات الحسان)

(۱۵) ایک واقعہ کے مشاہدہ کے بارے میں متعارض روایات ہوں تو اس شخص کی روایت کو قبول کیا جائے گا جو ان میں زیادہ قریب سے مشاہدہ کرنے والا ہو۔ (فتح القدیر)

(۱۶) اگر دو متعارض حدیثیں ایسی سندوں کے ساتھ مروی ہوں کہ ایک میں قلتِ وسائط سے ترجیح ہو اور دوسری میں کثرتِ تفقہ' تو کثرتِ تفقہ کو قلتِ وسائط پر ترجیح دی جائے گی۔

(عنایہ)

(۱۷) کوئی حدیث حد یا کفارہ کے بیان میں وارد ہو اور وہ صرف ایک صحابی سے مروی ہو تو قبول نہیں ہو گی۔ کیونکہ حدود اور کفارات شبہات سے ساقط ہو جاتے ہیں۔

(الخیرات الحسان)

(۱۸) جس حدیث میں بعض اسلاف پر طعن کیا گیا ہو وہ بھی مقبول نہیں ہے۔ (الخیرات الحسان)

امام اعظم کے بیان کیے ہوئے بے شمار مسائل میں سے یہ چند اصول وقواعد کا استخراج ہے ورنہ روایات کے قبول و رد میں امام اعظم کی تمام شروط کا احصار کرنا بے حد مشکل ہے۔ بہر حال ان قواعد سے امام اعظم کی جس عمیق نظر، اصابت فکر اور گہری احتیاط کا پتہ چلتا ہے وہ اہل فہم پر مخفی نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بعد میں آنے والے محدثین نے امام اعظم کی شروط کی روشنی میں روایات کو پرکھا ہے اور اگر تعصب کو چھوڑ کر تمام محدثین امام اعظم کی قائم کردہ شروط پر متفق ہو جاتے تو آج ہمارا ذخیرۂ احادیث مطعون اور موضوع روایات سے اصلاً بے غبار ہوتا۔

مخالفت حدیث کا اعتراض اور اس کے جوابات

بعض انتہا پسند حضرات امام اعظم رضی اللہ عنہ پر بالکلیہ احادیث کی مخالفت کا الزام عائد کرتے ہیں کہ وہ حدیث کے علی الرغم اپنی رائے اور قیاس پر عمل کرتے تھے۔ ایسے ہی لوگ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امام اہل الرائے کہتے ہیں۔ یہ بات تو ہم ان شاء اللہ کسی اور موقع پر بتائیں گے کہ اپنی رائے اور قیاس کے مقابلہ میں حدیث کو کون ترک کرتا ہے؟ سردست یہ بتانا چاہتے ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ حدیث ضعیف کے مقابلہ میں بھی صریح قیاس کو چھوڑ دیتے ہیں۔ چنانچہ ''اعلام الموقعین'' میں ابن قیم ابن حزم ظاہری کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ تمام احناف اس بات پر متفق ہیں کہ حدیث ضعیف کے مقابلہ میں قیاس کو چھوڑ دیا جائے گا اور ''الخیرات الحسان'' میں ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ اسی وجہ سے امام اعظم مراسیل کو قیاس پر مقدم کرتے ہیں۔

عام مخالفین یہ کہتے ہیں کہ امام اعظم نے بعض حدیثوں کی مخالفت کی ہے اور صریح حدیث کے مقابلہ میں قیاس پر عمل کیا ہے ایسی تمام احادیث پر گفتگو تو اس مختصر مقالہ میں بے حد مشکل ہے ہم چند ان احادیث کو بحث میں لا رہے ہیں جن پر مخالفین زیادہ زور دیتے ہیں۔

حدیث بیع مصراۃ

عرب میں رواج تھا کہ اونٹنیوں کا دودھ کئی دن تک نہ دوہا کرتے تاکہ اس کے تھنوں میں دودھ جمع ہوتا رہے اور بوقت فروخت زیادہ دودھ نکل سکے' ایسے جانور کو وہ لوگ ''مصراۃ'' کہتے تھے۔ خریدار زیادہ دودھ دیکھ کر اس جانور کو بڑی سے بڑی قیمت پر خرید کر لے جاتا۔ لیکن بعد میں اسے اس سے اتنا دودھ حاصل نہ ہوتا۔ حضور علیہ السلام نے اس بیع سے منع فرما دیا۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۸۸) سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

"بکریوں اور اونٹنیوں کے تھنوں میں دودھ جمع نہ کرو، جس شخص نے ایسی بکری یا اونٹنی کو خریدا تو وہ دودھ دوہنے کے بعد مختار ہے یا اسے اسی قیمت پر رکھ لے یا اس کو واپس کر دے اور استعمال شدہ دودھ کے عوض ایک صاع (ساڑھے چار سیر) کھجوریں بھی دے۔"

امامِ اعظم فرماتے ہیں کہ اس صورت میں خریدار اس جانور کو واپس نہیں کر سکتا البتہ دودھ کے سلسلہ میں اس سے جو دھوکا کیا گیا ہے اس وجہ سے اس جانور کی قیمت بازار کے نرخ کے مطابق کم کی جائے گی اور باقی رقم وہ فروخت کنندہ سے واپس لے گا۔

امامِ اعظم کے اس حدیث پر عمل نہ کرنے کے متعدد وجوہ ہیں:

اولاً: یہ ہے کہ یہ حدیث خبرِ واحد ہے اور صریح قرآن کے مخالف ہے اللہ عزوجل فرماتا ہے: "**فمن اعتدی علیکم فاعتد و اعلیه بمثل ما اعتدی علیکم**" جس کا مفاد یہ ہے کہ کسی شے کے بدلہ میں تجاوز کرنا ناجائز ہے اور صورتِ مذکورہ میں اگر ایک صاع کھجوریں مستعمل دودھ ہوں تو فروخت کنندہ کی طرف سے تجاوز ہے اور اگر کم ہوں تو خریدار کی طرف سے۔

ثانیاً: یہ حدیث سنتِ مشہورہ کے خلاف ہے۔ "ترمذی" میں ہے: "**الخراج بالضمان**" جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تاوان بقدرِ ذمہ لیا جائے گا اور اس شکل میں جو تاوان لیا جا رہا ہے وہ بقدرِ ذمہ نہیں بلکہ اصل ذمہ سے کم یا زیادہ ہے۔

ثالثاً: ابن التین نے بیان کیا ہے کہ یہ حدیث مضطرب ہے، بعض روایات میں ایک صاع کھجوروں کا ذکر ہے، بعض میں ایک صاع طعام کا، بعض میں دودھ کی مثل دودھ کا اور بعض میں دودھ کے بدلے میں دگنے دودھ کا ذکر ہے۔

رابعاً: عیسیٰ بن ابان نے کہا ہے کہ دودھ کے بدلہ میں کھجوریں بہ منزلہ بدلِ قرض ہیں۔ ابتداء اسلام میں بدلِ قرض میں زیادتی جائز تھی، بعد میں جب "قرآن" نے اباحتِ سود کو منسوخ کر دیا تو اس حدیث کا حکم بھی منسوخ ہو گیا۔

بہر حال مصراۃ کے سلسلہ میں امامِ اعظم نے جو کچھ فرمایا ہے وہ "قرآنِ کریم" اور احادیث مشہورہ کے مطابق ہے اور حضرت ابوہریرہ کی روایت یا منسوخ ہے اور یا مضطرب ہونے کی وجہ سے متروک ہے۔

تازہ کھجوروں کی بیع چھوہاروں کے عوض

امام اعظم کھجوروں اور چھوہاروں کو ایک دوسرے کے عوض فروخت کرنا جائز قرار دیتے تھے لیکن حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے تازہ کھجوروں کو خشک کھجوروں کے عوض فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اہل بغداد امام اعظم سے اس حدیث کی مخالفت کے سبب شاکی تھے۔ جب آپ (فتح القدیر ج۵ ص۲۹۲) بغداد گئے تو ان لوگوں نے اس سلسلہ میں آپ سے گفتگو کی۔ آپ نے فرمایا: بتاؤ! تازہ کھجوریں چھوہاروں کی جنس سے ہیں یا نہیں؟ اگر وہ چھوہاروں کی جنس سے ہیں تو حضور ﷺ کی حدیث مشہور "التمر بالتمر" (چھوہاروں کی بیع چھوہاروں کے عوض جائز ہے) کے تحت اسے جائز ہونا چاہیے اور اگر وہ چھوہاروں کی جنس سے نہیں ہیں تو حضور ﷺ کے فرمان "اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم" (جب جنس بدل جائے تو جس طرح چاہو فروخت کرو) کے تحت اس بیع کو جائز ہونا چاہیے۔ اہل بغداد نے عاجز آ کر وہ حدیث پیش کی جس میں تازہ کھجوروں کو خشک کھجوروں کے عوض فروخت کرنے سے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ امام اعظم نے فرمایا: یہ حدیث زید بن عیاش پر موقوف ہے اور اس کی روایت نامقبول ہے۔

چار سے زیادہ ازواج کا مسئلہ

اگر کسی کی چار سے زیادہ بیویاں ہوں تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس کا پہلی چار بیویوں سے نکاح صحیح ہے اور ان کے بعد جن عورتوں سے نکاح کیا ہے وہ باطل ہے۔ لیکن امام ترمذی کی روایت ہے کہ غیلان بن سلمہ ثقفی جب مسلمان ہوئے تو ان کی دس بیویاں تھیں اور وہ سب ان کے ساتھ مسلمان ہوگئیں تو حضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ان میں سے جن چار کو چاہو اختیار کرلو چنانچہ کہا جاتا ہے کہ امام صاحب کا مسلک حدیث کے خلاف ہے۔

امام صاحب کی اس حدیث کو قبول نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ روایت "قرآنِ کریم" کے خلاف ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنٰی و ثلاث و رباع۔

پس تمہیں عورتوں میں سے جو اچھی لگیں نکاح کرلو۔

پس ازروئے "قرآن" پہلی چار عورتوں سے نکاح جائز ہوا اور بعد کی عورتوں سے ناجائز۔ لہٰذا کوئی شخص پانچویں یا چھٹے درجہ کی بیوی کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتا اور حدیث شریف اس آیت کے نزول سے پہلے کے زمانہ پر محمول ہے اور یا یہ اس شخص کی خصوصیت تھی اور یا پھر حضور ﷺ نے اپنے عمومی اختیار سے غیلان بن سلمہ کو اس عام حکم سے مستثنیٰ کر دیا تھا۔

امامِ اعظم پر جن احادیث کی مخالفت کا حکم لگایا جاتا ہے ان سب کی یہی حقیت ہے۔ کیونکہ جن احادیث پر امامِ اعظم عمل نہیں کرتے وہ یا تو کسی فنی عیب کی بناء پر نامقبول ہوتی یا منسوخ ہوتی ہیں اور یا حضور ﷺ کی خصوصیت پر مبنی ہوتی ہیں۔

روایات میں تطبیق

فنِ حدیث میں امامِ اعظم کے کمالات میں سے ایک عظیم کمال یہ ہے کہ آپ مختلف اور متناقض روایات میں بہ کثرت تطبیق دیتے تھے اور مختلف اور متناقض روایتوں کا محل اس طرح الگ الگ بیان کر دیتے تھے کہ منشاء رسالت نکھر کر سامنے آجاتا تھا۔

حضور ﷺ پر سب سے پہلے کون ایمان لایا تھا؟ اس بارے میں روایات مختلف ہیں۔ اس سلسلہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں سے ہر ایک کے بارے میں احادیث میں آتا ہے کہ وہ سب سے پہلے ایمان لائے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ سب سے پہلے ایمان لانے والا ان میں سے ایک ہی ہوسکتا ہے۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ امامِ اعظم ابو حنیفہ وہ سب سے پہلے شخص (حواشی صواعق محرقہ ص ۷۶) ہیں جنہوں نے ان متعارض حدیثوں کو جمع کیا اور فرمایا: مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، عورتوں میں سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور بچوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت علی تھے رضی اللہ عنہم۔

سفر میں روزہ کے بارے میں بھی احادیث مختلف ہیں، بعض میں مسافر کے لیے روزہ کو نیکی قرار دیا ہے اور بعض میں نیکی کے منافی اور بعض میں روزہ رکھنے نہ رکھنے کا اختیار دیا ہے۔ امامِ اعظم نے ان تمام روایات میں تطبیق دی ہے اور فرمایا: اگر سفر آرام دہ ہو تو روزہ رکھنا یقیناً بہتر ہے اور اگر سفر میں مشقت ہو تو روزہ نہ رکھنا بہتر ہے اور اگر سفر معتدل ہو تو مسافر کو اختیار ہے، روزہ رکھے یا نہ رکھے۔

روایات کے درجات

امام اعظم ابو حنیفہ وہ واحد اور منفرد شخص ہیں جنہوں نے "قرآن کریم" اور احادیث طیبہ میں فرق مراتب کو ملحوظ رکھا' چنانچہ "قرآن" اور حدیث میں تعارض ہو تو حدیث کو چھوڑ دیتے ہیں اور باہم روایات میں بھی متواتر' مشہور اور فرد کے فرق کو قائم رکھتے ہیں۔ پس تعارض کے وقت پہلے متواتر پھر مشہور اور پھر اس کے بعد فرد کو درجہ دیتے ہیں اور حدیث فرد اگرچہ ضعیف بھی ہو پھر بھی اس کو قیاس پر مقدم رکھتے ہیں۔

حرفِ آخر

امام اعظم نے حدیث کے تمام انواع واقسام پر اجتہادی نوعیت سے کام کیا ہے' بصیرت افروز راہنما اصول قائم کیے ہیں اور محض روایتی انداز سے سماع حدیث کرنے والوں کو عقل و آگہی کی روشنی دی ہے۔ ان کے حلقۂ درس میں شریک ہو کر نہ جانے کتنے افراد دنیائے علم و فضل میں امر ہو گئے۔ ان کے تلامذہ کی عظمت کا بھی یہ عالم تھا کہ انہوں نے ذروں کو اٹھایا تو رشک ماہتاب بنا دیا۔ یہ حنفی سلسلہ کی کڑیاں تھیں جو احادیث رسول سے قرناً فقرناً ائمہ ومشائخ کے سینوں کو منور کرتی چلی گئیں۔ سلام ہو اس امام پر جس نے جھلملاتے چراغوں کو سورج کی توانائیاں بخشیں۔ آفرین ہو اس کی فکرِ صائب پر جس نے اسلامی علوم کو رعنائیاں دیں۔ آج دینی علوم کے تمام شعبوں میں انہیں کے فیض کے دھارے بہہ رہے ہیں۔ جب تک علم کا یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔ جب تک درسگاہوں میں فقہ وحدیث کا چرچا رہے گا زمانہ ابو حنیفہ کو سلام کرتا رہے گا۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ)

امام مالک

حضرت امام مالک وہ سب سے پہلے شخص ہیں جو دنیائے علم میں بیک وقت حدیث اور فقہ کے امام کہلائے ایک طرف مغرب اور مشرق میں ان کے مقلدین کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے تو دوسری طرف امہاتِ کتبِ حدیث میں سے اکثر ایسی ہیں جن کی کچھ نہ کچھ احادیث کا سلسلۂ سند امام مالک تک پہنچتا ہے۔ فنِ حدیث میں سب سے پہلے انہوں نے باقاعدہ ایک کتاب لکھی اور اس کے بعد تصنیفات کتبِ حدیث کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

امام مالک کی شخصیت عشقِ رسالت سے معمور تھی۔ مدینہ کے ذرہ ذرہ سے انہیں پیار تھا۔ اس مقدس شہر کی سرزمین میں وہ کبھی کسی سواری پر نہیں بیٹھے' اس خیال سے کہ ممکن ہے کبھی اس جگہ حضور پیادہ چلے ہوں۔ پھر جس جگہ آقا پیدل چلے ہوں اس جگہ غلام سوار ہو چلے ہو' یہ نہ اندازِ محبت ہے نہ طور غلامی۔

درسِ حدیث کا بہت اہتمام کرتے تھے۔ غسل کر کے عمدہ اور صاف لباس زیبِ تن کرتے' پھر خوشبو لگا کر مسند درس پر بیٹھ جاتے اسی طرح بیٹھے رہتے' کبھی دورانِ درس پہلو نہیں بدلتے تھے۔ ایک دفعہ دورانِ درس بچھو انہیں پیہم ڈنگ لگاتا رہا۔ مگر اس پیکرِ عشق و محبت کے جسم میں کوئی اضطراب نہیں آیا اور وہ اسی انہماک اور استغراق کے ساتھ اپنے محبوب کی دل کش روایات اور دل نشیں احادیث بیان کرتے رہے۔

ولادت اور نام و نسب

امام مالک کا پورا نام اس طرح ہے امام دار الہجرت امام مالک بن اَنس بن مالک بن ابی عامر بن عمرو بن الحارث الاصبحی (امام ابو عبداللہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۲۰۷) امام مالک کے پر دادا ابو عامر بن عمرو جلیل القدر صحابی تھے۔ غزوہ بدر کے سوا وہ حضور ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے۔ (شاہ ولی اللہ دہلوی' متوفی ۱۱۷۶ھ درایۃ الموطا ص ۱۷) امام مالک کے جدِ اعلیٰ عمرو بن حارث ذو اصبح کے ساتھ مشہور تھے۔ اس وجہ سے آپ کو اصبحی کہا جاتا ہے۔

(شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی متوفی ۱۲۳۹ھ بستان المحدثین ص ۱۲) امام مالک کے سال ولادت میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔ لیکن امام مالک کے تلمیذ رشید یحییٰ بن بکیر نے بیان فرمایا ہے کہ آپ کی ولادت ۹۳ھ میں ہوئی ہے اور امام ذہبی نے اسی کو صحیح ترین قول قرار دیا ہے۔ (امام ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۱۲) شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے کہ امام مالک شکم مادر میں عام معمول کے خلاف تین سال تک رہے ہیں۔

(شاہ ولی اللہ دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ درایۃ الموطا ص ۱۸)

اساتذہ

خلفائے راشدین کے عہد میں مسائل فقہیہ اور فتاوی کے سلسلہ میں عام طور پر لوگوں کا رجوع حضرت عائشہ، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، ابوہریرہ، انس اور جابر رضی اللہ عنہم کی طرف ہوتا تھا اور یہی وہ نفوس قدسیہ تھے جو اس زمانہ میں دائرہ علمیہ کا مرکز قرار پائے تھے۔ عصر صحابہ کے بعد فقہاء تابعین نے ان حضرات کی میراث کو سنبھالا جن میں سعید بن مسیب، عروہ، سالم اور قاسم کے نام بڑے مشہور ہیں۔ تابعین کے بعد تبع تابعین میں سے ابن شہاب زہری، یحییٰ بن سعید انصاری، زید بن اسلم، ربیعہ، ابوزناد وغیرہم نے اس سلسلہ کو قائم رکھا۔ امام مالک نے جس علمی فضا میں ہوش وحواس کی آنکھ کھولی، وہ انہی حضرات کا زمانہ تھا۔ حضرات تبع تابعین جس علم کو تابعین اور وہ صحابہ کرام سے سینہ بہ سینہ منتقل کرتے چلے آرہے تھے۔ اس علم کو انہوں نے ان تمام بزرگ حضرات سے حاصل کر کے صفحات قرطاس پر محفوظ کر لیا تھا۔

امام مالک کے اساتذہ اور مشائخ میں زیادہ تر مدینہ طیبہ کے بزرگانِ دین شامل تھے۔ علامہ زرقانی لکھتے ہیں کہ آپ نے نوسو سے زیادہ مشائخ اور بزرگانِ دین سے علمِ دین حاصل کیا ہے۔ (شیخ محمد عبدالباقی زرقانی، متوفی ۱۱۲۸ھ شرح الزرقانی للموطا ج ۱ ص ۲)

آپ کے اساتذہ میں سے چند حضرات کے اسماء یہ ہیں: عامر بن عبداللہ بن العوام، نعیم بن عبداللہ المجمر، زید بن اسلم، نافع مولی ابن عمر، حمید الطویل، سعید المقبری، ابوحازم، سلمۃ بن دینار، شریک بن عبداللہ بن ابی نمر، صالح بن کیسان زہری، صفوان بن سلیم، ربیع بن ابی عبدالرحمن، ابوالزناد، ابن المنکدر، عبداللہ بن دینار، ابوطوالۃ، عبدربہ، یحییٰ بن سعید، عمرو بن ابی عمر، مولی المطلب علاء

...بن عبدالرحمان، ہشام بن عروہ، یزید بن المہاجر، یزید بن عبداللہ بن خصیفہ، ابوالزبیر المکی، ابراہیم ...موسیٰ بن عقبہ، ایوب السختیانی، اسماعیل بن ابی حکیم، حمید بن عبدالرحمان، جعفر بن محمد صادق، حمید ...بن قیس مکی، داؤد بن الحسن، زیادہ بن سعد، زید بن رباح، سالم ابی النضر، سہیل بن ابی صالح، صیفی ...مولیٰ ابوایوب، ضمرۃ بن سعید، طلحہ بن عبدالمالک الایلی، عبداللہ بن ابی بکر بن حزم، عبداللہ بن ...الفضل الہاشمی، عبداللہ بن یزید، عبدالرحمان بن ابی صعصعہ، عبدالرحمان بن القاسم، عبداللہ بن ابی عبداللہ الاغر، عمرو بن مسلم بن عمارۃ بن اکمیہ، عمرو بن یحییٰ بن عمارۃ، قطن بن وہب، ابوالاسود عروۃ، محمد بن عمرو بن حلحلہ، محمد بن یحییٰ بن عمارۃ، محمد بن یحییٰ بن حیان، مخرجہ بن بکیر وغیرہم۔ (حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۵)

تلامذہ

امام مالک رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں مستقل سکونت رکھی تھی اور مسلمانوں کے لیے یہ مبارک شہر تمام شہروں میں قلب کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس وجہ سے اطراف واکناف سے لوگ یہاں آتے رہتے تھے اور مدینہ منورہ میں امام دارالہجرت مالک بن انس کی علمی شہرت اپنے کمال پر پہنچی ہوئی تھی۔ اس وجہ سے بے شمار لوگوں کو آپ سے علمِ حدیث کے سماع کا موقع حاصل ہوا۔ امام مالک سے ان کے مشائخ معاصرین اور عام تلامذہ سب قسم کے لوگوں نے احادیث روایت کی ہیں۔

مشائخ میں ابنِ شہاب زہری، یحییٰ بن سعید انصاری اور یزید بن عبداللہ بن الہاد۔ معاصرین میں سے اوزاعی، ثوری، ورقاء بن عمر الشعبہ بن الحجاج، ابن جریج، ابراہیم بن طہمان، لیث بن سعد اور ابنِ عیینہ۔ عمر میں بزرگ حضرات میں سے ابواسحاق فزاری، یحییٰ بن سعید القطان، عبدالرحمان بن مہدی، حسین بن ولید نیشاپوری، روح بن عبادہ، زید بن الحباب، امام شافعی، ابن المبارک، ابنِ وہب، ابن قاسم، قاسم بن یزید الجرمی، معن بن عیسیٰ، یحییٰ بن ایوب مصری، ابوعلی حنفی، ابونعیم، ابوعاصم، ابوالولید طیالسی، احمد بن عبداللہ بن یونس، اسحاق بن عیسیٰ بن الطباع، بشر بن عمر الزاہدی، جویرہ بن اسماء، خالد بن مخلد، سعید بن منصور، عبداللہ بن رجاء مکی، قعنبی، اسماعیل بن یونس، اویس یحییٰ بن یحییٰ نیشاپوری، ابومسہر عبداللہ بن یوسف، عبدالعزیز اویسی، مکی بن ابراہیم، یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر، یحییٰ بن قزعۃ، قتیبہ بن سعید، ابومصعب زہری،

اسماعیل بن موسیٰ فزاری' خلف بن ہشام' عبدالاعلیٰ بن حماد الدرسی' سوید بن سعید' مصعب ابن عبداللہ زبیری' ہشام بن عمار' عتبہ بن عبداللہ مروزی اور ابو حذافہ احمد بن اسماعیل مدنی۔

(حافظ ابن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۵۶)

شخصیت

امام مالک کا قد دراز' بدن فربہ اور رنگ سفید مائل بہ زردی تھا۔ آنکھیں بڑی اور خوبصورت تھیں' ناک بلند اور سر پر برائے نام بال تھے۔ مونچھیں بہ طرز سبالہ رکھا کرتے تھے۔ امام مالک نے ستاسی سال کی عمر گزاری لیکن ڈاڑھی میں خضاب کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ یمن' مصر اور خراساں کے بنے ہوئے بیش قیمت لباس زیب تن کیا کرتے تھے۔ عام طور پر سفید رنگ کا لباس پہنتے تھے اور عطر لگاتے تھے' سر پر عمامہ باندھتے تھے اور دونوں شانوں کے درمیان شملہ لٹکایا کرتے تھے اور ضرورت کے بغیر کبھی سرمہ نہیں لگاتے تھے۔ چاندی کی انگشتری پہنتے تھے جس پر سیاہ رنگ کا نگینہ تھا اور ''حسبنا اللہ نعم الوکیل'' کندہ کرایا ہوا تھا۔ ان سے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا: اللہ تعالیٰ مومنین کے بارے میں فرماتا ہے: ''قالوا حسبنا اللہ ونعم الوکیل'' اس وجہ سے میرا دل چاہتا ہے کہ اس آیت کا مضمون ہمیشہ میرے سامنے رہے حتی کہ میرے دل پر نقش ہو جائے۔

امام مالک کو تحصیل علم کی بے حد لگن تھی۔ زمانہ طالب علمی میں آپ کے پاس کچھ زیادہ مال نہ تھا۔ لیکن کتابوں کا اشتیاق اس قدر تھا کہ مکان کی چھت توڑ کر اس کی کڑیاں فروخت کیں اور کتابیں خریدیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان پر دولت کا دروازہ کھول دیا۔ آپ کا حافظہ نہایت اعلیٰ درجہ کا تھا' فرماتے ہیں: جس چیز کو میں ایک بار دیکھتا ہوں اس کو یاد کر لیتا ہوں اور پھر اس کو نہیں بھولتا۔

امام مالک مدینہ منورہ کے جس مکان میں رہتے تھے وہ عبداللہ بن مسعود کی رہائش گاہ تھی۔ مسجد نبوی میں اس جگہ بیٹھتے جہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیٹھا کرتے تھے۔ امام مالک فرماتے ہیں: میں نے پوری زندگی مین کبھی کسی بیوقوف شخص کے ساتھ ہم نشینی نہیں کی۔ امام مالک عموماً تنہائی میں کھانا کھاتے تھے اس لیے کسی شخص نے آپ کے خورد و نوش کے احوال بیان نہیں کیے۔ وقار اور دبدبہ کے باوجود امام مالک اپنے اہل وعیال اور خدام کے ساتھ حسنِ

اخلاق کے ساتھ پیش آتے تھے‘ مدینہ منورہ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ آپ نے حرم مدینہ میں کبھی قضائے حاجت نہیں کی۔ قضائے حاجت کے لیے تمام عمر حرم مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے رہے۔ امام مالک مدینہ منورہ میں کبھی سوار ہو کر نہیں نکلتے تھے اور اس کا سبب بیان کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ جس شہر میں رسول اللہ ﷺ کا روضہ ہو اس شہر کی سرزمین کو سواری کے سموں سے روندتے ہوئے مجھے حیاء آتی ہے۔

(شاہ عبد العزیز محدث دہلوی‘ متوفی ۱۲۲۹ھ‘ بستان المحدثین ص ۱۳ تا ۲۲)

معمولاتِ زندگی

امام مالک کی زندگی سادہ اور پر وقار تھی لوگوں کے ساتھ معاملات میں بے حد خلیق اور متواضع تھے۔ انہوں نے ساری زندگی علمی خدمات اور تعظیمِ حرمِ رسول میں گزاری۔ ابو مصعب کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک سے سنا‘ وہ فرماتے تھے کہ میں نے اس وقت تک فتویٰ لکھنا نہیں شروع کیا جب تک ستر علماء نے میری اہلیت کی گواہی نہیں دی۔ امام زرقانی بیان کرتے ہیں کہ امام مالک نے اپنے ہاتھ سے ایک لاکھ احادیث تحریر کی ہیں۔ سترہ سال کی عمر میں درسِ حدیث شروع کیا اور اس وقت ان کا حلقہ درس اپنے معاصرین کے حلقوں میں سب سے بڑا حلقہ تھا۔ طلباء کا انبوہِ کثیر ہر وقت ان کے دروازے پر موجود رہتا تھا۔ انہوں نے اپنے دروازے پر ایک دربان مقرر کیا ہوا تھا۔ پہلے خواص اہل علم کو آنے کی اجازت تھی اور پھر عام طلباء کو۔ (شیخ محمد عبد الباقی زرقانی‘ متوفی ۱۲۲۸ھ‘ شرح الزرقانی للموطا ص ۳)

قتیبہ بیان کرتے ہیں کہ جب امام مالک ہمارے پاس تشریف لاتے تو عمدہ لباس زیبِ تن ہوتا اور خوشبو لگائی ہوئی ہوتی تھی۔ ابنِ سعد لکھتے ہیں کہ امام مالک نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں تشریف لاتے تھے‘ جنازہ پڑھنے کے لیے تشریف لے جاتے تھے‘ بیماروں کی عیادت کرتے تھے‘ لوگوں کے حقوق ادا کرتے تھے‘ مسجد میں مجلس منعقد کرتے پھر کسی وجہ سے مسجد میں بیٹھنا ترک کر دیا اور نماز پڑھ کر چلے جاتے‘ پھر جنازوں میں بھی جانا چھوڑ دیا اور لوگوں کے پاس جا کر تعزیت کیا کرتے۔ آخر عمر میں جمعہ اور پانچ نمازوں کے لیے مسجد میں جانے کے سوا سب کچھ چھوڑ دیا۔ لیکن لوگوں کی محبت اور عقیدت میں فرق نہ آیا۔ بسا اوقات اس سلسلہ میں فرماتے کہ ہر شخص اپنا عذر بیان کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔

امام مالک انتہائی سادہ اور بے نفس تھے۔ ابن مہد بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے امام مالک سے مسئلہ پوچھا' آپ نے فرمایا: میں اس کو اچھی طرح بیان نہیں کرسکتا۔ وہ شخص کہنے لگا: میں بڑی دور سے آپ کا نام سن کر مسئلہ معلوم کرنے آیا تھا آپ نے فرمایا: جب واپس تم اپنے گھر پہنچو تو بتا دینا کہ مالک نے کہا تھا کہ میں یہ مسئلہ اچھی طرح بیان نہیں کرسکتا۔ سعید بن سلمان کہتے ہیں کہ امام مالک فتویٰ دینے سے پہلے اس آیت کی تلاوت کیا کرتے تھے:

''ان نظن الاظناً وما نحن مستيقنين''۔

(امام ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی' متوفی ۷۴۸ھ' تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۰۹)

درسِ حدیث

امام مالک نے سترہ سال کی عمر میں تعلیم و تدریس کی ابتداء کردی تھی۔ حدیث شریف پڑھانے سے پہلے غسل کرتے' عمدہ اور بیش قیمت لباس زیب تن کرتے' خوشبو لگاتے پھر ایک تخت پر نہایت عجز وانکساری سے بیٹھتے اور جب تک درس جاری رہتا انگیٹھی میں عود اور لوبان ڈالتے رہتے تھے' درس حدیث کے درمیان کبھی پہلو نہیں بدلتے تھے۔ عبداللہ بن المبارک بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں درس حدیث میں حاضر ہوا۔ امام مالک روایتِ حدیث فرما رہے تھے اسی دوران ایک بچھو کی نیش زنی کے باوجود آپ نے نہ پہلو بدلا' نہ سلسلہ روایت ترک کیا اور نہ ہی آپ کے تسلسل کلام میں کچھ فرق واقع ہوا۔ بعد میں آپ نے فرمایا: میرا اس تکلیف پر اس قدر صبر کرنا کچھ اپنی طاقت کی بناء پر نہ تھا بلکہ محض رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کی وجہ سے تھا۔

(شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی متوفی ۱۲۳۹ھ' بستان المحدثین ص ۲۰)

عام طور پر درسِ حدیث کے دو طریقے ہیں: ایک یہ کہ استاد حدیث پڑھے اور شاگرد سنتا رہے۔ دوسرا یہ کہ شاگرد حدیث پڑھے اور استاد سنتا رہے۔ اہل عراق نے درسِ حدیث کے لیے صرف پہلے طریقہ کو اختیار کرلیا اور اسی طریقہ میں درسِ حدیث کو منحصر خیال کرتے تھے۔ اس وجہ سے امام مالک اور حجاز کے دوسرے علماء نے درسِ حدیث کے لیے دوسرے طریقوں کو اختیار کرلیا تھا۔ (شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی متوفی ۱۲۳۹ھ' بستان المحدثین ص ۱۹)

کلمات الثناء

حضور ﷺ کی ایک حدیث ہے کہ عنقریب لوگ علم کی طلب میں سفر کر کے اونٹوں کے جگر پگھلا دیں گے پھر بھی انہیں عالمِ مدینہ سے بہتر کوئی عالم نہ مل سکے گا۔ سفیان بن عیینہ اور امام عبدالرزاق کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے اس فرمان میں امام مالک کی طرف اشارہ ہے۔ (شیخ محمد عبدالباقی زرقانی متوفی ۱۱۲۸ھ' شرح الزرقانی للموطا ج۱ ص۳) امام شافعی فرماتے تھے کہ امام مالک علماء کے درمیان ایک درخشندہ ستارے کی مانند ہیں۔ نیز فرماتے ہیں کہ اگر امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم رخصت ہو جاتا۔ ابنِ وہب کہتے ہیں کہ اگر مالک اور لیث نہ ہوتے تو ہم گمراہ ہو جاتے۔ اسحاق بن ابراہیم کہتے تھے: جس چیز پر ثوری' مالک اور اوزاعی اتفاق کر لیں وہ سنت ہے' خواہ اس باب میں صریح نص وارد نہ ہو۔ (امام ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی' متوفی ۷۴۸ھ' تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص ۲۰۹) امام نسائی فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک تبع تابعین کی جماعت میں امام مالک سے زیادہ عظیم کوئی شخص نہیں اور نہ ہی ان سے بڑھ کر کوئی شخص حدیث میں مامون تھا۔ (حافظ ابن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' تہذیب التہذیب ج۱۰ ص۹)

عبدالرحمان بن مہدی کہتے تھے کہ سفیان ثوری روایتِ حدیث میں امام تھے اور اوزاعی قواعد سلف کے امام تھے اور امام مالک ان دونوں فنون کے امام تھے' نیز وہ یہ بھی کہتے تھے کہ میں نے امام مالک سے کوئی زیادہ عقل مند شخص نہیں دیکھا۔ (شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ' درایۃ الموطأ ص ۱۷) یحییٰ بن سعید قطان اور یحییٰ بن معین انہیں امیر المومنین فی الحدیث کہتے تھے۔ نیز ابنِ معین کہتے تھے کہ امام مالک مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہیں۔ ابنِ قدامہ کہتے ہیں کہ امام مالک اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ قوی حافظہ رکھتے تھے۔ امام احمد بن حنبل نے کہا کہ ابنِ شہاب زہری کے شاگردوں میں امام مالک سب سے فائق تھے اور امام بخاری نے کہا کہ صحیح ترین سند یہ ہے: "مالک عن نافع عن ابنِ عمر"۔ (شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ' درایۃ الموطأ ص ۱۷) امام اوزاعی فرماتے تھے کہ امام استاذ العلماء' عالمِ حجاز اور مفتی حرمین ہیں اور جب امام مالک کے وصال کی خبر سفیان بن عیینہ کو پہنچی تو فرمانے لگے: امام مالک نے روئے زمین پر اپنی مثال نہیں چھوڑی۔

امام ذہبی فرماتے ہیں کہ امام مالک متعدد خصائل میں منفرد ہیں۔

اوّل: طول عمر وعلوِ روایت۔

ثانی: ذہن ثاقب اور وسعتِ علم۔

ثالث: ان کی روایات کی جمیت پر ائمہ کا اتفاق۔

رابع: ان کے تدین، تقویٰ اور اتباعِ سنت پر لوگوں کا اجماع۔

خامس: فقہ اور فتویٰ میں ان کا تقدم۔

(امام ابو اللہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۲۱۲)

کرم بالائے کرم

امام دار الہجرت مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی محبت سے حظِ وافر عطا فرمایا تھا وہ اسوہ رسول کے سراپا اور سنت نبویہ کی عملی تصویر تھے۔

معصب بن عبداللہ کہتے ہیں کہ جب امام مالک کے سامنے حضور کا ذکر کیا جاتا تو شدتِ جذبات سے ان کا رنگ متغیر ہو جاتا اور اسمِ مبارک کی تعظیم کے لیے بے اختیار جھک جاتے تھے۔ مدینہ طیبہ کے ذرہ ذرہ سے انہیں عشق تھا اور وہ حرمِ رسول کی گلیوں اور بازاروں کا بھی احترام کرتے تھے۔ اسی وجہ سے حضور ﷺ کی بارگاہ سے امام مالک کو بیش بہا نعمتیں نصیب ہوئی تھیں۔ امام ابو نعیم اصفہانی اپنی سند کے ساتھ ذکر کرتے ہیں کہ خلف امام مالک کی خدمت میں حاضر ہوئے تو امام مالک نے فرمایا: دیکھو! تمہارے مصلّے کے نیچے کیا ہے؟ انہوں نے دیکھا: ایک کاغذ تھا جس میں امام مالک کے بعض احباب نے اپنا خواب لکھا ہوا تھا کہ میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ کی مجلس میں لوگ جمع ہیں، آپ نے فرمایا: میں نے تمہارے لیے اپنے منبر کے نیچے علم چھپا رکھا ہے اور مالک کو حکم دیا کہ وہ اس علم کو لوگوں میں تقسیم کر دیں۔

اسماعیل بن مزاحم مروزی بیان کرتے ہیں کہ میں نے خواب میں حضور ﷺ کی زیارت کی اور آپ سے استفسار کیا کہ حضور! ہم آپ کے بعد کس سے سوال کیا کریں؟ فرمایا: مالک بن انس سے۔

ابو عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے خواب میں حضور ﷺ کی زیارت کی آپ مسجد میں تشریف فرما تھے اور کافی لوگ آپ کے گرد بیٹھے ہوئے تھے اور مالک حضور ﷺ کے سامنے مؤدب کھڑے تھے۔ حضور کے پاس مشک تھی آپ اس میں سے تھوڑی تھوڑی مشک مالک کو

دے رہے تھے اور وہ اس مشک کو لوگوں میں تقسیم کر رہے تھے۔

محمد بن رمح بیان کرتے ہیں کہ میں نے خواب میں حضور ﷺ کی زیارت کی تو آپ سے پوچھا: حضور! مالک اور لیث میں زیادہ علم کس کا ہے؟ فرمایا: میرے علم کا وارث مالک ہے۔

مثنیٰ بن سعید بیان کرتے ہیں کہ امام مالک فرماتے تھے کہ میری کوئی رات ایسی نہیں گزری جس میں مَیں نے حضور ﷺ کی زیارت نہ کی ہو۔

(حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی، متوفی ۴۳۰ھ حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۳۱۶ تا ۳۱۷)

ابتلاء

امام مالک کا مسلک تھا کہ طلاق مکرہ واقع نہیں ہوتی۔ ان کے زمانہ کے حاکم نے اس مسئلہ میں ان سے اختلاف کیا اور ان کو زدوکوب کیا اور اونٹ پر سوار کرا کے شہر میں پھرایا۔ اس حال میں بھی امام مالک نے بہ آوازِ بلند فرمایا کہ جو شخص مجھے جانتا ہے وہ جانتا ہے اور جو نہیں جانتا وہ جان لے میں ابو عامر مالک بن اَنس اصبحی ہوں اور میرا مسلک یہ ہے کہ طلاق مکرہ واقع نہیں ہوتی۔ جعفر بن سلیمان تک جب یہ خبر پہنچی کہ امام مالک بلند آواز سے یہ اعلان کر رہے ہیں تو اس نے حکم جاری کیا کہ انہیں اونٹ سے اتار لیا جائے۔

امام احمد بن حنبل سے جب اس واقعہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: طلاق مکرہ نافذ نہ کرنے کی بناء پر بعض حکام نے ان پر تشدد کیا تھا اور مجھے نہیں معلوم کہ وہ تشدد کرنے والا شخص کون تھا؟ (حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی، متوفی ۴۳۰ھ حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۳۲۳)

مالکی مسلک کا رواج

مغربی ممالک خصوصاً اندلس میں امام مالک کے مسلک کا بہت زیادہ چرچا ہوا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ وہاں کے لوگ جب حج اور زیارتِ روضہ منورہ کے لیے حرمین حاضر ہوتے تو مدینہ منورہ میں امام مالک کی شہرت، مقبولیت اور آپ کے علم و فضل سے بہت متاثر ہوتے اس سبب سے اندلس میں عام طور پر لوگ امام مالک کے فتاویٰ کی پیروی کرتے تھے۔ چنانچہ قرطبہ سے یحییٰ بن یحییٰ مصمودی مدینہ منورہ پہنچے اور ایک سال تک امام مالک کی خدمت میں رہے اور واپس آ کر انہوں نے ''موطا امام مالک'' اور فتاویٰ امام مالک کی تبلیغ اور اشاعت کی۔ اسی طرح

اندلس کے ایک اور عالم عیسیٰ بن دینار امام مالک کے شاگرد تھے اور ان دو حضرات نے دیار مغرب میں امام مالک کے مسلک کی بہت زیادہ خدمت کی۔ ابنِ حزم نے لکھا ہے کہ یحییٰ بن یحییٰ کو شاہی دربار میں پذیرائی حاصل تھی اور تمام شہروں میں قاضیوں کا تقرر ان کی رائے سے ہوتا تھا اور یحییٰ بن یحییٰ اس بات کا خاص خیال رکھا کرتے تھے کسی ایسے شخص کو قاضی نہ مقرر کر دیا جائے جو مالکی مسلک سے اختلاف رکھتا ہو۔

(شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، متوفی ۱۲۲۹ھ بستان المحدثین ص ۳۵)

وصال

یحییٰ بن یحییٰ مصمودی بیان کرتے ہیں کہ جب امام مالک کا مرض الموت طویل ہوا اور وقتِ آخر آ پہنچا تو مدینہ منورہ اور دوسرے شہروں سے تمام علماء اور فقہاء امام مالک کے مکان میں جمع ہو گئے تا کہ امام مالک کی آخری ملاقات سے فیض یاب اور ان کی وصیتوں سے بہرہ مند ہوں۔ یحییٰ بن یحییٰ کہتے ہیں کہ اس وقت امام مالک کی عیادت کرنے والے مجھ سمیت ایک سو تیس علماء حاضر تھے۔ میں بار بار امام کے پاس جاتا اور سلام عرض کرتا تھا تا کہ اس آخری وقت میں امام کی نظر مجھ پر پڑ جائے اور وہ نظر میری سعادتِ اخروی کا وسیلہ بن جائے۔ میں اسی کیفیت میں تھا کہ امام نے آنکھیں کھولیں اور ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہم کو کبھی ہنسایا اور کبھی رلایا، اس کے حکم سے زندہ رہے، اس کے حکم سے جان دیتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: موت آ گئی، خدا تعالیٰ سے ملاقات کا وقت قریب ہے۔ حاضرین نے عرض کیا: اس وقت آپ کے باطن کا کیا حال ہے؟ فرمایا: میں اس وقت اولیاء اللہ کی مجلس کی وجہ سے بہت خوش ہوں۔ کیونکہ میں اہل علم کو اولیاء اللہ گردانتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کو حضرات انبیاء علیہم السلام کے بعد علماء سے زیادہ کوئی شخص پسند نہیں ہے۔ نیز میں اس لیے بھی خوش ہوں کہ میری تمام زندگی علم کی تحصیل اور اس کی تعلیم میں گزری اور میں اس سلسلہ میں اپنی تمام مساعی کو مستجاب اور مشکور گمان کرتا ہوں، اس لیے کہ تمام فرائض اور سنن اور ان کے ثواب کی تفصیلات ہم کو زبان رسالت سے معلوم ہوئیں مثلاً حج کا اتنا ثواب ہے اور زکوٰۃ کا اتنا اور ان تمام معلومات کو سوا حدیث کے طالب علم کے اور کوئی شخص نہیں جان سکتا اور یہی علم اصل میں نبوت کی میراث ہے۔ یحییٰ بن یحییٰ مصمودی کہتے ہیں: اس کے بعد امام مالک نے ربیع کی ایک

روایت بیان کی کہ کسی شخص کو نماز کے مسائل بتلانا روئے زمین کی تمام دولت کو صدقہ کرنے سے بہتر ہے اور کسی شخص کی دینی الجھن دور کر دینا سو حج کرنے سے افضل ہے اور ابن شہاب زہری کی روایات سے بتلایا کہ کسی شخص کو دینی مشورہ دینا سو غزوات میں جہاد کرنے سے بہتر ہے۔ یحییٰ بن یحییٰ کہتے ہیں: اس گفتگو کے بعد امام مالک نے کوئی بات نہیں کی اور اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ (شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، متوفی ۱۲۲۹ھ، بستان المحدثین، ص ۱۳۹)

امام ذہبی لکھتے ہیں کہ امام مالک کا سن وصال مؤرخین کے اتفاق سے ۱۷۹ھ ہے البتہ تاریخ میں اختلاف ہے۔ ابومصعب اور ابنِ وہب نے تاریخ وصال ۱۰ ربیع الاول بیان کی ہے۔ ابن سحنون نے گیارہ ربیع الاول، ابن ابی اویس نے چودہ ربیع الاول تاریخ بتلائی ہے اور مصعب زبیری نے آپ کا وصال ماہ صفر میں ذکر کیا ہے۔

(امام ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۱۳)

موطأ امام مالک

فنِ حدیث میں جس کتاب کو سب سے پہلے مدون کیا گیا وہ ''موطاء امام مالک'' ہے۔ امام شافعی نے اس کتاب کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ کتاب اللہ کے بعد روئے زمین پر اس سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں ہے۔ (شیخ محمد عبدالباقی زرقانی' شرح الموطأ للزرقانی ج ا ص ۸) اور فنِ جرح و تعدیل کے مشہور امام حافظ ابوزرعہ رازی متوفی ۲۶۴ھ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص قسم کھالے کہ ''موطأ'' کی تمام احادیث صحیح ہیں تو وہ حانث نہیں ہوگا۔ (شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی متوفی ۱۲۲۹ھ' بستان المحدثین ص ۲۶) ابوبکر بن العربی نے کہا: فنِ حدیث میں ''صحیح بخاری'' ثانوی حیثیت رکھتی ہے اور اس موضوع پر اصل اوّل ''موطأ امام مالک'' ہے۔ (مولانا عبدالحیٔ لکھنوی ۱۳۰۴ھ' التعلیق المجد ص ۱۵) اور حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ ''موطأ'' کی صحت اور قوت سے لوگوں کے دلوں میں جس قدر ہیبت طاری ہے اس کا کوئی کتاب مقابلہ نہیں کرسکتی۔ (مولانا عبدالحیٔ لکھنوی ۱۳۰۴ھ' التعلیق المجد ص ۱۶) حافظ ابنِ حیان لکھتے ہیں کہ فقہاءِ مدینہ میں امام مالک وہ شخص ہیں جنہوں نے روایات کے بارے میں تحقیق سے کام لیا اور جو شخص حدیث میں ثقہ نہ تھا اس سے اعراض فرمایا' وہ صحیح روایات کے علاوہ نہ اور کوئی چیز روایت کرتے اور نہ کسی غیر ثقہ سے حدیث بیان کرتے۔ (حافظ ابن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۹) یحیٰی بن سعید کہتے تھے کہ آج قوم کے پاس فنِ حدیث میں ''موطأ'' سے زیادہ کوئی صحیح کتاب نہیں ہے۔ محمد بن سری کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضور ﷺ کی خواب میں زیارت کی' تو عرض کیا: حضور! مجھے کچھ احادیث بیان فرمایئے جن کو میں آپ سے روایت کروں' فرمایا: اے ابن السری! میں نے مالک کو ایک خزانہ دیا ہے جس کو وہ تم میں تقسیم کریں گے اور یاد رکھو! وہ خزانہ ''موطأ'' ہے۔ پھر فرمایا: اللہ کی کتاب اور میری سنت کے بعد مسلمانوں کے لیے ''موطأ'' سے زیادہ کوئی صحیح چیز نہیں ہے اس کتاب کا سماع کرو اور اس سے فائدہ اٹھاؤ۔ (مولانا عبدالحیٔ لکھنوی ۱۳۰۴ھ' التعلیق المجد ص ۱۵)

سبب تالیف

حافظ ابو مصعب زہری لکھتے ہیں کہ خلیفہ منصور عباسی نے امام مالک سے فرمائش کی تھی کہ آپ لوگوں کے لیے ایک کتاب تصنیف کر دیجئے جس پر عمل کرنے کے لیے میں لوگوں کو آمادہ کروں امام مالک مختلف عذر پیش کرتے رہے مگر خلیفہ نے بااصرار شدید آپ کو اس کام کے لیے تیار کر لیا۔ بالآخر امام مالک نے ''موطأ'' کی تصنیف شروع کی۔ لیکن اس کی تکمیل سے پہلے منصور کا انتقال ہو گیا اور اس کے بیٹے محمد مہدی کے ابتدائی دورِ خلافت میں اس کتاب کی تکمیل ہو گئی۔ (علامہ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، تزئین الممالک ص ۴۳)

مدارج تالیف

ابن الوہاب ذکر کرتے ہیں کہ امام مالک نے ایک لاکھ احادیث میں سے ''موطأ'' کا انتخاب کیا۔ پہلے اس میں دس ہزار احادیث جمع کیں پھر مسلسل غور کرتے رہے یہاں تک کہ اس میں پانچ سو احادیث باقی رہ گئیں۔ حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ امام اوزاعی کے شاگرد عمر بن عبدالواحد کہتے ہیں کہ ہم نے چالیس دن میں امام مالک کو ''موطأ'' سنائی تو آپ نے فرمایا کہ جس کتاب کو میں نے چالس سال میں تالیف کیا تم نے اس کو چالیس دنوں میں حاصل کر لیا۔ (مولانا عبدالحیٔ لکھنوی، متوفی ۱۳۰۴ھ، التعلیق الممجد ص ۱۵)

وجہ تسمیہ

''موطأ'' کا لفظ وطی سے ماخوذ ہے جس کے معنی روندنے کے ہیں امام مالک نے اس کتاب کی تالیف کے بعد اس کو مدینہ منورہ کے ستر فقہاء کے سامنے پیش کیا۔ جنہوں نے اس کتاب کو انظارِ دقیقہ سے روندا اس وجہ سے اس کا نام ''موطأ'' پڑ گیا۔ یہ بھی کہا گیا کہ کہ یہ لفظ مواطاۃ سے ماخوذ ہے جس کے معنی موافقت ہیں چونکہ اس کتاب کے ساتھ امام مالک کے زمانے کے تمام علماء نے موافقت کی تھی اس لیے اس کا نام ''موطأ'' رکھا گیا۔

تالیف میں اخلاص

جب امام مالک نے ''موطأ'' کو تصنیف کرنا شروع کیا تو آپ کو دیکھ کر دوسرے علماء نے بھی آپ کی طرح اس فن میں لکھنا شروع کر دیا۔ بعض لوگوں نے آپ سے کہا کہ آپ کیوں

اپنے آپ کو اس تصنیف کی وجہ سے تکلیف میں ڈال رہے ہیں جب کہ اور لوگوں نے بھی اس طرز کی کتابیں لکھنی شروع کر دی ہیں؟ امام مالک نے فرمایا: عنقریب لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ کس کا کام محض اللہ کے لیے ہے۔ چنانچہ "موطأ" کے ظہور میں آنے کے بعد وہ تمام کتابیں اپنی رونق اور شہرت کھو بیٹھیں اور اس زمانہ کی تالیفات میں سے، سوائے "موطأ" کے آج کسی کا نام و نشان نہیں ملتا۔ (شاہ ولی اللہ دہلوی، متوفی ۱۱۷۶ھ، مقدمہ سوی ج ا ص ۲۵)

امام مالک "موطأ" کی تصنیف سے فارغ ہوئے تو انہوں نے اپنا اخلاص ثابت کرنے کے لیے "موطأ" کے مسودہ کے تمام اوراق کو پانی میں ڈال دیا اور فرمایا: اگر ان اوراق میں سے ایک ورق بھی بھیگ گیا تو مجھے اس کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ لیکن یہ امام مالک کی صدقِ نیت اور اخلاص کا ثمرہ تھا کہ پانی میں ڈالنے کے باوجود ان اوراق میں سے کوئی ورق بھی نہیں بھیگا اور اس کام میں امام مالک کا اخلاص اور ان کی للہیت تمام لوگوں پر ظاہر ہو گئی۔

(شیخ محمد عبدالباقی زرقانی، متوفی ۱۱۲۸ھ، شرح الزرقانی للموطأ ج ا ص ۲۵)

شرفِ اولیت

تاریخی طور پر اس بات میں کسی شخص کو مجالِ سخن نہیں ہے کہ حدیث کا جو سب سے پہلا مجموعہ امت کے ہاتھوں میں پہنچا ہے وہ "موطأ امام مالک" ہے البتہ اس بات میں اختلاف ہے کہ صحیح مجرد میں پہلی کتاب "بخاری" ہے یا "موطأ"۔ بہرحال جمہور کی رائے یہی ہے کہ صحیح مجرد میں پہلی کتاب امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری کی "الجامع الصحیح" ہے جو آج تمام دنیا میں "صحیح بخاری" کے نام سے معروف ہے اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ صحیح مجرد میں پہلی کتاب "موطأ امام مالک" ہے۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے کیونکہ "موطأ" میں بہ کثرت بلاغات، مراسیل اور منقطعات ہیں اور انقطاع سند بہرحال صحت حدیث کے منافی ہے۔ بعض لوگ اس کے جواب میں "صحیح بخاری" کے تراجم اور تعلیقات سے معارضہ کرتے ہیں کیونکہ امام بخاری نے متعدد جگہ سند ذکر کیے بغیر متن حدیث سے ترجمۃ الباب قائم کیا ہے اور بعض جگہ ترجمۃ الباب میں معلق احادیث وارد کی ہیں پس اگر انقطاع سند "موطأ" کی صحت مجردہ کے لیے مانع ہے تو یہ سقم "صحیح بخاری" میں بھی پایا جاتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ "صحیح بخاری" کی تعلیقات اور تراجم کی دوسرے توابع اور شواہد سے تقویت اور تائید ہو جاتی ہے تو "موطأ" کی

...غات اور مراسیل وغیرہ کو بھی دوسرے قرائن سے تائید حاصل ہے۔

اس معارضہ کے جواب میں اولاً گزارش یہ ہے کہ ''موطأ'' کی تمام احادیث بلا استثناء ...یہ ثبوت کو نہیں پہنچ سکیں۔ چنانچہ حافظ ابن عبدالبر مالکی اندلسی نے تصریح کی ہے کہ ''موطأ'' کی ...چار احادیث ایسی ہیں جن کی اور کسی سند سے تائید نہیں ہو سکی۔ (شیخ محمد عبدالباقی زرقانی، متوفی ۱۱۲۸ھ ...شرح الزرقانی للموطأ ج ا ص ۸)

...ثانیاً: ان منقطعہ احادیث کا کسی اور سند سے متصل ثابت ہونا ایک اور بات ہے لیکن جن اسناد ...سے امام مالک نے ان کو روایت کیا ہے وہ بہرحال منقطع ہیں اور ان اسناد کے لحاظ سے وہ ...احادیث فنی طور پر صحیح نہیں ہوں گی۔ کیونکہ انقطاعِ صحت حدیث کے منافی ہے جیسا کہ اگر کسی ...حدیث کی سند میں کوئی وضاع راوی آجائے تو اس سند کے لحاظ سے وہ حدیث بہرحال موضوع ...قرار پائے گی، خواہ متن حدیث کسی دوسری صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو۔

...ثالثاً: امام بخاری نے جس قدر تعلیقات وارد کی ہیں وہ سب اصل میں متصل ہیں اور امام ...بخاری نے ان احادیث کا علی وجہ الاتصال ہی سماع کیا ہے۔ لیکن عمداً متعدد حکمتوں کی بناء پر ان ...کی اسناد کو حذف کر دیا برخلاف ''موطأ'' کی بلاغات کے۔ کیونکہ امام مالک کو وہ تمام بلاغات ...علی وجہ الانقطاع ملی ہیں جیسا کہ عنقریب واضح ہو جائے گا۔

...رابعاً: امام مالک کی تمام منقطع احادیث کتاب کے اصل موضوع میں روایت کی گئی ہیں۔ اس ...کے برخلاف امام بخاری نے تعلیقات اور تراجم کو ابواب کے ذیل میں وارد کیا ہے اور ''صحیح ...بخاری'' کے اصل موضوع میں کوئی منقطع حدیث نہیں ہے کیونکہ کتاب کا اصل موضوع احادیث ...مسندہ ہیں جیسا کہ اس کے نام ''الجامع الصحیح المسند'' سے ظاہر ہے اور امام بخاری کی تصریح ''ما ...وضعتُ فی جامعی هذا الا ماصح'' سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے۔

ہر ایک شخص کا مزاج اور مسلک جدا ہوتا ہے ہماری رائے اس سلسلہ میں بہرحال یہی ہے ...کہ صحیح مجرد میں احادیث جمع کرنے کا شرف جس شخص نے سب سے پہلے حاصل کیا وہ ابو عبداللہ ...محمد بن اسماعیل بخاری ہیں اور نفس حدیث کا سب سے پہلا مجموعہ جس شخص نے امت مسلمہ کو ...فراہم کیا وہ امام مالک ابو عبداللہ مالک بن انس اصبحی ہیں۔

آج تک تمام علماء سلفاً خلفاً یہی لکھتے آرہے ہیں کہ احادیث کا سب سے پہلا مجموعہ امام

مالک نے پیش کیا۔ لیکن مولوی عبدالرشید نعمانی لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے احادیث کا مجموعہ جس شخص نے پیش کیا وہ امام اعظم ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:

''امام ابوحنیفہ جب جامع کوفہ کی اس مشہور علمی درس گاہ میں مسند فقہ وعلم پر جلوہ آراء ہوئے جو کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے باقاعدہ طور پر چلی آ رہی تھی تو آپ نے جہاں علمِ کلام کی بنیاد ڈالی' فقہ کا عظیم الشان فن مدون کیا وہاں ہی علمِ حدیث کی ایک اہم ترین خدمت یہ انجام دی کہ احادیثِ احکام میں سے صحیح اور معمول روایات کا انتخاب فرما کر ایک مستقل تصنیف میں ان کو ابواب فقہیہ پر مرتب کیا جس کا نام ''کتاب الآثار'' ہے اور آج امت کے پاس احادیث صحیحہ کی سب سے قدیم ترین کتاب یہی ہے۔ پھر لکھتے ہیں:

''ممکن ہے کہ بعض لوگ ''کتاب الاثار'' کو احادیث صحیحہ کا اولین مجموعہ بتانے پر چونکیں۔ اس لیے اس حقیقت کو آشکارا کرنا نہایت ضروری ہے۔''

اور ''کتاب الآثار'' کی اولیت پر دلیل قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بلاشبہ علامہ مغلطائی کے نزدیک اس بارے میں اولیت کا شرف امام مالک کو حاصل ہے۔ لیکن ''کتاب الآثار'' ''موطأ'' سے پہلے کی تصنیف ہے جس سے خود ''موطأ'' کی تالیف میں استفادہ کیا گیا ہے''۔ چنانچہ حافظ سیوطی ''تبیین الصحیفہ فی مناقب الامام ابی حنفیۃ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

من مناقب ابی حنیفة التی انفرد بها انه اول من دون علم الشریعة ورتبه ابواباً ثم تبعه مالک بن انس فی ترتیب الموطأ ولم یسبق ابا حنیفة احد.

(ابن ماجہ اور علم حدیث ص ۱۵۸ تا ۱۶۱)

امام ابوحنیفہ کے ان خصوصی مناقب سے کہ جن میں وہ منفرد ہیں ایک یہ بھی ہے کہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علمِ شریعت کو مدون کیا اور اس کی ابواب پر ترتیب کی پھر امام مالک بن انس نے ''موطأ'' کی ترتیب میں انہیں کی پیروی کی اور اس باب میں ابوحنیفہ پر کسی کو سبقت نہیں ہے۔

لیکن ارباب فہم پر ظاہر ہوگا کہ نعمانی صاحب کی دلیل میں کوئی متعارض نہیں ہے۔ کیونکہ حافظ سیوطی نے تحریر فرمایا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے سب سے پہلے علمِ شریعت کی تدوین کی ہے۔

اور علم شریعت علم حدیث سے عام ہے اور جب دعویٰ خاص اور دلیل عام ہو تو تقریب تام نہیں ہوتی اور خصوصاً اس لیے بھی کہ حافظ سیوطی نے خود ''تنویر الحوالک'' میں ''موطأ'' کو حدیث کی پہلی کتاب قرار دیا ہے اس لیے ''تبیین الصحیفہ'' میں ان کے کلام ''اول من دون علم الشریعة'' میں شریعت سے مراد علم حدیث کے ماسواء ماننا پڑے گا۔ امام اعظم ابوحنیفہ کی دینی خدمات کا ایک الگ مقام ہے۔ کتاب وسنت سے مسائل کے استخراج اور علمِ شریعت کی کتب اور ابواب کے ساتھ باقاعدہ تدوین کی خدمت میں ان پر کوئی سابقیت نہیں رکھتا۔ اس حقیقت کو آشکارا کرنے کے لیے حافظ سیوطی نے ان کے بارے میں فرمایا: ''انہٗ اوّل من دون علم الشریعة'' اسی طرح سب سے پہلے انہوں نے اجتہاد کے اصول اور پیمانے وضع کیے اور بعد کے تمام مجتہدین امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل نے ان قواعد سے پورا پورا استفادہ کیا۔ اسی لیے امام شافعی نے فرمایا: ''الفقهاء کلهم عیال ابی حنیفة'' تمام فقہاء امام ابوحنیفہ کے پروردہ ہیں، اس کے ساتھ ساتھ علمِ حدیث میں بھی ان کا نہایت اونچا مقام ہے۔ فنِ حدیث میں انہوں نے ''کتاب الآثار'' کو تصنیف کیا جس کی پوری تحقیق ہم اس سے متعلق عنوان کے تحت ذکر کر چکے ہیں۔

اسلوب

امام مالک کسی عنوان کو ثابت کرنے کے لیے اولاً حدیث مسند وارد کرتے ہیں اور اگر حدیث مسند نہ مل سکے تو ثقات تابعین سے حدیث مرسل روایت کرتے ہیں۔ جب حدیث مرسل بھی نہ مل سکے تو بلاغات کو وارد کرتے ہیں اس کے بعد آثار صحابہ کی طرف رجوع کرتے ہیں، آثار میں حضرت عمر کے قضایا اور حضرت عبداللہ بن عمر کے فتاویٰ کو مقدم رکھتے ہیں۔ صحابہ کے بعد اقوالِ تابعین کی طرف رجوع کرتے ہیں، تابعین میں بھی فقہاء مدینہ کو ترجیح دیتے ہیں اور خاص طور پر سعید بن مسیب، عروہ بن زبیر، قاسم، سالم، سلیمان بن یسار، ابوسلمہ، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، ابوبکر بن عمرو اور عمر بن عبدالعزیز کے اقوال کا ذکر کرتے ہیں۔ بعض جگہ امام مالک کسی عنوان کے تحت احادیثِ مسندہ، آثار اور فتاوی تابعین ذکر کرنے کے بعد اپنی رائے بھی ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً انہوں نے باب ''وضو النائم ان قام الی الصلوٰة'' کے تحت حدیث وارد کی:

عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ قال اذا استیقظ احدکم من نومه فلیغسل یده قبل ان یدخلها فی وضوئه فان احدکم لایدری این باتت یده.

اس کے بعد حضرت عمر کا اثر وارد کیا۔ ''**اذا نام احدکم مضطجعا فلیتوضأ**'' اور آیۂ وضو کی تفسیر میں زید بن اسلم کا یہ قول پیش کیا: ''**ان ذلک اذاقمتم من المضاجع یعنی النوم**'' اور آخیر میں اپنی رائے پیش کی: ''**قال مالک الامر عندنا انه لایتوضؤ الامن حدث یخرج من دبرا وذکر اونام**''. (امام مالک بن انس اصبحی' متوفی ۱۷۹ھ' موطأ امام مالک ص ۷) ''موطأ'' میں صرف احکام سے متعلق احادیث بیان کی گئی ہیں۔ تفسیر' اشراط اور مناقب سے متعلق احادیث روایت نہیں کی گئی ہیں۔ اس لحاظ سے یہ کتاب اقسام کتب حدیث میں سنن کے ذیل میں آتی ہے۔

بلاغات

''موطأ امام مالک'' میں بلاغات بہ کثرت موجود ہیں اس لیے ضروری ہے کہ بلاغات کی وضاحت کر دی جائے اگر کسی شخص کو کوئی حدیث لکھی ہوئی مل جائے اور وہ خطِ تحریر سے اس حدیث کے لکھنے والے کو پہچانتا ہو تو بشرط اجازت اس حدیث کو روایت کر سکتا ہے۔ اس کو فنِ حدیث کی اصطلاح میں وجادت کہتے ہیں۔ امام مالک نے اہلِ علم کی کتب اور ان کے نوشتوں میں جو احادیث لکھی ہوئی پائیں تو ان کو '**بلغه عن النبی ﷺ**'' کے صیغہ کے ساتھ روایت کر دیا۔ اس قسم کی تمام روایات فنی طور پر منقطع کا حکم رکھتی ہیں' اس کی ایک مثال یہ ہے: **مالک انه بلغه ان عبدالله بن مسعود کان یقول من قبلة الرجل امرأته الوضوء.** (امام مالک بن انس اصبحی' متوفی ۱۷۹ھ' موطأ امام مالک' ص ۱۵) اس لحاظ سے امام مالک کی تمام بلاغات وجادت کے تحت آتی ہیں۔

اسانید

امام مالک نے احادیث مسندہ عام طور پر حضرت عبداللہ بن عمر' حضرت عائشہ' حضرت ابو ہریرہ' حضرت انس' حضرت جابر' حضرت ابو سعید خدری اور حضرت سہل بن سعد سے روایت کی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر کی احادیث عموماً نافع یا عبداللہ بن دینار سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ کی روایات عروہ' قاسم' ہشام اور عبدالرحمٰن سے۔ حضرت ابو ہریرہ کی

احادیث ''عن ابی الزناد عن الاعرج یا عن العلاء بن عبدالرحمن عن ربیعة یا عن ابن شهاب عن سعید ابنِ مسیّب'' کی سند سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت اُنس کی احادیث ابنِ شہاب' ربیعہ' اسحٰق بن عبداللہ' حمید اور عبداللہ بن ابی بکر سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت جابر کی احادیث ابوالزبیر' وہب بن کیسان اور محمد بن منکدر سے روایت کرتے ہیں اور ابوسعید خدری کی احادیث محمد بن یحییٰ اور عمر بن یحییٰ عن ابیہ سے روایت کرتے ہیں اور سہل بن سعد کی احادیث غالباً ابی حازم سے روایت کرتے ہیں۔

چار نادر حدیثیں

حافظ ابن عبدالبر نے جن چار حدیثوں کا ذکر کیا ہے جن کا متن دوسری کتابوں میں نہیں ملتا ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) مالک انه بلغه' ان رسول الله ﷺ قال انی لانسی لاسن.

(موطأ امام مالک ص ۳۵)

(۲) مالک انه سمع من یثق به من اهل العلم یقول ان رسول الله ﷺ اری اعمار الناس قبله او ماشاء الله من ذالک فکانه تقاصر اعمار امته عن ان لا یبلغوا من العمل مثل الذی بلغ غیرهم فی طول العمر فاعطاه الله لیلة القدر خیرا من الف شهر. (موطأ امام مالک ص ۹۹)

(۳) مالک عن معاذ بن جبل انه قال آخرما اوصانی به رسول الله ﷺ حین وضعت رجلی فی العزز ان قال لی احسن خلقک للناس معاذ بن جبل. (موطأ امام مالک ص ۳۶۴)

(۴) اذ انشأت بحریة ثم تشاءمت فتلک عین غدیقه.

(شرح الزرقانی للموطأ ج ۱ ص ۸)

تعدادِ احادیث

ابوبکر العربی نے بیان کیا ہے کہ ''موطأ امام مالک'' کی کل روایات بہ شمول آثار صحابہ و فتاویٰ تابعین ایک ہزار سات سو بیس ہیں جن میں چھ سو مسند ہیں' دو سو بائیس مرسل ہیں' چھ سو سترہ موقوف ہیں اور دو سو پچھتر اقوال تابعین ہیں۔ (شاہ اللہ ولی اللہ محدث دہلوی' متوفی ۱۱۷۶ھ' مقدمہ

سوی ج ۱ ص ۲۵) اب جدید نمبرنگ کے مطابق یہ تعداد: ۱۹۴۲ ہے۔

موطأ امام مالک کے راوی

''موطأ امام مالک'' کو ہر طبقہ کے لوگوں نے بہ کثرت روایت کیا ہے۔ خلفاء اسلام میں ہارون رشید' امین اور مامون نے۔ مجتہدین میں سے امام شافعی' امام محمد بن الحسن' امام احمد بن حنبل اور امام ابو یوسف نے (ان تمام مجتہدین میں صرف امام محمد بن الحسین شیبانی نے امام مالک سے بلا واسطہ ''موطأ'' کی روایت کی ہے اور باقی مجتہدین نے بالواسطہ ''موطأ امام مالک'' کو روایت کیا ہے)۔ امام مالک کے خصوصی تلامذہ میں سے یحییٰ بن یحییٰ المصمودی' ابن قاسم اور اصبغ نے اور صوفیاء میں سے ذوالنون مصری نے اور محدثین میں سے ایک کثیر جماعت نے اس کو روایت کیا ہے جن کا احصار بہت دشوار ہے۔

(شاہ ولی اللہ محدث دہلوی' متوفی ۱۱۷۶ھ' مقدمہ مسوی ج ۱ ص ۲۲)

موطأ امام مالک کے نسخے

''موطأ امام مالک'' کے تیس سے زیادہ نسخے ہیں۔ ان میں یحییٰ بن یحییٰ مصمودی کا نسخہ سب سے زیادہ مشہور ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے ''بستان المحدثین'' میں ''موطأ'' کے سولہ نسخوں کا بالتفصیل ذکر کیا ہے اور ہر نسخہ کے راوی کی مختصر سوانح لکھی ہے۔ اس وقت امت کے ہاتھوں میں ''موطأ'' کے دو نسخے موجود ہیں ایک یحییٰ بن یحییٰ مصمودی کا اور دوسرا امام محمد بن حسن شیبانی کا۔ یحییٰ بن یحییٰ کا نسخہ ''موطأ امام مالک'' اور امام محمد کا نسخہ امام محمد کی روایت کے سبب ''موطأ امام محمد'' کے نام سے مشہور ہے۔

موطأ کی شروح و تعلیقات

''موطأ امام مالک'' چونکہ فنِ حدیث میں سب سے پہلی کتاب تھی اس وجہ سے اس کو بہت زیادہ شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی اور بے شمار لوگوں نے اس پر شروح' حواشی اور تعلیقات سپردِ قلم کیے ہیں۔ سطور ذیل میں بعض شروح کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(۱) تفسیر الموطاء: یہ شرح ابومروان عبدالملک بن حبیب بن سلیمان المالکی المتوفی ۲۳۹ھ کی تصنیف ہے۔

(۲) شرح الموطأ: یہ کتاب حمد بن محمد الخطابی التوفی ۳۸۸ھ کی تصنیف ہے۔

(۳) شرح الموطأ: یہ ابنِ رشیق المالکی متوفی ۴۵۶ کی تصنیف ہے۔

(۴) التمهید فی معانی الموطأ والا سانید: یہ شرح حافظ ابوعمرو بن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ کی تالیف ہے۔

(۵) الاستذکار لمذهب علماء الامصار فیما تضمنه الموطأ من معانی الرای والأثار: یہ بھی حافظ عبدالبر کی تصنیف ہے۔

(۶) شرح الموطأ: یہ شرح ابوالولید الباجی سلیمان ابن خلف بن سعد بن ایوب المالکی التوفی ۴۷۱ھ کی تصنیف ہے اور بیس جلدوں پر مشتمل ہے۔

(۷) المقتبس: یہ شرح ابومحمد عبداللہ بن محمد البطیوسی المالکی التوفی ۵۱۱ھ کی تصنیف ہے۔

(۸) المقتبس فی شرح موطأ مالک بن انس: یہ شرح قاضی ابوبکر بن العربی المالکی التوفی ۵۴۳ھ کی تالیف ہے۔اس نام کے دو شخص مشہور ہیں ایک یہ ہیں اور دوسرے محی الدین ابنِ العربی صاحب الولایۃ العظمٰی ہیں۔

(۹) کشف المعطأ: یہ حافظ جلال الدین سیوطی التوفی ۹۱۱ھ کی تصنیف ہے اور کافی ضخیم کتاب ہے۔

(۱۰) تنویر الحوالک: یہ بھی حافظ سیوطی کی تصنیف ہے۔

(۱۱) السعلف المبطأ: یہ کتاب بھی حافظ سیوطی کی تصنیف ہے اس میں انہوں نے رجال کی تحقیق کی ہے۔

(۱۲) شرح موطأ امام مالک: یہ محمد بن عبدالباقی بن یوسف مالکی زرقانی متوفی ۱۱۲۸ھ کی تصنیف ہے' پانچ مجلدات پر مشتمل ہے' مصر سے کئی بار طبع ہو چکی ہے۔

(۱۳) المحلّی باسرار الموطأ: یہ شیخ سلام اللہ دہلوی کی تصنیف ہے جو شیخ عبدالحق دہلوی کی اولاد سے ہیں۔

(۱۴) المسوّٰی: دو جلدوں پر مشتمل ہے' یہ شاہ ولی اللہ متوفی ۱۱۷۶ھ کی تصنیف ہے۔

(۱۵) المصفّٰی: یہ شرح بھی شاہ ولی اللہ کی تصنیف ہے فارسی زبان میں مختصر شرح ہے۔

امام شافعی

امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعی دوسری صدی ہجری کے عظیم امام اور مجتہد تھے۔ امام شافعی کا زمانہ علم اور عرفان کے عروج کا زمانہ تھا۔ ہر طرف علم وحکمت کے دھارے بہہ رہے تھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پہنچائی ہوئی احادیث تابعین کے سینوں میں موجزن تھیں اور ان کے سینوں سے علوم وفنون کے سفینے منتقل ہو رہے تھے۔ امام شافعی کو امام مالک اور امام محمد بن حسن شیبانی جیسے یکتائے روزگار حضرات سے استفادہ کا فخر حاصل ہوا' امام اعظم ابوحنیفہ کی تصانیف کے مطالعہ کا موقعہ ملا اور اخیار تابعین سے روایت کا شرف حاصل ہوا' انہوں نے کتاب وسنت سے مسائل کے استخراج کے لیے اصول اور پیمانے وضع کیے اور فقہ میں بڑا نام پیدا کیا' ان کی شہرت شرق وغرب میں پھیل گئی اور ان کے ماننے والوں میں بڑے بڑے دانائے روزگار پیدا ہوئے۔ چنانچہ محدثین اور مفسرین کی بڑی اکثریت فقہ شافعی سے ہی تعلق رکھتی ہے اور آج انڈونیشیا' ملائشیا' مصر اور دیارِ عرب کے اکثر علاقوں میں آپ کے مقلدین موجود ہیں۔

ولادت وسلسلہ نسب

امام شافعی کو یہ فخر حاصل ہے کہ ان کا سلسلہ نسب رسول اللہ ﷺ سے ملتا ہے۔ حافظ ابونعیم نے ان کا سلسلہ نسب اس طرح ذکر کیا ہے: ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن العباس بن عثمان بن شافع بن السائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن عبدالمطلب بن عبد مناف۔ غزہ یا عسقلان کے مقام پر ۱۵۰ھ میں امام شافعی کی پیدائش ہوئی۔

(حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی' متوفی ۴۳۰ھ' حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۶۷)

عام حالات

دو سال کی عمر میں آپ کی والدہ آپ کو لے کر مکہ مکرمہ آ گئیں اور آپ نے وہیں پرورش پائی اور سن تمیز سے ہی علوم وفنون کی طرف توجہ کرنی شروع کر دی۔ ابتداءً شعر' لغت اور تاریخ

عرب کی طرف توجہ تھی اس کے بعد تجوید وقرأت اور حدیث وفقہ کی تحصیل شروع کی۔ (امام ابو عبداللہ شمس الدین ذہبی' متوفی ۷۴۸ھ' تذکرۃ الحفاظ ج۱ص ۳۶۲) بارہ سال کی عمر تک پہنچنے سے پہلے ''موطأ'' کو حفظ کرلیا اور اس کے بعد امام مالک کی خدمت میں پہنچے اور ان پر ''موطأ'' کی قرأت کی۔ (حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ' حلیۃ الاولیاء ج۹ص ۶۹) امام شافعی نے علوم دینیہ کی طرف اپنے رجحان کا واقعہ خود اس طرح بیان فرمایا ہے کہ میں اشعار سے شغف رکھتا تھا اور عرب بدوؤں سے سماع کرتا تھا۔ ایک دن میں ذوق وشوق سے لبید کے اشعار پڑھ رہا تھا ناگاہ! ایک عجمی نے مجھے نصیحت کی کہ اشعار میں پڑ کر کیوں وقت ضائع کرتے ہو؟ جاؤ جا کر فقہ کا علم حاصل کرو' امام شافعی فرماتے ہیں: میرے دل پر اس کی بات کا بڑا اثر ہوا اور میں نے مکہ جا کر ابن عیینہ سے نوٹ لینے شروع کر دیئے۔ پھر مسلم بن خالد زنجی کی مجلس میں آیا اور اس کے بعد امام مالک بن انس کی خدمت میں پہنچا۔

(حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ' حلیۃ الاولیاء ج۹ص ۶۹)

اساتذہ

امام شافعی کو اپنے زمانہ میں بہترین افاضل اور یگانہ روزگار افاضل سے استفادہ کا شرف حاصل ہوا۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانی نے ان اساتذہ میں مسلم بن خالد زنجی' مالک بن انس' ابراہیم بن سعد' سعید بن سالم القداح' دراوردی' عبدالوہاب ثقفی' ابن علیۃ' ابن عیینہ' ابی نمرہ' حاتم بن اسماعیل' ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ' اسماعیل بن جعفر' محمد بن خالد الجندی' عمر بن محمد بن علی بن شافع' عطاف بن خالد المخزومی اور ہشام ابن یوسف الصنعانی کا ذکر کیا ہے۔

(حافظ ابن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' تہذیب التہذیب ج۹ص ۲۵)

حافظ ذہبی نے ان کے علاوہ محمد بن علی اور عبدالعزیز بن ماجشون کا بھی ذکر کیا ہے۔

(امام ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ' تذکرۃ الحفاظ ج۱ص ۳۶۱)

امام محمد سے تلمذ

یوں تو امام شافعی کے فنِ حدیث اور فقہ میں اساتذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ لیکن جس شخصیت کا رنگ ان میں سب سے زیادہ نظر آتا ہے وہ امامِ اعظم ابوحنیفہ کے شاگرد رشید امام محمد بن حسن شیبانی ہیں۔ علامہ حصکفی تحریر فرماتے ہیں کہ امام محمد کے مشہور تلامذہ میں سے ایک امام

شافعی ہیں۔ امام محمد نے امام شافعی کی والدہ سے شادی کی اور اپنا تمام مال اور کتابیں امام شافعی کے حوالے کر دیں اور امام محمد کی تصانیف کے مطالعہ سے ہی ان میں فقاہت کا ملکہ پیدا ہوا اور امام محمد کے اسی فیضان سے متاثر ہو کر امام شافعی نے کہا: جو شخص فقہ میں نام کمانا چاہتا ہو وہ امام ابوحنیفہ کے اصحاب سے استفادہ کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے استنباط مسائل اور استخراج احکام کی راہیں ان لوگوں پر کشادہ کر دی ہیں۔ نیز فرماتے ہیں کہ قسم بخدا! مجھے فقاہت ہرگز نصیب نہ ہوتی اگر میں امام محمد کی کتب کا مطالعہ نہ کرتا اور نیز امام شافعی فرماتے ہیں:

امن الناس علی فی الفقه محمد بن الحسن.

جس شخص کا فقہ میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان ہے وہ امام محمد بن حسن شیبانی ہیں۔

(حافظ ابوبکر احمد بن علی الخطیب بغدادی' متوفی ۴۶۳ھ' تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۶۶-۱۶۴)

تلامذہ

امام شافعی کے حدیث اور فقہ میں بے شمار شاگرد ہیں۔ جن چند حضرات کا حافظ ابن حجر عسقلانی نے ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں:

سلیمان بن داؤد ہاشمی' ابوبکر عبداللہ بن الزبیر حمیدی' ابراہیم بن منذر رجزامی' ابوثور ابراہیم بن خالد' احمد بن حنبل' ابویعقوب یوسف بن یحییٰ مزنی' ربیع ابن سلیمان مرادی' ربیع بن سلیمان جنیدی' عمرو بن سواد عامری' حسن بن محمد بن صباح' زعفرانی' ابوالولید موسیٰ بن جارود مکی' یونس بن عبداللہ اور ابو یحییٰ محمد بن سعید بن غالب عطار۔

(حافظ ابن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۲۵)

شمائل وخصائل

امام شافعی طبعاً فیاض تھے۔ اپنی ضرورت پر دوسروں کی ضروریات کو ترجیح دیا کرتے تھے' بے حد غیور اور خوددار تھے' اہل جاہ وحشم اور ارباب ثروت واقتدار سے کبھی کسی چیز کی طمع اور توقع نہ رکھتے' اس کے ساتھ ساتھ بے حد خلیق اور بامروت تھے۔ اگر کوئی شخص کبھی محبت اور عقیدت سے کوئی نذرانہ پیش کرتا تو اس کو رد نہیں کرتے تھے' تاہم فیاضی طبع کی بناء پر اس کو پاس رکھتے بھی نہیں تھے۔ بارہا ایسا ہوا کہ خلیفہ ہارون الرشید کی دعوت میں دربار پر گئے' اس نے اشرفیوں

کی تھیلیاں نذر کیں اور آپ واپسی میں دونوں ہاتھوں سے ان اشرفیوں کو تقسیم کرتے ہوئے چلے گئے۔ یہاں تک کہ جب گھر پہنچتے تو آپ کے پاس اس نذرانے میں سے ایک درہم بھی نہیں رہتا تھا۔

حمیدی روایت کرتے تھے کہ امام شافعی جب صنعاء سے مکہ مکرمہ میں آئے تو آپ کے پاس دس ہزار دینار تھے۔ آپ نے ایک جگہ خیمہ نصب کر کے قیام فرمایا' لوگوں کو پتہ چلا تو مختلف اطراف سے بے شمار لوگ ملاقات کے لیے حاضر ہوئے جن میں بہت سے لوگ ضرورت مند بھی تھے۔ حمیدی کہتے ہیں کہ جب آپ لوگوں کی ملاقات سے فارغ ہوئے آپ کے پاس ایک دینار بھی باقی نہیں رہا تھا۔

(حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی' متوفی ۴۳۰ھ حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۱۳۰)

ربیع کہتے ہیں کہ ایک روز امام شافعی کے پاس صرف ایک دینار تھا' ان کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اپنی ضرورت بیان کی' آپ نے وہ دینار اٹھا کر اسے دے دیا۔ حاضرینِ مجلس میں سے کسی نے کہا: آپ اس شخص کو ایک یا دو درہم دے دیتے اور باقی اپنی ضروریات کے لیے رکھ لیتے۔ فرمایا: مجھ سے کوئی شخص ایسی کسی چیز کا سوال کرے جو میرے پاس ہو اور میں اس کو نہ دوں مجھے اس سے شرم آتی ہے۔

(حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی' متوفی ۴۳۰ھ حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۱۳۰)

مزنی کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی سے بڑھ کر کوئی فیاض شخص نہیں دیکھا' ایک شب میں ان کے ساتھ مسجد سے ان کے گھر تک آیا۔ میں کسی شرعی مسئلہ میں ان سے گفتگو کر رہا تھا اتنے میں ایک غلام آیا اور کہنے لگا: میرے آقا نے آپ کو سلام کہا ہے اور یہ تھیلی نذر کی ہے۔ آپ نے وہ تھیلی رکھ لی تھوڑی دیر بعد ایک شخص آیا اور اس نے کہا: میری بیوی کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے اور ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ آپ نے وہ تھیلی اٹھا کر اسے دے دی۔

(حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی' متوفی ۴۳۰ھ حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۱۳۲)

یحییٰ بن علی امام شافعی سے روایت کرتے ہیں' آپ فرماتے تھے کہ کرم اور سخاوت انسان کے دنیا اور آخرت میں عیوب کی پردہ پوشی کرتے ہیں الا یہ کہ **العیاذ باللہ** وہ کسی گمراہی کا شکار ہو جائے۔ (حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی' متوفی ۴۳۰ھ حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۱۳۴ تا ۱۳۵)

زہد وتقویٰ

امام شافعی رضی اللہ عنہ علمی وجاہت اور فقہی متانت کے باوجود عبادت وریاضت اور زہد و تقویٰ میں قدم راسخ رکھتے تھے۔ تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں ان کی عبادت کے جو واقعات بیان کیے گئے ہیں' ان میں سے ہر واقعہ اپنی جگہ ایک خرق عادت اور مستقل کرامت معلوم ہوتا ہے۔

ربیع ابن سلیمان کہتے ہیں کہ امام شافعی رمضان کے نوافل میں ساٹھ مرتبہ ''قرآن کریم'' ختم کرتے تھے۔ عام ایام میں وہ رات کے تین حصے کرتے' پہلے حصہ میں تصنیف وتالیف کا کام کرتے اور دوسرے میں نوافل پڑھتے اور تیسرے حصہ میں نیند کیا کرتے تھے۔ (حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی' متوفی ۴۳۰ھ حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۱۳۴) ابراہیم بن محمد کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی سے عمدہ کسی شخص کو نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ وہ کہتے ہیں: ان کی نماز مسلم بن خالد کی نماز کے مشابہ تھی اور ان کی نماز مسلم بن جریج کی نماز کے مماثل تھی اور مسلم بن جریج کی نماز عطاء کی نماز سے اور عطاء کی نماز عبداللہ بن زبیر سے اور عبداللہ بن زبیر کی نماز ابوبکر صدیق سے اور ابوبکر صدیق کی نماز رسول اللہ ﷺ کی نماز سے اور رسول اللہ ﷺ کی نماز جبریل امین کی نماز سے مشابہ تھی۔ (حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی' متوفی ۴۳۰ھ حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۱۳۵)

ایک مرتبہ کوئی شخص ''قرآن کریم'' کی یہ آیت تلاوت کر رہا تھا: ''**هذا يوم لا ينطقون ولا يؤذن لهم فيعتذرون**'' اس آیت کو سنتے ہی امام شافعی کے چہرہ کا رنگ متغیر ہوگیا' جسم پر لرزہ طاری ہوا اور خوفِ الٰہی کی شدت سے ہوش وحواس جاتے رہے اور وہیں سر بسجود ہوکر گر پڑے جب ہوش آیا تو کہنے لگے:

''**اللهم انى اعوذبك من مقام الكذابين ومن اعراض الجاهلين هب لى من رحمتك وجللنى بسترك واعف عنى بكرمك ولا تكلنى الى غيرك ولا تقنطنى من خيرك**''. (مرقاۃ ج ۱ ص ۲۱)

کلمات الثناء

امام شافعی رضی اللہ عنہ کی علمی خدمات اور عبادت وریاضت میں ان کی جلالت شان کے پیشِ نظر ان کے معاصرین اور متاخرین بزرگوں نے ان کی خدمت میں فراخ دلی سے خراجِ

تحسین پیش کیا ہے۔

حضور ﷺ کی ایک حدیث ہے۔

اللھم اھد قریشا فان عالمھا یملأ طبق الارض. — اے اللہ! قریش کو ہدایت دے بلاریب قریش کا ایک عالم تمام روئے زمین کو علم سے بھر دے گا۔

حافظ ابونعیم لکھتے ہیں: کہ اس حدیث میں جس قریش کے عالم کی پیش گوئی کی گئی ہے اس کا مصداق امام ابوعبداللہ شافعی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آج دنیا کے اکثر علاقوں میں فقہ شافعی پڑھائی جاتی ہے۔ امام شافعی کے اجتہاد و استنباط سے علم و حکمت کے جو چشمے پھوٹے تھے' ان کی فیض آفرینیوں سے آج پوری امت سیراب ہو رہی ہے' مسلک شافعی نے لاتعداد محدث' فقیہ اور مفسر پیدا کیے جن کی علمی تحقیقات اور نظری کاوشوں سے بلاامتیاز مسلک تمام ملتِ اسلامیہ استفادہ کر رہی ہے۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: تیس سال سے میری کوئی رات ایسی نہیں گزری جس رات میں مَیں امام شافعیؒ کے لیے دعا نہ کرتا ہوں۔ زعفرانی کہتے ہیں: جس طرح علماء یہود میں عبداللہ بن سلام منفرد تھے اسی طرح علماءِ اسلام میں امام شافعی ممتاز ہیں۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل کو امام شافعی سے زیادہ کسی اور شخص کی طرف مائل ہوتے نہیں دیکھا۔ ابوعبید کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی سے زیادہ کسی کو عقل والا نہیں پایا۔ اور ابوثور کہتے ہیں کہ جو شخص یہ کہے کہ میں نے فصاحت بیان اور علم و فضل میں امام شافعی سے بڑھ کر کسی شخص کو دیکھا ہے وہ اپنے قول میں جھوٹا ہے۔ (حافظ ابنِ حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۲۶ تا ۲۸)

پند و نصائح

امام شافعی کے نصیحت آمیز اقوال اور حکمت سے لبریز کلام کو بھی تذکرہ نویسوں نے جمع کیا ہے جس سے لوگوں کے لیے امام شافعی کی خیر خواہی کے جذبات کا پتہ چلتا ہے۔ امام شافعی طلباء کے بارے میں فرماتے ہیں کہ علم کی طلب کرنا نفلی نماز سے بہتر ہے اور جو شخص دنیا اور آخرت کی سعادت چاہتا ہو وہ علم اور اس کے مقتضی پر عمل کو لازم کرے۔ نیز فرمایا: جو شخص اپنی عزت اور وجاہت کو قائم رکھ کر انا نیت سے علم حاصل کرنا چاہے وہ کبھی فلاح نہیں پا سکتا۔

اور جو عجز وانکساری سے علم حاصل کرے وہ کامیاب ہو جاتا ہے۔ علماء کے بارے میں فرماتے ہیں: علماء کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی عیب نہیں کہ وہ دنیا میں رغبت اور آخرت سے زہد کریں۔ فرمایا: علماء کا فقر اختیاری اور جہال کا فقر اضطراری ہوتا ہے۔ نیز فرمایا: جو شخص اپنے احباب کو تنہائی میں نصیحت کرتا ہے وہ اس کی خیر خواہی کرتا ہے۔ اور جو لوگوں کے سامنے اس کو نصیحت کرتا ہے وہ اس کو رسوا کرتا ہے اور فرمایا: تواضع بلند کردار لوگوں کی صفت ہے اور تکبر بدخلق لوگوں کا طریقہ ہے۔ آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ علماء اللہ تعالیٰ کے اولیا نہیں ہوتے تو پھر کوئی شخص اللہ کا ولی نہیں کیونکہ وہ جاہلوں کو اپنا دوست نہیں بناتا۔

(ملا علی قاری ہروی' متوفی ۱۰۱۴ھ' مرقاۃ ج ۱ ص ۲۱)

تصنیف وتالیف

امام شافعی کی زندگی کا اکثر حصہ درس وتدریس' علمی مباحث' مسائل کے استنباط اور افتاء وغیرہ کی مصروفیت میں گزرا۔ اس کے باوجود انہوں نے مختلف موضوعات پر تصنیف وتالیف کی گراں قدر خدمات بھی انجام دی ہیں۔

ابو ثور اپنے عم محترم سے روایت کرتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن مہدی نے امام شافعی کی خدمت میں لکھا کہ وہ ان کے لیے ایک ایسی کتاب لکھ دیں جس میں ''قرآن'' کے معانی معتبر احادیث اور اس کے ساتھ ساتھ اجماع اور ناسخ ومنسوخ کا بھی بیان ہو۔ ان کی فرمائش پر امام شافعی نے اپنے عنفوان شباب میں ''کتاب الرسالۃ'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جو مذکورہ بالا تمام مقاصد پر مشتمل تھی۔ (حافظ ابن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۲۷)

مزنی بیان کرتے ہیں کہ امام شافعی کو شہ سواری اور تیر اندازی میں زبردست مہارت حاصل تھی اور انہوں نے اس موضوع پر سب سے پہلے ''کتاب السبق الرمی'' کے نام سے ایک کتاب پیش کی۔ (حافظ ابن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۱)

فنِ حدیث میں امام شافعی کی روایات کو ''کتاب الام'' اور ''کتاب المبسوط'' میں ان کے تلامذہ نے جمع کیا ہے۔ لیکن جو کتاب امام شافعی کی روایات کی جامع ہے وہ ''مسند شافعی'' ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اس کے بارے میں لکھتے ہیں: ''مسند امام شافعی'' ان احادیث مرفوعہ کا مجموعہ ہے جنہیں خود امام شافعی رضی اللہ عنہ اپنے شاگردوں کے سامنے بہ مع

سند بیان کرتے تھے۔ امام شافعی کی بعض روایات کا ابوالعباس محمد بن یعقوب الاصم نے ربیع بن سلیمان مرادی سے سماع کر کے ان کو ''کتاب الام'' اور ''مبسوط'' کے ضمن میں جمع کر دیا تھا۔ ابوالعباس اصم نے ان تمام روایات کو ایک جگہ جمع کر کے مجموعہ کا نام ''مسند شافعی'' رکھ دیا ہے۔ ربیع بن سلیمان نے ان تمام احادیث کا امام شافعی سے بلاواسطہ سماع کیا ہے۔ البتہ جزء اوّل کی چار حدیثوں کو انہوں نے بویطی کے واسطہ سے روایت کیا ہے۔ جامع اور ملتقط کی احادیث کو ابو جعفر عمر بن مطر نیشاپوری نے ابواب ''ام'' اور ''مبسوط'' سے انتخاب کر کے جمع کیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان احادیث کو بھی ابوالعباس اصم نے جمع کیا ہے اور محمد بن مطر صرف کاتب تھے۔

''مسند امام شافعی'' اگرچہ ''مسند'' کے نام سے مشہور ہے لیکن اس کی ترتیب نہ مسانید کے اعتبار سے ہے اور نہ ابواب کے لحاظ سے بلکہ اس میں ''کیف ما تفق'' احادیث کو جمع کر دیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے اس مجموعہ میں احادیث کا تکرار بہت زیادہ ہے۔

(شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی' متوفی ۱۲۲۹ھ' بستان المحدثین ص ۷۹)

وصال

امام شافعی پوری زندگی ملت اسلامیہ کی خدمت کرتے رہے۔ انہوں نے اپنی زندگی کی ۵۴ بہاریں چمنِ اسلام کے نکھار میں گزار دیں اور ماہِ رجب کی آخری تاریخ کو جمعہ کی شب مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد ۲۰۴ھ میں خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ کا مزار مبارک ''مصر'' کے شہر ''قرافۃ'' میں ہے۔

مزنی بیان کرتے ہیں کہ امام شافعی جب مرضِ موت میں مبتلا تھے میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے پوچھا: حضور! کیا حال ہے؟ فرمایا: دنیا سے کوچ اور احباب سے جدائی کا وقت ہے' موت کا پیالہ پیش ہوا چاہتا ہے اور نتیجہ اعمال نکلنے والا ہے' عنقریب اللہ کے دربار میں حاضری ہوگی۔ کون جانے کہ میری روح جنت کی طرف روانہ ہوگی جس پر میں اس کو مبارک باد دوں یا نار کی طرف جس پر میں اس سے تعزیت کروں۔ پھر آپ پر گریہ طاری ہو گیا اور آپ وجد کی حالت میں بار بار یہ شعر پڑھتے رہے:

تعاظمنی ذنبی فلما قرنتہ بعفوک ربی کان عفوک اعظما

(ملا علی قاری ہروی متوفی ۱۰۱۴ھ مرقاۃ المفاتیح ج ۱ ص ۲۱)

"میرے گناہ بہت بڑے بڑے ہیں لیکن میں تیری رحمت کی طرف نظر کرتا ہوں تو وہ میرے گناہوں کی نسبت کہیں زیادہ معلوم ہوتی ہے"۔

امام احمد بن حنبل

حدیث اور فقہ کے امام، عابد و زاہد، اقلیمِ ابتلاء کے شہنشاہ، حرمتِ قرآن کے پاسبان یہ ہیں، وہ عظیم شخصیت جنہیں دنیا امام احمد بن حنبل کے نام سے پکارتی ہے۔ علمِ حدیث میں ان کا بڑا فیضان ہے۔ بخاری، مسلم اور ابوداؤد جیسے ائمہ حدیث ان کے شاگرد تھے۔ یزید بن ہارون ان کی تعظیم کرتے تھے۔ امام شافعی اور امام عبدالرزاق ان کے علم و فضل پر تحسین اور ان کے عزم و استقلال پر آفرین کہتے تھے۔ عباس عنبری نے کہا: وہ حجت ہیں۔ ابنِ مدینی نے کہا: وہ احفظ ہیں اور قتیبہ نے کہا: وہ دنیائے علم کے امام ہیں۔

ولادت اور نام و نسب

آپ کا پورا نام اس طرح ہے: امام ابوعبداللہ احمد بن حنبل بن ہلال بن اسد اللہ الذہلی الشیبانی المروزی البغدادی۔

آپ ماہ ربیع الاول ۱۶۴ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے۔

(امام ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ، تذکرۃ الحفاظ ج ۲ص ۴۳۱)

ابتدائی حالات

ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ نے فنِ حدیث کی طرف توجہ کی اور پندرہ سال کی عمر میں احادیث کا سماع کرنے کے لیے ۱۷۹ھ میں سب سے پہلے بغداد کے مشہور شیخ ہیثم کی خدمت میں چلے گئے۔ اسی سال عبداللہ بن مبارک "بغداد" میں تشریف لائے۔ امام احمد کو اس کا علم ہوا تو ان کی مجلس میں پہنچے معلوم ہوا کہ وہ "طرطوس" چلے گئے اور دو سال بعد ان کا وہیں انتقال ہو گیا۔ (حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی، متوفی ۴۳۰ھ حلیۃ الاولیاء ج ۹ص ۱۶۲)

ہیثم کی وفات کے بعد امام احمد نے بغداد کے علاوہ دوسرے شہروں کا رُخ کیا اور مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، کوفہ، بصرہ، شام، یمن اور جزیرہ کے مشائخِ وقت سے سماعِ حدیث کیا۔

(ملا علی قاری ہروی، متوفی ۱۰۱۴ھ، مرقات ج ۱ص ۲۲)

اساتذہ

حافظ ابنِ حجر عسقلانی نے امام بن حنبل کے جن اساتذہ کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں: بشر بن مفضل' اسماعیل بن علیہ' سفیان بن عیینہ' جریر بن عبدالمجید' یحییٰ بن سعید القطان' ابوداؤد طیالسی' عبداللہ بن نمیر' عبدالرزاق' علی بن عیاش حمصی' امام شافعی معتمر بن سلیمان۔

(حافظ ابن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۷۲)

اور علامہ ذہبی نے ان کے علاوہ ہیثم' ابراہیم بن سعد' عبادہ بن عباد اور یحییٰ بن ابی زائرہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ (امام ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی' متوفی ۷۴۸ھ' تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۴۳۱)

تلامذہ

امام احمد بن حنبل کو درس وتدریس میں کئی بار مشکلات اٹھانی پڑیں۔ مامون رشید کے عہد میں جبراً آپ کو افتاء اور تدریس سے روک دیا گیا۔ لیکن کسی دور میں بھی قید و بند کی صعوبتیں اور جبر واستبداد کی زنجیریں میدانِ تدریس میں آپ کا راستہ نہ روک سکیں اور علمِ حدیث میں آپ کا فیضان سیلِ رواں کی مانند بڑھتا چلا گیا۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانی آپ کے تلامذہ کی فہرست میں ان مشہور زمانہ محدثین کا ذکر کرتے ہیں: امام بخاری' امام مسلم' امام ابوداؤد' اسود بن عامر' شاذان اور ابن مہدی۔ امام احمد کے اساتذہ میں سے امام شافعی' ابوالولید' عبدالرزاق' وکیع' یحییٰ بن آدم اور یزید بن ہارون سے آپ نے سماع کیا۔ اور آپ کے زمانہ کے اکابرین میں سے قتیبہ' داؤد بن عمرو' خلف بن ہشام نے آپ سے سماع کیا ہے اور معاصرین میں سے احمد بن ابی حواری' یحییٰ بن معین' علی بن مدینی' حسین بن منصور' زیاد بن ایوب' رحیم' ابوقدامہ سرخسی' محمد بن رافع اور محمد بن یحییٰ بن ابی سمینہ نے آپ سے سماع حدیث کیا اور عام تلامذہ میں سے آپ کے دو صاحبزادے عبداللہ اور صالح اور ان کے علاوہ ابوبکر اثرم' حرب کرمانی' بقی بن مخلد' حنبل بن اسحاق' شاہین بن سمیدع میمونی اور ان کے علاوہ بے شمار لوگوں نے سماع کیا۔

(حافظ ابن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۷۲)

کلمات الثناء

امام احمد بن حنبل کے علم وفضل' زہد وتقویٰ اور ابتلاء اور امتحان میں ان کی استقامت پر

ان کے زمانہ کے اکابر' معاصرین اور معتقدین نے بے پناہ خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ حافظ ابونعیم نے ان تمام کلمات کو اپنی مکمل سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ہم ان میں سے بعض کلمات کو حذف اسانید کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔

امام ابوداؤد سجستانی فرماتے ہیں: میں نے دو سو ماہرین علم سے استفادہ کیا۔ لیکن ان میں امام احمد بن حنبل کی مثل کوئی نہ تھا' وہ کبھی عام دنیاوی کلام نہیں کرتے تھے' جب گفتگو کرتے تو موضوعِ سخن کوئی علمی مسئلہ ہوتا۔ اسی طرح حافظ ابوزرعہ بھی کہتے تھے کہ امام احمد علم وفن میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ (حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ' متوفی ۴۳۰ھ' حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۱۶۴)

سعید بن خلیل کہتے تھے کہ اگر امام احمد بن حنبل بنی اسرائیل میں ہوتے تو بلاشبہ ایک معجزہ کہلاتے اور ابوالعباس احمد بن ابراہیم کہتے تھے کہ جس طرح حضرت ابوبکر صدیق کے بعد کے تمام مسلمانوں کی نیکیاں حضرت ابوبکر کے میزان میں ہیں' اسی طرح امام احمد بن حنبل کے بعد کے تمام لوگوں کا علم وعمل امام احمد کے میزان میں ہے۔

(حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ' متوفی ۴۳۰ھ' حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۱۶۶)

قتیبہ بن سعید کہتے تھے کہ اگر امام احمد بن حنبل' امام مالک' سفیان ثوری اور اوزاعی کے زمانہ میں ہوتے تو علم وفضل میں ان پر مقدم ہوتے۔ نیز وہ کہتے تھے: اگر امام احمد نہ ہوتے تو دنیا سے تقویٰ اٹھ جاتا۔ (حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ' متوفی ۴۳۰ھ' حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۱۶۸)

اور اسحاق بن راہویہ کہتے تھے کہ اگر اسلام کی خاطر امام احمد بن حنبل کی قربانیاں نہ ہوتیں تو آج ہمارے سینوں میں اسلام نہ ہوتا۔

(حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ' متوفی ۴۳۰ھ' حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۱۷۱)

ابوعبداللہ سجستانی بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ خواب میں حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا' پوچھا: حضور! اس زمانہ میں ہم کس کی اقتداء کریں؟ فرمایا: احمد بن حنبل کی۔

(حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ' متوفی ۴۳۰ھ' حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۱۹۳)

زہد وتقویٰ

امام احمد بن حنبل فقر وفاقہ میں استغناء کی شان رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ کھانے کے لیے کچھ نہ تھا۔ مجبور ہو کر اپنی نعلین گروی رکھ کر روٹیاں خریدیں۔ امام عبدالرزاق کو پتہ چلا تو انہوں

نے آپ کو رقم مہیا کی۔ لیکن آپ کے غیور ضمیر نے ان سے کچھ لینا گوارا نہیں کیا اور خود محنت و مشقت کر کے اپنی ضروریات پوری کی۔

(حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ متوفی ۴۳۰ھ حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۱۷۵)

حسن بن عبدالعزیز کو ایک لاکھ دینار وراثت سے ملے اس نے ان میں سے تین ہزار دینار آپ کی خدمت میں پیش کیے اور عرض کیا کہ یہ مال حلال ہے آپ اس سے فائدہ اٹھائیں اور اپنے عیال پر خرچ کریں۔ لیکن آپ نے یہ کہہ کر وہ دینار واپس کر دیئے کہ مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔ (حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ متوفی ۴۳۰ھ حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۱۷۵)

علمی اور نظری مصروفیات کے باوجود امام احمد عبادات میں قدم راسخ رکھتے تھے۔ عبداللہ بن احمد بن حنبل بیان کرتے ہیں کہ آپ دن اور رات میں تین سو نوافل پڑھا کرتے تھے اور جب آپ کی عمر چھپن سال کو پہنچی تو آپ ''مسئلہ خلقِ قرآن'' کے امتحان میں مبتلا ہو گئے۔ آپ کے جسم پر کوڑے مارے جاتے تھے۔ لیکن آپ اس حال میں بھی روزانہ ڈیڑھ سو نوافل پڑھا کرتے تھے۔ (حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ متوفی ۴۳۰ھ حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۱۷۱)

عبداللہ بن احمد یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ آپ راتوں کو نوافل میں ''قرآن'' پڑھا کرتے تھے اور سات راتوں میں ایک ''قرآن مجید'' ختم کر لیتے تھے۔ نیز وہ بیان کرتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو امام احمد بن حنبل کی تلاش ہوتی تو وہ یا اس کو مسجد میں ملتے یا نمازِ جنازہ میں یا کسی مریض کے ہاں عیادت میں۔ (حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ متوفی ۴۳۰ھ حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۱۷۴)

محبتِ رسول

حضور ﷺ کی محبت جزوِ ایمان ہے اگر کسی انسان کا دل حضور کی نفسِ محبت سے خالی ہو تو اس میں نفسِ ایمان نہیں ہوتا۔ اور اگر کمال محبت سے خالی ہو تو اس میں کامل ایمان نہیں ہوتا۔

امام احمد بن حنبل کا دل محبتِ رسول سے معمور اور دماغ خوشبوئے رسالت سے مہکتا رہتا تھا۔ عبداللہ بن احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ امام احمد کے پاس حضور ﷺ کا ایک موئے مبارک تھا وہ اس مقدس بال کو اپنے ہونٹوں پر رکھ کر بوسہ دیتے، کبھی آنکھوں سے لگاتے اور جب کبھی بیمار ہوتے تو اس بال کو پانی میں ڈال کر اس کا غسالہ پیتے اور شفاء حاصل کرتے۔

(حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ متوفی ۴۳۰ھ حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۱۸۳)

تواضع

امام احمد بارگاہِ الٰہی میں مقبول اور بے حد مستجاب الدعوات تھے۔لوگ کثرت کے ساتھ ان کی خدمت میں دعا کے لیے حاضر ہوتے۔لیکن وہ خوش اسلوبی سے ان کو ٹال دیا کرتے۔

علی بن ابی حرارۃ بیان کرتے ہیں کہ ان کی ماں اپاہج تھی' چل نہیں سکتی تھی۔ وہ دعا کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دروازہ کھٹکھٹایا' پوچھا: کون ہے؟ بتایا: میں فلاں ہوں۔ پوچھا: کیا کام ہے؟ بتلایا کہ میری ماں اپاہج ہے' ہر وقت بیٹھی رہتی ہے' چلنے پھرنے سے معذور ہے اس کے لیے دعا کیجئے' آپ یہ سن کر ناراض ہوئے اور فرمایا: تمہاری ماں سے زیادہ ہم خود دعا کے محتاج ہیں ان سے کہو وہ خود ہمارے لیے دعا کریں۔ جب علی واپس گھر پہنچے تو دیکھا کہ ان کی والدہ گھر میں ٹھیک ٹھاک چل پھر رہی تھیں۔

(حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ' متوفی ۴۳۰ھ' حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۱۷۱)

امام احمد اور فتنہ خلق القرآن

۲۱۲ھ' ائمہ مسلمین اور مقتدایانِ قوم کے لیے انتہائی صبر آزما سال تھا۔ اسی سال عباسی خلفاء کے ایک خلیفہ مامون رشید نے ''خلقِ قرآن'' کے مکروہ عقیدہ کا اظہار کیا اور علماء معتزلہ کی معاونت سے اس عقیدہ کو پھیلاتا رہا۔ ۲۱۷ھ میں اس نے بغداد میں اپنے نائب اسحاق بن ابراہیم معتزلی کو لکھا کہ اللہ تعالیٰ ''قرآن'' میں فرماتا ہے: ''انا جعلناہ قرانا عربیا'' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ''قرآن'' کو مجعول قرار دیا اور جو مجعول ہو وہ مخلوق ہے۔ لہٰذا جو شخص قدم قرآن کا عقیدہ رکھتا ہے اس کا عقیدہ ''قرآن مجید'' کی نص صریح کا انکار ہے' تم بغداد کے تمام علماء اور مقتدر لوگوں کو جمع کرو اور ان پر یہ عقیدہ پیش کرو۔ جو مان لے اس کو امان دو اور جو نہ مانے ان کے جوابات لکھ کر مجھے بھیج دو۔ بہت سے سرکردہ لوگ اس فتنہ میں مبتلا ہو گئے اور کتنے ہی لوگوں نے جان بچانے کی خاطر ''خلقِ قرآن'' کا عقیدہ قبول کر لیا۔ امام احمد حنبل سے جب پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: میں اس کے سوا اور کچھ نہیں کہتا کہ ''قرآن'' اللہ کا کلام ہے۔ قاضی اسحاق بن ابراہیم نے یہ جواب مامون رشید کو لکھ بھیجا۔ مامون رشید نے جواب میں لکھا: جو شخص ''عقیدۂ خلق قرآن'' سے موافقت نہ کرے اس کو درس اور افتاء سے روک دو۔

کچھ عرصہ بعد مامون رشید نے قاضی بغداد کو لکھا جو لوگ ''عقیدہ خلقِ قرآن'' سے

موافقت نہ کریں ان کو قید کر کے فوج کے حوالے کر دو۔ اگر ''خلق قرآن'' کا اقرار کر لیں تو ٹھیک ورنہ ان کو قتل کر دیا جائے۔ اس دھمکی سے مرعوب ہو کر احمد بن حنبل' محمد بن نوح اور قواریری کے سوا بغداد کے تمام علماء نے ''خلقِ قرآن'' کا اقرار کر لیا۔ قاضی کے حکم سے امام احمد وغیرہ کو قید کر کے مامون کی طرف بھجوا دیا گیا۔ لیکن اس سے پہلے کہ مامون ان مردانِ خدا پر تلوار اٹھاتا' سیفِ قضاء نے خود اس کا کام تمام کر دیا۔

(حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ تاریخ الخلفاء ۲۳۶ تا ۲۴۰)

امام احمد کے شاگرد احمد بن غسان کہتے ہیں کہ خلیفہ کے حکم پر مجھے اور امام احمد بن حنبل کو گرفتار کر کے اس کے پاس لے جایا جا رہا تھا راستہ میں امام احمد بن حنبل کو یہ خبر پہنچی کہ خلیفہ مامون رشید نے قسم کھائی ہے کہ اگر احمد بن حنبل نے ''خلق قرآن'' کا قول نہ کیا تو وہ ان کو اور ان کے شاگرد کو مار مار کر ہلاک کر دے گا۔ اس وقت امام احمد نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا: ''اے اللہ! آج اس فاجر کو یہاں تک جرأت ہو گئی ہے کہ یہ تیرے اولیاء کو للکارتا ہے۔ اگر تیرا قرآن غیر مخلوق ہے تو تُو ہم سے اس مشقت کو دُور فرما''۔ ابھی رات کا ایک تہائی حصہ گزرا تھا کہ سپاہی دوڑتے ہوئے آئے اور کہا: اے ابوعبداللہ! تم واقعی سچے ہو اور ''قرآن'' غیر مخلوق ہے قسم بخدا! خلیفہ ہلاک ہو گیا۔ (حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ' متوفی ۴۳۰ھ حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۱۹۵)

۲۱۸ھ میں مامون رشید ہلاک ہوا اور اس کا بھائی معتصم باللہ بن ہارون رشید تختِ حکومت پر قابض ہوا۔ مامون کی طرح معتصم بھی اعتزال کا حامی تھا' اس نے حکومت سنبھالنے کے بعد عقیدہ اعتزال کی ترویج شروع کی۔ پہلے مختلف حیلوں سے امام احمد کو اعتزال کی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ بالآخر ۲۲۰ھ میں اس نے امام احمد بن حنبل کو دربارِ خلافت میں طلب کیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب امام احمد کی عمر ۵۶ سال کی ہو چکی تھی' شباب رخصت ہو چکا تھا اور ان کا جسم بڑھاپے کی سرحد میں داخل اور نحیف و نزار تھا۔ لیکن اعصاب فولاد کی طرح مضبوط اور قوت ارادی چٹان سے کہیں زیادہ راسخ تھی۔

خلیفہ کے سامنے ایک طویل مناظرہ ہوا۔ امام احمد کا بنیادی نکتہ یہ تھا کہ قرآن کلام اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اگر یہ حادث ہو تو اللہ تعالیٰ کی ذات محلِ حوادث بن جائے گی اور یہ

محال ہے۔ خلیفہ سے امام احمد کی اس دلیل کا کوئی جواب نہ بن سکا۔ بالآخر معتزلی قاضی اور اس کے حواری معتزلی علماء نے کہا کہ ہم فتویٰ دیتے ہیں کہ اس شخص کا خون آپ پر مباح ہے۔ آپ اس کو قتل کر دیں' خلیفہ نے جلاد کو بلایا اور اس سے کہا کہ احمد بن حنبل کے جسم پر کوڑے مارو۔ ایک جلاد جب کوڑے مارتے مارتے شل ہو جاتا تو دوسرا جلاد آ جاتا اس طرح بار بار جلاد بدلتے رہے اور امام احمد حنبل صبر و استقامت سے کوڑے کھاتے رہے۔

آپ کی تصانیف

امام احمد بن حنبل کی مشہور و معروف تالیف آپ کی ''مسند'' ہے جس کو آپ نے بیاض کی صورت میں جمع فرمایا تھا اور اس کی باقاعدہ ترتیب کے لیے آپ کو مہلت نہ ملی۔ آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ اور اس ''مسند احمد'' کے راوی حضرت ابوبکر قطیعی نے اس میں کچھ زیادات کیے اور پھر اس کی ترتیب کی خدمت حضرت عبداللہ مذکور نے سرانجام دی۔ یہ ''مسند'' اٹھارہ مسندوں کا مجموعہ ہے جس میں کل چالیس ہزار اور بہ حذف مکرر تیس ہزار احادیث ہیں جن کو امام احمد نے ساڑھے سات لاکھ اور بہ قول حضرت ابوزرعہ دس لاکھ احادیث سے منتخب فرمایا۔ کیونکہ امام احمد ایک عظیم حافظ الحدیث تھے جن کو دس لاکھ تک احادیث زبانی یاد تھیں۔ (جدید نمبرنگ کے مطابق ''مسند احمد'' (مطبوعہ عالم الکتب) میں: ۲۸۱۹۹ (مطبوعہ دارالحدیث' قاہرہ) میں ۲۷۵۱۹ (مطبوعہ دارالکتب العلمیہ) میں: ۲۷۷۱۶ احادیث ہیں)

اس مسند کے متعلق امام احمد نے خود فرمایا ہے کہ اس کتاب کو معیار اور مرجع قرار دیا جائے اور جو حدیث اس میں نہ ہو اس کو غیر معتبر سمجھا جائے۔ آپ کے اس ارشاد کی تشریح شاہ عبدالعزیز صاحب نے ''بستان المحدثین'' میں یوں فرمائی ہے کہ ان (غیر معتبر احادیث) سے وہ احادیث مراد ہیں جو شہرت یا متواتر المعنی کے درجہ کو نہ پہنچی ہوں ورنہ ایسی بہت سی احادیث صحیحہ مشہور ہیں جو اس مسند میں نہیں ہیں۔ امام احمد بن حنبل کی اس ''مسند'' کو بعض محدثین اصفحان نے فقہی ابواب پر بھی مرتب فرمایا مگر افسوس کہ وہ شائع نہ ہو سکا۔ البتہ اب مصر سے ''الفتح الربانی'' کے نام سے فقہی ابواب اور حواشی کے ساتھ غالباً چوبیس جلدوں میں ہے' شائع ہو چکا ہے۔

آپ کی دیگر تصانیف یہ ہیں: کتاب الزہد' الناسخ والمنسوخ' المنسلک الکبیر' المنسلک الصغیر' حدیث شعبہ' فضائل الصحابہ' مناقب الصدیق والحسنین' التاریخ' کتاب الاشربہ کے علاوہ

ایک مبسوط تفسیر بھی آپ نے تالیف فرمائی ہے۔

وصال

فتنہ قرآن میں مبتلا ہونے کے بعد اکیس سال امام احمد زندہ رہے اور خلق خدا کو فیض پہنچاتے رہے۔ کوڑے کھانے سے جو اذیت اور تکلیف آپ کو پہنچی تھی وہ آخر عمر تک باقی رہی۔ لیکن آپ پھر بھی عبادت و ریاضت پر مستقیم اور درس و تدریس میں ہمہ تن معروف رہے۔ بالآخر ۷۷ سال کی عمر گزار کر معتصم باللہ کے بیٹے واثق باللہ کے عہد میں ۲۴۱ھ میں آپ نے جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ (ملا علی قاری ہروی متوفی ۱۰۱۴ھ مرقات ج ۱ ص ۲۲)

بشارات

امام احمد بن حنبل نے جس طرح خدمتِ دین انجام دی اور امتحان میں صبر و استقامت سے کام لیا اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں بے حد انعام و اکرام سے نوازا، حشیش بن ورد کہتے ہیں کہ مَیں خواب میں حضور اکرم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا، میں نے پوچھا: حضور! احمد بن حنبل کا کیا حال ہے؟ فرمایا: عنقریب حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لاتے ہیں ان سے پوچھنا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو میں نے پوچھا: اے اللہ کے نبی! احمد بن حنبل کا کیا حال ہے؟ فرمایا: انہیں عیش و راحت اور تنگی و تکلیف میں مبتلا کیا گیا لیکن ہر حال میں ان کو صدیق پایا گیا۔ پس ان کو صدیقین کے ساتھ لاحق کر دیا گیا۔

(حافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ، متوفی ۴۳۰ھ حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۱۸۹)

مروزی کہتے ہیں: میں نے وصال کے بعد امام احمد بن حنبل کو خواب میں دیکھا انہوں نے سبز رنگ کے دو حُلّے پہنے ہوئے تھے اور پیروں میں چمکتے ہوئے سونے کی دو نعلین تھیں جن کے تسمے سبز زمرد کے تھے اور سر پر جواہر سے مرصع ایک تاج تھا اور وہ بڑے ناز سے چل رہے تھے میں نے پوچھا: اے ابو عبد اللہ! یہ کیسی چال ہے؟ فرمایا: یہ جنت کے خدام کی چال ہے۔ پھر میں نے پوچھا: اے اللہ کے حبیب! یہ آپ کے سر پر تاج کیسا ہے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے بخش دیا اور مجھے اپنی جنت میں داخل کر لیا، میرے سر پر تاج رکھا اور اپنا دیدار مجھ پر مباح کر دیا اور فرمایا: اے احمد! یہ تیرے "القرآن کلام اللہ غیر مخلوق" کہنے کا صلہ ہے۔

(حافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ، متوفی ۴۳۰ھ حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۱۸۹)

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ

حدیث وفقہ کے استاذ' امام اور مجتہد' عابد و زاہد و فیاض' صاحبِ تصانیفِ کثیرہ واصل مراتب عظیمہ یہ ہیں۔ وہ شخصیت جن کا نام نامی امام محمد ہے' جنھوں نے ایک لاکھ سے زیادہ مسائل مستنبط کیے' ہزار کے لگ بھگ کتابیں تصنیف کیں اور بے شمار شاگرد چھوڑے۔ خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابنِ کثیر نے یحییٰ بن صالح سے کہا: تم امام مالک بن اَنس اور امام محمد بن حسن دونوں کی خدمت میں رہے ہو۔ بتاؤ! ان دونوں میں کون زیادہ فقیہ تھا؟ تو یحییٰ بن صالح نے بغیر کسی تردد کے جواب دیا امام محمد امام مالک سے زیادہ فقیہ تھے۔

اور یہی خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ امام شافعی کہا کرتے تھے کہ علوم فقہیہ میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان جس شخص کا ہے وہ محمد بن حسن ہے۔ (حافظ ابو بکر احمد بن علی الخطیب البغدادی' متوفی ۴۶۳ھ' تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۶۵) امام ذہبی لکھتے ہیں کہ امام شافعی کہتے تھے کہ اگر میں یہ کہنا چاہوں کہ ''قرآن'' محمد بن حسن کی لغت پر اترا ہے تو میں یہ بات امام محمد کی فصاحت کی بنیاد پر کہہ سکتا ہوں۔ (امام ابو عبداللہ شمس الدین ذہبی' متوفی ۷۴۸ھ) اور مولانا عبدالحئی لکھتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل سے کسی نے پوچھا: آپ نے یہ مسائل دقیقہ کہاں سے سیکھے؟ فرمایا: امام محمد کی کتابوں سے۔

(عبدالحئی لکھنوی متوفی ۱۳۰۷ھ' الفوائد البھیہ ص ۱۶۳)

ولادت وسلسلہ نسب

خطیب بغدادی' حافظ ذہبی اور ابو محمد عبدالقادر قرشی صاحبِ ''الجواہر المضیہ'' نے آپ کا نام اس طرح ذکر کیا ہے۔ ابو عبداللہ محمد بن حسن بن فرقد شیبانی۔ (حافظ ابو بکر خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ' تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۷۲) حافظ ابنِ بزاز کردری اور دوسرے محققین نے بھی آپ کا نسب یونہی ذکر کیا ہے' البتہ صاحبِ ''کافی'' نے ایک روایت سے آپ کا نسب یوں بھی بیان کیا ہے۔

محمد بن حسن بن عبداللہ طاؤس بن ہرمز ملک بنی شیبان۔ (شیخ ابن بزاز کردری' متوفی ۸۶۷ھ' مناقب کردری ج ۲ ص ۱۴) لیکن صحیح نسب وہی ہے جس کو اکثر علماء نے بیان کیا ہے۔ نسبت شیبانی

کے بارے میں بھی مختلف آراء ہیں۔ بعض علماء کے خیال میں یہ آپ کے قبیلہ کی طرف نسبت ہے اور بعض محققین کے نزدیک یہ نسبت ولائی ہے۔ کیونکہ آپ کے والد بنوشیبان کے غلام تھے۔

آپ کے والد حسن بن فرقد دمشق کے شہر ''حرسا'' کے رہنے والے تھے۔ بعد میں وہ ترکِ وطن کر کے عراق کے شہر ''واسط'' میں آ گئے۔ امام محمد ۱۳۲ھ میں اسی جگہ پیدا ہوئے بعض تذکرہ نویسوں نے ۱۳۵ھ بھی سالِ ولادت تحریر کیا ہے۔

تعلیم وتربیت

''واسط'' میں کچھ عرصہ ٹھہرنے کے بعد آپ کے والد کوفہ چلے آئے اور امام محمد کی تعلیم و تربیت کا آغاز اسی شہر سے ہوا۔ حرمین شریفین کے بعد کوفہ اس دور کا سب سے بڑا مرکز علمی خیال کیا جاتا ہے۔ اس وقت کوفہ میں امام ابوحنیفہ' امام ابو یوسف' مسعر بن کدام اور سفیان ثوری جیسے نابغہ روزگار حضرات کے علم وفضل کا چرچا تھا۔ امام محمد نے ''قرآن کریم'' پڑھا علومِ ادبیہ حاصل کیے اور پھر دینی علوم کی طرف متوجہ ہو گئے۔

امام ابوحنیفہ کی خدمت میں

امام محمد ایک مرتبہ امام اعظم کی مجلس میں حاضر ہوئے مجلس میں آ کر امام صاحب کے بارے میں سوال کیا امام ابو یوسف نے آپ کی رہنمائی کی' آپ نے امام اعظم سے دریافت کیا کہ ایک نابالغ لڑکا عشاء کی نماز پڑھ کر سو جائے اور اسی رات فجر سے پہلے وہ بالغ ہو جائے تو وہ نماز دہرائے گا یا نہیں؟ امام اعظم نے فرمایا: دہرائے گا۔ امام محمد نے اسی وقت اٹھ کر ایک گوشہ میں نماز پڑھی۔ امام اعظم نے یہ دیکھ کر بے ساختہ فرمایا: انشاء اللہ یہ لڑکا رجل رشید ثابت ہوگا۔ اس واقعہ کے بعد امام محمد گاہے گاہے امام اعظم کی مجلس میں حاضر ہوتے رہے کم سن تھے اور بے حد خوبصورت۔ جب باقاعدہ تلمذ کی درخواست کی تو امام اعظم نے فرمایا: پہلے ''قرآن'' حفظ کرو پھر آنا سات دن بعد پھر حاضر ہو گئے امام اعظم نے فرمایا: میں نے کہا تھا کہ ''قرآن مجید'' حفظ کر کے پھر آنا' عرض کیا: میں نے ''قرآن کریم'' حفظ کر لیا ہے۔ امام اعظم نے ان کے والد سے کہا: اس کے سر کے بال منڈوا دو لیکن بال منڈوانے کے بعد ان کا حُسن اور دمکنے لگا۔ ابونواس نے اس موقع پر یہ اشعار کہے:

حلقوا راسه ليكسوه قبحا غيرة منهم عليه وشحا

كان في وجهه صباح وليل نزعوا ليله وابقوه صبحا

لوگوں نے ان کا سر مونڈ دیا تا کہ ان کی خوبصورتی کم ہو ان کے چہرہ میں صبح بھی تھی اور رات بھی، رات کو انہوں نے ہٹا دیا صبح تو پھر بھی باقی رہی۔

امام محمد چار سال تک امام اعظم کی خدمت میں رہے اور سفر و حضر میں بھی امام صاحب کے ساتھ رہے اور ان سے علومِ دینیہ خصوصاً فقہ میں برابر استفادہ کرتے رہے۔

(شیخ ابنِ بزاز کردری متوفی ۸۶۷ھ مناقب کردری ج ۲ ص ۱۵۵)

امام ابو یوسف سے تلمذ

فقہ ایک وسیع علم ہے کیونکہ کتاب وسنت سے مسائل کے استنباط اور اجتہاد کے لیے وقیع نظر اور بصیرت کی ضرورت ہے۔ امام محمد کو اس موضوع پر جس عظیم کام کرنے کی ضرورت تھی اس کے لیے ابھی علم کی مزید تحصیل اور مہارت کی ضرورت تھی اس لیے امام اعظم کے وصال کے بعد امام محمد نے امام ابو یوسف کی طرف رجوع کیا۔

امام ابو یوسف جوہر شناس تھے۔ انہوں نے امام محمد کی صلاحیتوں کو اُجاگر کرنے میں انتہائی اہم کردار ادا کیا۔ علم وفضل اور مرتبہ کی برتری کے باوصف وہ امام محمد کی بہت رعایت کرتے تھے۔ اسماعیل بن حماد بیان کرتے ہیں کہ امام ابو یوسف علی الصبح درس شروع کیا کرتے تھے۔ امام محمد اس وقت سماعِ حدیث کے لیے دوسرے اساتذہ کے پاس جاتے تھے۔ جب امام ابو یوسف حدیث کے درس میں پہنچتے تو ان کے زیرِ درس کافی مسائل گزر چکے ہوتے تھے۔ لیکن امام ابو یوسف امام محمد کی خاطر ان تمام مسائل کو پھر دہرایا کرتے تھے۔

(الزاہد الکوثری، بلوغ الامانی ص ۳۵)

امام مالک کی خدمت میں

امام محمد کو فقہ کے ساتھ ساتھ علمِ حدیث کی تحصیل کی بھی لگن تھی چنانچہ وہ امام اعظم کے بعد امام مالک کے درسِ حدیث میں حاضر ہوئے۔ جس طرح امام اعظم فقہ میں بے نظیر تھے، اسی طرح امام مالک علمِ حدیث میں بے مثال تھے اور یہ امام محمد کی خوش قسمتی تھی کہ ان کو امام اعظم اور امام مالک جیسے دو عظیم اماموں سے شرف تلمذ حاصل ہوا۔ امام محمد بیان فرماتے ہیں کہ وہ تین

سال سے زیادہ عرصہ تک امام مالک کی خدمت میں رہے اور ان سے سات سو سے زیادہ احادیث کا سماع کیا۔ (حافظ ابنِ حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ' لسان المیزان ج ۵ ص ۱۲۱)

دیگر اساتذہ

امام ابوحنیفہ' امام ابو یوسف اور امام مالک کے علاوہ جن اساتذہ سے امام محمد نے علمِ حدیث حاصل کیا خطیب بغدادی نے ان میں مسعر بن کدام' سفیان ثوری' عمر بن ذر اور مالک بن مغول کا ذکر کیا ہے۔ (حافظ ابو بکر احمد بن علی خطیب بغدادی' متوفی ۴۶۳ھ' تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۷۲) حافظ ابنِ حجر عسقلانی نے ان اساتذہ کے علاوہ امام اوزاعی اور زمعہ بن صالح کا بھی ذکر کیا ہے۔ (حافظ ابنِ حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ' لسان المیزان ج ۵ ص ۱۲۱) اور امام نووی نے ''تہذیب الاسماء'' میں ان کے اساتذہ میں ربیع بن صالح اور بکیر بن عامر کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان مشاہیر اساتذہ حدیث کے علاوہ امام محمد نے اس وقت کے دیگر مشاہیرِ حدیث سے بھی استفادہ کیا اور ان سے روایت اور اجازت حاصل کی۔ (مولانا عبدالحئی لکھنوی' متوفی ۱۳۰۴ھ' التعلیق المجد ص ۳۰)

تلامذہ

امام محمد کے علم و فضل کی شہرت بہت دور دور پھیل چکی تھی اور اطراف و اکناف سے تشنگانِ علم آپ کی خدمت میں آ کر علم کی پیاس بجھاتے تھے۔ خطیب بغدادی نے آپ کے تلامذہ میں محمد بن ادریس شافعی' ابو سلیمان جوز جانی' ہشام بن عبید اللہ رازی' ابو عبید القاسم بن سلام' اسماعیل بن توبہ اور علی بن مسلم کا ذکر کیا ہے۔ (حافظ ابو بکر احمد بن علی الخطیب البغدادی' متوفی ۴۶۳ھ' تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۷۲) حافظ ابنِ حجر نے ان کے علاوہ علی بن مسلم طوسی کا بھی ذکر کیا ہے۔
(حافظ ابنِ حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ' لسان المیزان ج ۵ ص ۱۲۱)

ذہانت و فطانت

امام محمد بے حد ذہین اور زیرک تھے۔ اور بڑے بڑے عقدوں کو آسانی سے حل کر دیا کرتے تھے۔ امام کردری بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ فضیل نے ابراہیم سے مسئلہ پوچھا کہ اگر مینڈک سرکہ میں گر جائے تو سرکہ پاک ہے یا ناپاک؟ ابراہیم نے کہا: مجھے معلوم نہیں۔ یحییٰ بن سلام سے پوچھو' ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا: مجھے پتہ نہیں' عثمان بن عیینہ سے پوچھو' ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا: مجھے علم نہیں' امام محمد سے پوچھو' امام محمد سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا

کہ سرکہ پاک ہے کیونکہ مینڈک اپنے معدن میں مرا ہے پھر اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: اگر مینڈک پانی میں مر جائے تو وہ پانی پاک ہوتا ہے اور اس پانی کو سرکہ میں ڈال دو تو وہ سرکہ بھی پاک رہے گا۔ اس طرح مینڈک سرکہ میں گر جائے تو وہ بھی ناپاک نہیں ہوگا امام محمد نے جب اس مسئلہ کی تقریر کی تو سامعین حیران رہ گئے۔

(شیخ ابن بزاز کردری' متوفی ۸۲۷ھ' مناقب کردری ج ۲ص ۱۵۸)

ایک مرتبہ ہارون رشید نے آپ سے کہا کہ میں نے زبیدہ سے کہا کہ میں امام عادل ہوں اور امام عادل جنت میں ہوتا ہے۔ زبیدہ نے پلٹ کر کہا: نہیں تم ظالم اور فاجر ہو اور جنت کے اہل نہیں ہو۔ آپ نے یہ سن کر ہارون رشید سے فرمایا: کبھی گناہ کے وقت یا گناہ کے بعد تم کو خدا کا خوف لاحق ہوا؟ ہارون رشید نے کہا: خدا کی قسم! مجھے گناہ کے بعد اللہ تعالیٰ کا بے حد خوف ہوتا ہے فرمایا: پھر تم دو جنتوں کے وارث ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ولمن خاف مقام ربہ جنتان. جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔ (ایضاً' ص ۱۵۹)

معمولات

امام محمد بے حد عبادت گزار تھے' تصنیف و تالیف اور مطالعہ کتاب میں اکثر اوقاف مشغول رہا کرتے تھے' رات کے تین حصے کرتے ایک حصہ میں عبادت کرتے ایک حصہ میں مطالعہ اور باقی ایک حصہ میں آرام کیا کرتے تھے۔ (شیخ ابن بزاز کردری' متوفی ۸۲۷ھ' مناقب کردری ج ۲ص ۱۶۲) امام شافعی بیان کرتے ہیں کہ ایک رات میں امام محمد کے پاس ٹھہرا' میں ساری رات نفل پڑھتا رہا اور امام محمد چارپائی پر لیٹے رہے۔ صبح کو امام محمد نے بغیر وضو کیے نماز پڑھی میں نے پوچھا حضرت آپ نے وضو نہیں کیا؟ فرمایا: تم نے ساری رات اپنے نفس کے لیے عمل کیا اور نوافل پڑھے اور میں نے تمام رات حضور کی اُمت کے لیے عمل کیا اور کتاب اللہ سے مسائل کا استنباط کرتا رہا اور اس رات میں نے ہزار سے زیادہ مسائل کا استخراج کیا اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ یہ سن کر میں نے اپنی شب بیداری پر امام محمد کی شب بیداری کو ترجیح دی۔

(شیخ ابن بزاز کردری' متوفی ۸۲۷ھ' مناقب کردری ج ۲ص ۱۶۲)

کلمات الثناء

امام محمد کے علم وفضل ان کی ذہانت وفطانت اور زہد وتقویٰ پر ان کے معاصرین اور بعد کے لوگوں نے بے حد خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ خصوصاً امام شافعی نے ان سے بے پناہ عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ ربیع بن سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن حسن سے زیادہ کوئی صاحب عقل نہیں دیکھا۔ مزنی سے روایت ہے کہ امام شافعی فرماتے ہیں: میں نے امام محمد سے بڑھ کر کوئی فصیح نہیں دیکھا۔ حرملۃ بن یحییٰ روایت کرتے ہیں کہ امام شافعی نے کہا: جب امام محمد کسی مسئلہ پر تقریر کرتے تھے تو یوں معلوم ہوتا تھا گویا ان پر ''قرآن'' نازل ہو رہا ہے۔ مزنی بیان کرتے ہیں کہ امام شافعی نے فرمایا: ''امنّ الناس علیّ فی الفقہ محمد بن حسن''. فقہ میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان امام محمد بن حسن کا ہے' اس احسان میں امام محمد کی تعلیم کے علاوہ ان کی فیاضی کا بھی دخل تھا۔ چنانچہ ربیع نقل کرتے ہیں کہ ایک بار امام شافعی نے فرمایا: امام محمد نے مجھے ایک بار ستر کتب عنائیت فرمائی ہیں۔ ربیع کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی سے سنا کہ میں نے جس شخص سے بھی کوئی مسئلہ پوچھا تو اس کی تیوری پر بل آ گئے ماسوائے امام محمد کے ان سے جب بھی کوئی مسئلہ پوچھا تو انہوں نے نہایت خندہ پیشانی سے وہ مسئلہ سمجھایا۔ (حافظ ابوبکر احمد بن علی الخطیب بغدادی' متوفی ۴۶۳ھ' تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۶۳ تا ۶۶) امام شافعی نے ایک مرتبہ فرمایا: اگر یہود ونصاریٰ امام محمد کی کتابوں کا مطالعہ کر لیں تو فوراً ایمان لے آئیں۔ (ایضاً' ص ۱۷۱)' (حدائق حنفیہ ص ۱۲۷) اور امام شافعی کے اس قول کی تصدیق میں مولانا فقیر محمد جہلمی نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ عیسائیوں کے ایک عالم نے متعدد مسلمان علماء سے تبادلہ خیال کیا لیکن وہ شخص مسلمان نہیں ہوا اتفاق سے اس نے امام محمد کی ''جامع کبیر'' کا مطالعہ کیا تو فوراً مسلمان ہو گیا اور کہنے لگا: اگر یہ شخص پیغمبری کا دعویٰ کر کے اپنی اس کتاب کو دلیل قرار دے تو کوئی شخص مقابلہ نہیں کر سکتا میں نے سوچا جس نبی کے امتیوں کی یہ شان ہے اس نبی کا خود علم میں کیا مقام ہو گا؟ (حدائق حنفیہ ص ۱۲۹)

جرأت واستقلال

امام محمد بے حد غیور اور مستقل مزاج تھے۔ اقتدارِ وقت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گفتگو کرتے اور اظہارِ حق کے راستے میں کوئی چیز ان کے لیے رکاوٹ نہیں بنتی تھی۔ ایک دفعہ خلیفہ ہارون رشید کی آمد پر سب لوگ کھڑے ہو گئے محمد بن حسن بیٹھے رہے۔ کچھ دیر بعد خلیفہ

کے نقیب نے محمد بن حسن کو بلایا' ان کے شاگرد اور احباب سب پریشان ہو گئے کہ نہ جانے شاہی عتاب سے کس طرح خلاصی ہو گی؟ جب آپ خلیفہ کے سامنے پہنچے تو اس نے پوچھا کہ فلاں موقع پر تم کھڑے کیوں نہیں ہوئے؟ فرمایا کہ جس طبقہ میں خلیفہ نے مجھے قائم کیا ہے میں نے اس سے نکلنا پسند نہیں کیا۔ آپ کی تعظیم کے لیے قیام کر کے اہلِ علم کے طبقہ سے نکل کر اہلِ خدمت کے طبقہ میں داخل ہونا مجھے مناسب نہیں تھا۔ پھر کہا: آپ کے ابنِ عم یعنی حضور ﷺ نے فرمایا: جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہو کہ آدمی اس کی تعظیم کے لیے کھڑے رہیں وہ اپنا مقام جہنم میں بنائے۔ حضور کی مراد اس سے گروہ علماء ہے۔ پس جو لوگ حق خدمت اور اعزازِ شاہی کے خیال سے کھڑے رہے انہوں نے دشمن کے لیے ہیبت کا سامان مہیا کیا اور جو بیٹھے رہے انہوں نے سنت اور شریعت پر عمل کیا جو آپ ہی کے خاندان سے لی گئی ہے اور جس پر عمل کرنا آپ کی عزت اور کرامت ہے۔ ہارون رشید نے سن کر کہا: سچ کہتے ہو۔

(حافظ ابوبکر احمد بن علی الخطیب بغدادی' متوفی ۴۶۳ھ' تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۷۳)

عہدہ قضاء

امام ابو یوسف کو فقہ حنفی کی ترویج اور اشاعت کا بے حد شوق تھا' وہ چاہتے تھے کہ ملک کا آئین فقہ حنفی کے مطابق ہو اس لیے انہوں نے ہارون رشید کی درخواست پر قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کا عہدہ قبول کر لیا تھا۔ کچھ عرصہ بعد ہارون رشید نے شام کے علاقہ ''رقہ'' کے لیے امام محمد کا بہ حیثیت قاضی تقرر کیا' امام محمد کو علم ہوا تو وہ امام ابو یوسف کے پاس گئے اور اعتذار کیا اور درخواست کی کہ مجھے اس آزمائش سے بچائیے۔ امام ابو یوسف نے مسلک حنفی کی اشاعت کے پیشِ نظر ان سے اتفاق نہیں کیا۔ وہ ان کو یحییٰ برمکی کے پاس لے گئے' یحییٰ نے ان کو ہارون رشید کے پاس بھیج دیا۔ اس طرح مجبور ہو کر ان کو عہدہ قضاء قبول کرنا پڑا۔

(شیخ ابن بزاز کردری' متوفی ۸۲۷ھ' مناقب کردری ج ۲ ص ۱۶۵)

حق گوئی و بے باکی

امام محمد اپنے احباب اور ارکانِ دولت کے اصرار کی بناء پر عہدہ قضاء پر متمکن ہوئے جتنا عرصہ قاضی رہے بے لاگ فیصلے کرتے رہے۔ لیکن قدرت کو ان کی آزمائش مقصود تھی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ یحییٰ بن عبداللہ نامی ایک شخص کو خلیفہ پہلے امان دے چکا تھا۔ بعد میں کسی وجہ

سے خلیفہ اس پر غضب ناک ہوا اور اس کو قتل کرنا چاہا اپنے اس مذموم فعل پر خلیفہ قضاۃ کی تائید چاہتا تھا تا کہ اس کے فعل کو شرعی جواز کا تحفظ حاصل ہو جائے۔ خلیفہ نے تمام قاضیوں کو دربار میں طلب کیا سب نے خلیفہ کے حسب منشاء نقض امان کی اجازت دے دی۔ لیکن امام محمد نے اس سے اختلاف کیا اور برملا فرمایا: یحییٰ کو جو امان دی جا چکی ہے وہ صحیح ہے اور اس امان کو توڑنے اور یحییٰ کے خون کی اباحت پر کوئی شرعی دلیل نہیں ہے لہٰذا اس کو قتل کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے ان کی اس حق گوئی سے مزاجِ شاہی برہم ہو گیا۔ لیکن جن کی نظر میں مزاجِ الوہیت ہوتا ہے وہ کسی اور مزاج کی پرواہ نہیں کرتے اور جو اپنے دلوں میں اس قہارِ حقیقی کا خوف رکھتے ہیں وہ مخلوق کی ناراضگی کو کبھی خاطر میں نہیں لاتے۔ امام محمد اپنے اس فیصلہ کے ردِ عمل کو قبول کرنے کے لیے تیار تھے۔ چنانچہ اس اظہارِ حق کی پاداش میں نہ صرف یہ کہ آپ کو عہدہ قضاء سے ہٹایا گیا اور افتاء سے روکا گیا بلکہ کچھ عرصہ کے لیے آپ کو قید میں بھی محبوس کیا گیا۔

عہدہ قضاء پر بحالی

امام محمد کے عہدہ قضاء سے سبکدوش ہونے کے کچھ عرصہ بعد ہارون الرشید کی بیوی ام جعفر کو کسی جائیدار کے وقف کرنے کا خیال آیا۔ اس نے امام محمد سے وقف نامہ تحریر کرنے کی درخواست کی آپ نے فرمایا: مجھے افتاء سے روک دیا گیا ہے اس لیے معذور ہوں۔ ام جعفر نے اس سلسلہ میں ہارون الرشید سے گفتگو کی جس کے بعد اس نے نہ صرف آپ کو افتاء کی اجازت دی بلکہ انتہائی اعزاز و اکرام کے ساتھ آپ کو قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کر دیا۔

تصانیف

امام محمد کی تمام زندگی علمی مشاغل میں گزری ائمہ حنفیہ میں انہوں نے سب سے زیادہ کتابیں تصنیف کیں۔ مولانا عبدالحئی لکھنوی اور مولانا فقیر محمد جہلمی نے لکھا ہے کہ انہوں نے نو سو ننانوے (۹۹۹) کتابیں لکھی ہیں اور اگر ان کی عمر وفا کرتی تو وہ ہزار کا عدد پورا کر دیتے بعض محققین کا یہ بھی خیال ہے۔ کسی موضوع پر جو کتاب لکھی جاتی ہے اس میں متعدد مسائل کو مختلف عنوانات پر تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ جیسے کتاب الطہارہ' کتاب الصلوٰۃ' کتاب الصوم وغیرہ۔ پس جن لوگوں نے ۹۹۹ کا عدد لکھا ہے وہ ان کی تصانیف کے تمام عنوانوں کے مجموعہ کے اعتبار سے لکھا ہے۔ بہر حال ان کی تصانیف کی جو تفصیل دستیاب ہو سکی ہے وہ اس طرح ہے:

موطأ امام محمد

حدیث میں یہ امام محمد کی سب سے پہلی تصنیف ہے۔اس کتاب میں انہوں نے زیادہ تر امام مالک سے سنی ہوئی روایات کو جمع کیا ہے۔امام مالک سے سنی ہوئی روایات کو متعدد فقہاء اور محدثین نے روایت کیا ہے۔''بستان المحدثین'' میں شاہ عبدالعزیز نے''موطأ'' کے سولہ نسخے ذکر کیے ہیں۔لیکن آج دنیا میں صرف دو نسخے مشہور ہیں۔ایک امام محمد کی روایت کا مجموعہ جس کو''موطأ امام محمد'' کہتے ہیں اور دوسرا یحییٰ بن یحییٰ مصمودی کا نسخہ جو''موطأ امام مالک'' کے نام سے مشہور ہے۔لیکن''موطأ امام محمد''،''موطأ امام مالک'' سے چند وجوہ کی بناء پر فوقیت رکھتی ہے۔

اوّلاً: یہ کہ امام محمد یحییٰ بن یحییٰ سے علمِ حدیث میں زیادہ بصیرت اور فقہ میں ان سے بڑھ کر مہارت رکھتے تھے۔

ثانیاً:''موطأ'' کی روایت میں یحییٰ بن یحییٰ سے متعدد جگہ غلطیاں واقع ہوئیں۔چنانچہ خود مالکی محدث شیخ محمد عبدالباقی زرقانی نے ان کے بارے میں لکھا ہے:''قلیل الحدیث له اوهام'' (ان کو اکثر وہم لاحق ہوئے تھے'اور حدیث میں وہ بہت کم معرفت رکھتے تھے) اور امام محمد کے بارے میں ذہبی جیسے شخص کو بھی اعتراف کرنا پڑا:

وکان من بحور العلم والفقه قویا فی ما روی عن مالک.

امام محمد علم کے سمندر تھے اور امام مالک سے روایت کرنے میں وہ بہت قوی تھے۔

ثالثاً: یحییٰ بن یحییٰ کو امام مالک سے پوری''موطأ'' کے سماع کا موقع نہ مل سکا۔کیونکہ جس سال وہ امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اسی سال امام مالک کا وصال ہوگیا۔اسی وجہ سے وہ''موطأ امام مالک''میں احادیث''عن مالک'' کے صیغہ سے روایت کرتے ہیں۔برخلاف امام محمد کے وہ تین سال سے زیادہ عرصہ امام مالک کی خدمت میں رہے اور''موطأ'' کی تمام روایات کا انہوں نے امام مالک سے براہِ راست سماع کا ہے۔اسی وجہ سے وہ''اخبرنا مالک'' کے صیغہ کے ساتھ''موطأ''میں احادیث روایت کرتے ہیں۔اس کتاب میں امام محمد ترجمۃ الباب کے بعد سب سے پہلے امام مالک کی روایت کا ذکر کرتے ہیں۔اور اگر مسلک حنفی اس

روایت کے مطابق ہو تو اس کے بعد "بہ ناخذ" فرماتے ہیں اور اگر اس روایت کا ظاہر مسلک حنفی کے خلاف ہو تو اس کی توجیہ ذکر کر کے مسلک حنفی کی تائید میں احادیث اور آثار وارد کرتے ہیں اور بسا اوقات دوسرے ائمہ فتویٰ کے اقوال بھی ذکر کرتے ہیں۔ چونکہ اس کتاب میں امام محمد نے امام مالک کے علاوہ دوسرے مشائخ کی روایات بھی ذکر کی ہیں۔ اسی لیے یہ کتاب امام مالک کی طرف منسوب ہونے کے بجائے امام محمد کی طرف منسوب ہوگئی۔ "موطأ امام محمد" میں کل ایک ہزار ایک سو اسی احادیث ہیں جن میں ایک ہزار پانچ احادیث امام مالک سے مروی ہیں اور ایک سو پچھتر دوسرے شیوخ سے' سترہ امام ابوحنیفہ سے اور چار امام ابو یوسف سے مروی ہیں۔ اس کتاب کی بعض احادیث کے طرق اور اسانید پر اگرچہ جرح کی گئی ہے۔ لیکن ان کی تائید اور تقویت دوسری اسانید سے ہو جاتی ہے۔

کتاب الآثار

حدیث میں یہ امام محمد کی دوسری تصنیف ہے۔ اس کتاب میں امام محمد نے احادیث سے زیادہ آثار کو جمع کیا ہے۔ غالباً اسی وجہ سے ان کی یہ تصنیف "کتاب الآثار" کے نام سے مشہور ہوگئی۔ اس کتاب میں ایک سو چھ احادیث اور سات سو اٹھارہ آثار ہیں ان کے علاوہ اس میں انہوں نے امام اعظم کے اقوال کا بھی ذکر کیا ہے۔ (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۳۸۴)

کتاب الحج

اس کتاب میں بھی امام محمد نے احادیث کو جمع کیا ہے۔ امام مالک اور بعض دوسرے علماء مدینہ سے امام محمد کو فقہی اختلاف تھا۔ انہوں نے اپنے مؤقف کو احادیث اور آثار کی روشنی میں ثابت کرنے کے لیے اس کتاب کو تالیف کیا۔ اس کتاب کے متعدد قلمی نسخے مدینہ منورہ کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۶۸۱)

حدیث میں بھی اگرچہ امام محمد نے چند کتابیں تالیف فرمائی ہیں۔ لیکن ان کا اصل موضوع فقہ ہے اور اس سلسلے میں انہوں نے اہم خدمات انجام دی ہیں۔ امام محمد کی فقہی تصنیفات کی دو قسمیں کی جاتی ہیں۔ ایک ظاہر الروایۃ اور دوسری نوادر' ظاہر الروایۃ امام محمد کی ان کتابوں کو کہا جاتا ہے جن کے بارے میں تواتر سے ثابت ہے کہ یہ امام محمد کی تصانیف میں یہ چھ کتابیں ہیں: مبسوط' زیادات' جامع صغیر' جامع کبیر' سیر صغیر اور سیر کبیر اور نوادر امام محمد کی ان تصانیف کو کہا

جاتا ہے جن کا امام محمد کی طرف منسوب ہونا تواتر سے ثابت نہیں ہے۔

مبسوط

علمِ فقہ میں یہ امام محمد کی سب سے ضخیم تصنیف ہے' یہ کتاب چھ جلدوں میں تین ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی ہے' اس میں دس ہزار سے زیادہ مسائل مذکور ہیں' اس کتاب کے متعدد نسخے ہیں۔ مشہور نسخہ وہ ہے جو ابوسلیمان جوزجانی سے مروی ہے' امام شافعی نے اس کو حفظ کر لیا تھا۔ ایک غیر مسلم اہلِ کتاب اس کو پڑھ کر مسلمان ہو گیا اور کہنے لگا کہ جب محمد اصغر کی کتاب ایسی ہے تو محمد اکبر کی کتاب کی کیا شان ہو گی؟ (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۰۸۱) مصر اور استنبول کے کتب خانوں میں اس کے متعدد قلمی نسخے موجود ہیں۔

الجامع الکبیر

فقہ کے موضوع پر یہ امام محمد کی دوسری کتاب ہے۔ اس میں مسائل فقہیہ کو دلائلِ نقلیہ سے ثابت کیا ہے۔ نیز اس کتاب کی عربی بھی بے حد بلیغ ہے جس طرح یہ کتاب فقہی طور پر حجت تسلیم کی جاتی ہے۔ اس طرح اس کی عربیت بھی زبان و بیان کے اعتبار سے حجت مانی جاتی ہے اس کتاب کی متعدد شروح لکھی گئی ہیں' حاجی خلیفہ نے پچاس سے زیادہ اس کی شروح کا ذکر کیا ہے اس کتاب کے متعدد راوی ہیں اور اس کے قلمی نسخے استنبول کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ (کشف الظنون ج ۱ ص ۵۶۷)

الجامع الصغیر

فقہ میں امام محمد کی یہ تیسری تصنیف ہے۔ اس کتاب میں ۱۵۳۶ مسائل ہیں جن میں سے دو کے سوا باقی تمام مسائل کی بنیاد احادیث اور آثار پر رکھی ہے۔ باقی دو مسئلوں کو قیاس سے ثابت کیا ہے۔ اس کتاب کی وجہ تالیف یہ ہے کہ امام ابو یوسف نے امام محمد سے فرمائش کی کہ وہ امام اعظم کے ان مسائل کو جمع کریں جو امام محمد نے امام ابو یوسف کی وساطت سے سماع کیے ہیں۔ جب یہ کتاب امام محمد نے لکھ کر امام ابو یوسف پر پیش کی تو وہ بے حد خوش ہوئے اور باوجود اپنی جلالتِ علمی کے سفر و حضر میں ہر جگہ اس کو اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ اس کتاب کے مسائل کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم میں وہ مسائل ہیں جن کا ذکر امام محمد کی دوسری کتب میں نہیں ہے۔ دوسری قسم میں وہ مسائل ہیں جن کا ذکر دوسری کتب میں ہے۔ لیکن یہ تصریح نہیں ہے کہ یہ امام

ابو حنیفہ کا قول ہے یا نہیں' یہاں پر اس بات کی تصریح کر دی ہے۔ تیسری قسم میں وہ مسائل ہیں جن کا محض اعادہ کیا ہے مگر وہ بھی تغییر عبارت کی وجہ سے افادہ سے خالی نہیں' عہدۂ قضا کے لیے اس کتاب کا مطالعہ ضروری خیال کیا جاتا تھا اس کی تیس سے زیادہ شروح لکھی گئی ہیں (کشف الظنون ج ۱ ص ۵۶۱) متاخرین میں سے ایک شرح مولانا عبدالحیؒ لکھنوی نے لکھی ہے اور اس کے شروع میں مبسوط مقدمہ ''النافع الکبیر لمن یطالع الصغیر'' کے نام سے تحریر کیا ہے جس میں اس کتاب کی تمام خصوصیات اور اس کی شروح کا ذکر کیا ہے۔

السیر الصغیر

علم فقہ میں امام محمد کی یہ چوتھی تصنیف ہے۔ امام اعظم نے اپنے تلامذہ کو سیر و مغازی کے باب میں جو کچھ املاء کرایا یہ اس کا مجموعہ ہے۔ (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۰۱۳)

السیر الکبیر

فقہ کے موضوع پر یہ امام محمد کی پانچویں تصنیف ہے۔ امام اوزاعی نے ''سیر صغیر'' کا تعاقب کیا اور اس کے جواب میں امام محمد نے ''سیر کبیر'' کو تالیف کیا' سیر و مغازی کے موضوع پر یہ ایک انتہائی مفید کتاب شمار کی جاتی ہے۔ اس کتاب میں جہاد و قتال اور امن و صلح کے مواقع اور طرق بیان کیے ہیں۔ غیر مسلم اقوام سے مسلمانوں کے تعلقات ان کے حقوق و فرائض' تجارتی اور عام معاملات پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اسلام کے بین الاقوامی نقطۂ نظر کو سمجھنے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔

یہ کتاب امام محمد کی انتہائی اہم اور ادق کتاب شمار کی جاتی ہے۔ قوتِ استدلال اور دقت بیان کے اعتبار سے یہ کتاب ان کی دیگر تمام کتب میں ممتاز ہے۔ ہارون الرشید کو اس کتاب سے اس درجہ دلچسپی تھی کہ اس نے اپنے دونوں لڑکوں امین اور مامون کو اس کا سماع کرایا۔ اس کتاب کی متعدد شروح لکھی جا چکی ہیں جن میں سب سے زیادہ شہرت امام سرخسی کی شرح کو حاصل ہوئی' یہ شرح مع متن کے حیدر آباد دکن سے چھپ چکی ہے۔

(کشف الظنون ج ۲ ص ۱۰۱۴)

زیادات

ظاہر الروایۃ میں امام محمد کی یہ چھٹی تصنیف ہے جو کہ "سیر صغیر" اور "سیر کبیر" کے تتمہ کے حکم میں ہے کیونکہ سیر اور مغازی کے جو مسائل ان دو کتابوں میں رہ گئے تھے' ان کا اس کتاب میں ذکر کر دیا گیا ہے' اس کے قلمی نسخے استنبول کی لائبریریوں میں موجود ہیں۔

(کشف الظنون ج ۲ ص ۹۶۲)

فقہ سے متعلق امام محمد کی ان چھ کتابوں کو ظاہر الروایہ کہا جاتا ہے۔ امام محمد بن محمد حاکم شہید متوفی ۳۳۴ھ نے "مبسوط' جامع صغیر" اور "جامع کبیر" سے مکرر مسائل اور مطول عبارات کو حذف کر کے ایک مختصر متن تیار کیا اور اس کا نام "الکافی فی فروع الحنفیہ" رکھا۔ ایک مرتبہ انہیں خواب میں امام محمد کی زیارت ہوئی فرمایا: تم نے میری کتابوں کے ساتھ کیا کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں نے فقہاء کو متساہل اور کسل مند پایا اس لیے مطول اور مکرر امور کو حذف کر دیا۔ امام محمد نے جلال میں آ کر فرمایا: جس طرح تم نے میری کتابوں میں کانٹ چھانٹ کی ہے اللہ تعالیٰ تمہاری بھی ایسی ہی کانٹ چھانٹ کرے گا۔ چنانچہ ایسا ہوا مرو کے لشکر نے آپ کو قتل کر دیا۔ پھر آپ کے جسم کے دو ٹکڑے کر کے درخت پر لٹکا دیا۔ (حدائق حنفیہ ص ۱۷۰)

امام حاکم شہید کی "الکافی" کی متعدد علماء نے شروح لکھیں۔ لیکن سب سے زیادہ شہرت شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ کی "شرح مبسوط" کو حاصل ہوئی' یہ کتاب تیس اجزاء پر مشتمل ہے اور مصنف نے اس شرح کو قید خانے میں بغیر کسی مطالعہ کے فی البدیہہ املاء کرایا ہے۔ فقہ حنفیہ میں یہ کتاب اصول کا درجہ رکھتی ہے اور ہدایہ وغیرہ میں جب مطلقاً "مبسوط" کا لفظ آتا ہے تو اس سے مراد یہی مبسوطِ سرخسی ہوتی ہے۔

دیگر کتب

ظاہر الروایہ کے علاوہ امام محمد نے فقہ کے موضوع پر متعدد کتب تصنیف فرمائی ہیں' جن کا احصاء مشکل ہے۔ چند کتابوں کا ذکر ہم "ہدایۃ العارفین" کے حوالے سے کر رہے ہیں:

(۱) الاحتجاج علی مالک (۲) الاکتساب فی الرزق المستطاب (۳) الجرجانیات (۴) الرقیات فی المسائل (۵) عقائد الشیبانیہ (۶) کتاب الاصل فی الفروع (۷) کتاب الاکراہ (۸) کتاب الحیل (۹) کتاب السجلات (۱۰) کتاب الشروط (۱۱) کتاب الکسب (۱۲) کتاب

النوادر (۱۳) الکیسانیات (۱۴) مناسک الحج (۱۵) انوار الصیام (۱۶) الہارونیات اور بہت سی کتابیں۔ (اسماعیل پاشا بغدادی' اسماء المؤلفین و آثار المؤلفین ذیل کشف الظنون ج ۲ ص ۸)

سانحہ وصال

امام محمد نے اٹھاون سال عمر گزاری اور عمر کا بیشتر حصہ فقہی تحقیقات اور مسائل کے استنباط اور اجتہاد میں گزارا۔ جب دوبارہ عہدہ قضاء پر بحال ہوئے اور قاضی القضاۃ مقرر ہوئے تو ان کو ایک مرتبہ ہارون الرشید اپنے ساتھ سفر پر لے گیا وہاں ''رے'' کے اندر ''نبویہ'' نامی ایک بستی میں آپ کا وصال ہو گیا۔ اسی سفر میں ہارون کے ساتھ نحو کا مشہور امام کسائی بھی تھا اور اتفاق سے اسی دن یا دو دن بعد اس کا بھی انتقال ہو گیا۔ ہارون الرشید کو ان دونوں ائمہ فن کے وصال کا بے حد ملال ہوا اور اس نے افسوس سے کہا: آج میں نے فقہ اور نحو دونوں کو ''رے'' میں دفن کر دیا۔ (شیخ ابن بزاز کردری متوفی ۸۶۷ھ' مناقب کردری ج ۲ ص ۱۶۵)

روایت ہے کہ بعد وصال کسی نے آپ کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ آپ کا نزع کے وقت کیا حال تھا؟ آپ نے فرمایا: میں اس وقت مکاتب کے مسائل میں سے ایک مسئلہ پر غور کر رہا تھا مجھ کو روح نکلنے کی کچھ خبر نہیں ہوئی۔ (فقیر محمد جہلمی' حدائق حنفیہ ص ۱۴۷)

خطیب بغدادی نے امام محمد کے تذکرہ کے اخیر میں محمویہ نامی ایک بہت بڑے بزرگ جن کا شمار ابدال میں کیا جاتا ہے' سے ایک روایت نقل ہے وہ فرماتے ہیں: میں نے محمد بن حسن کو ان کے وصال کے بعد خواب میں دیکھا تو پوچھا: اے ابو عبداللہ! آپ کا کیا حال ہے؟ کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا: اگر تمہیں عذاب دینے کا ارادہ ہوتا تو میں تمہیں یہ علم نہ عطا کرتا' میں نے پوچھا: اور ابو یوسف کا کیا حال ہے؟ فرمایا: مجھ سے بلند درجہ میں ہیں' پوچھا: اور ابو حنیفہ؟ کہا: وہ ہم سے بہت زیادہ بلند درجوں پر فائز ہیں۔

(حافظ ابوبکر احمد بن علی الخطیب بغدادی' متوفی ۴۶۳ھ' تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۷۱)

امام طحاوی

امام ابوجعفر طحاوی تیسری صدی کے عظیم محدث اور بے بدل فقیہ تھے۔ محدثین اور فقہاء کے طبقات میں ان کا یکساں شمار کیا جاتا تھا۔ سلف صالحین میں ایسے جامع حضرات کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں جو حدیث اور فقہ دونوں شعبوں میں سند کی حیثیت رکھتے ہوں۔ محدثین ان کو حافظ اور امام کہتے ہیں اور فقہاء ان کو مجتہد منتسب قرار دیتے ہیں۔ شیخ عبدالقادر نے کہا کہ وہ ثقہ' نبیل اور حدیث کا مسکن تھے۔ سمعانی نے کہا: وہ امام' عاقل اور ثقہ شخصیت کے مالک تھے اور ان کی وفات کے بعد دنیا آج تک ان کی نظیر نہیں پیش کر سکی۔ امام سیوطی نے کہا: وہ حدیث اور فقہ میں امام' علومِ دینیہ کے ماویٰ اور احادیث نبویہ کے ملجأ تھے اور حافظ ابوشیرازی کہا کرتے تھے کہ امام ابوجعفر طحاوی' اصحابِ ابوحنیفہ کی علمی ریاست کی منتہیٰ ہیں۔

(وصی احمد محدث سورتی' ترجمہ طحاوی علی شرح معانی الآثار' ج ا' ص ۱۱)

حافظ ابن عبدالبر نے کہا کہ وہ کوفیوں کی روایات اور مسائلِ فقہیہ کی سب سے زیادہ معرفت رکھتے تھے اور تمام مذاہبِ فقہاء کے عالم تھے۔ (حافظ ابن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' لسان المیزان ج ا ص ۲۷۶) اور اتقانی نے کہا کہ مذہبِ حنفیہ تو الگ رہا ابوجعفر طحاوی کی نظیر کسی مذہب میں نہیں ملتی۔ (محمد عبدالرحمان مبارکپوری' مقدمہ التحفۃ الاحوذی ص ۹۲)

ولادت اور نام ونسب

آپ کا پورا نام مع کنیت والقاب ونسب اس طرح ہے۔ الامام الحافظ ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن عبدالملک بن سلمۃ بن سلیم بن خباب الازدی المصری الطحاوی الحنفی ہے۔ ازدی میں قبیلہ ''ازد'' کی طرف نسبت ہے' جواز د بن عمران کی طرف منسوب ہے۔ حجری قبیلہ ''حجر'' کی طرف نسبت ہے۔ حجر نام کے تین قبائل تھے۔ حجر بن وحید' حجر ذی اعین اور حجر ازد۔ امام طحاوی کی جس قبیلہ کی طرف نسبت ہے وہ یہی ہے مصر میں وادئ نیل کے کنارے ''طحا'' نام کی ایک بستی ہے' اس میں پیدا ہونے کی وجہ سے آپ کو طحاوی کہا جاتا ہے۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانی

متوفی ۸۵۲ء (لسان المیزان، ص ۲۷۴) محدث محی الدین ابو محمد عبد القادر متوفی ۶۹۶ھ صاحب ''الجواہر المضیہ'' (الجواہر المضیہ ج ۲ ص ۱۰۳) شاہ عبد العزیز محدث متوفی ۱۲۲۹ھ دہلوی (بستان المحدثین، ص ۲۸۸) نے اور مولوی عبد الحئی لکھنوی متوفی ۱۳۰۴ھ (الفوائد البہیۃ، ص ۳۲) نے امام طحاوی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اپنا سال ولادت ۲۳۹ھ بیان فرمایا ہے اور امام ابو عبد اللہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۸۰۹) نے ان سے ۲۲۷ھ نقل فرمایا ہے۔

اساتذہ

امام طحاوی نے ابتدائی تعلیم کے بعد اپنے ماموں ابو ابراہیم مزنی سے فقہ شافعی پڑھنی شروع کی۔ لیکن آپ کی طبیعت سلیمہ میں جو قوت استدلال کی تلاش اور نظر میں باریک بینی تھی اس نے بہت جلد آپ کا رُخ شافعیت سے حنفیت کی طرف موڑ دیا۔ چنانچہ ۲۶۸ھ میں آپ نے مصر جا کر اس وقت کے شہرہ آفاق استاذ ابو جعفر احمد بن ابی عمران موسیٰ بن عیسیٰ سے فقہ حنفی کی تحصیل شروع کر دی۔ احمد بن ابی عمران فقہ حنفی میں زبردست دسترس رکھتے تھے اور دو واسطوں سے ان کا سلسلہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے مل جاتا تھا اس طرح امام طحاوی کی جو سند امام اعظم سے متصل ہے اس کی تفصیل یہ ہے: ''**احمد بن ابی عمران عن محمد بن سماعة عن ابی یوسف عن ابی حنیفه**''۔

مصر کے بعد امام طحاوی شام چلے گئے اور وہاں شام کے قاضی القضاۃ ابو حازم سے فقہ کی تحصیل کی۔ ان کے علاوہ مصر کے باقی مشائخ سے علمِ حدیث میں استفادہ کیا اور جس قدر مشائخِ حدیث ان کی زندگی میں مصر آئے ان سب سے امام طحاوی نے علمِ حدیث میں استفادہ کیا جن میں سلیمان بن شعیب کیسانی، ابو موسیٰ یونس بن عبد الاعلیٰ الصدفی وغیرہ کے نام لیے جاتے ہیں۔ (وصی احمد محدث سورتی، ترجمہ امام طحاوی علیٰ شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۲) حافظ ابنِ حجر عسقلانی نے علمِ حدیث میں امام طحاوی کے جن مشائخ کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں: یونس بن عبد الاعلیٰ، ہارون بن سعید ایلی، محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم، بحر بن نصر، عیسیٰ بن مشرود، ابراہیم بن ابی داؤد النصر لیس، ابو بکر، بکار بن قتیبہ۔ (حافظ ابنِ حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، لسان المیزان ج ۱ ص ۲۷۴ تا ۲۷۵) اور امام ذہبی نے ان اساتذہ کے علاوہ عبد الغنی بن رفاعۃ کا بھی ذکر کیا ہے۔

(امام ابو عبد اللہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ، تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۸۰۹)

تلامذہ

امام طحاوی کی علمی شہرت دور دراز علاقوں میں پھیل چکی تھی اس لیے آپ سے استفادہ کرنے کے لیے دور دور سے تشنگانِ علم آتے تھے۔ جن بے شمار لوگوں نے آپ سے علمِ حدیث میں سماع حاصل کیا ان میں سے چند حضرات کے اسماء یہ ہیں:

ابو محمد عبدالعزیز بن محمد الہیتمی الجوہری، حافظ احمد بن القاسم بن عبداللہ البغدادی المعروف بابن الخشاب، ابوبکر علی بن سعدویہ البروعی، ابوالقاسم مسلمۃ ابن القاسم بن ابراہیم القرطبی، ابوالقاسم عبداللہ بن علی الداؤدی، حسن بن القاسم بن عبدالرحمان المصری، قاضی ابن ابی العوام ابوالحسن محمد بن احمد اخمینی، حافظ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن علی المقری، ابوالحسن علی بن احمد الطحاوی، ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب الطبرانی صاحب ''المعجم'' حافظ ابوسعید عبدالرحمان بن احمد بن یونس مصری، حافظ ابوبکر محمد بن جعفر بن الحسین بغدادی، میمون بن حمزہ العبیدلی وغیرہ۔ (محی الدین ابومحمد عبدالقادر، محدث، متوفی ۷۷۵ھ الجواہر المضیۃ ج ۱ ص ۱۰۴)

تبدیلی مسلک

امام ابوجعفر طحاوی ابتداء میں شافعی المذہب تھے۔ بعد میں شافعیت کو چھوڑ کر حنفی مسلک اختیار کر لیا۔ عام شوافع مصنفین نے اس کا سبب بیان کرنے میں حقیقت پسندی سے کام لیا مثلاً اما ذہبی لکھتے ہیں:

وکان اولاً شافعیا یقرء علی المزنی فقال لہ یوم واللہ ماجاء منک شیء فغضب من ذالک وانتقل من ابی عمران.

(امام ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی، متوفی ۷۴۸ھ تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۸۰۹)

امام طحاوی پہلے شافعی المذہب تھے۔ تو ایک دن (دورانِ تعلیم ان کے ماموں مزنی ان پر ناراض ہوئے اور) انہوں نے آپ سے کہا: تم سے کچھ نہ ہو سکے گا، امام طحاوی اس بات پر ناراض ہو گئے اور جا کر ابوعمران حنفی سے پڑھنا شروع کر دیا۔

لیکن استاذ کا شاگرد پر محض ناراض ہونا کوئی اتنی اہم اور شدید بات نہیں جس کی وجہ سے مسلک بدلنا پڑے۔ اصل بات کیا تھی؟ اس کا علامہ عبدالعزیز ذکر فرماتے ہیں:

ان الطحاوی کان شافعی المذہب فقرء فی کتابہ ان الحاملة اذا ماتت و فی بطنها ولد حیی لم یشق فی بطنها خلافا لابی حنیفة وکان الطحاوی ولدا مشقوقا فقال لا ارضی بمذہب رجل یرضی بهلاکی فترک مذہب الشافعی وصار من عظماء المجتهدین علی مذہب ابی حنیفة.

(علامہ عبدالعزیز پرہاروی' نبراس ص ۱۱۰)

امام طحاوی ابتداءً شافعی المذہب تھے ایک دن انہوں نے کتب شافعیہ میں پڑھا کہ جب حاملہ عورت مر جائے اور اس کے پیٹ میں بچہ زندہ ہو تو بچہ نکالنے کے لیے اس کے پیٹ کو چیرا نہیں جائے گا۔ برخلاف مذہب ابوحنیفہ۔ اور امام طحاوی کو مذہب حنفی پر پیٹ چیر کر نکالا گیا تھا۔ امام طحاوی نے اس کو پڑھ کر کہا: میں اس شخص کے مذہب سے راضی نہیں جو میری ہلاکت پر راضی ہو پھر انہوں نے شافعیت کو چھوڑ دیا اور حنفی مسلک کو اختیار کیا اور اس مسلک کے عظیم مجتہد بن گئے۔

مولانا فقیر محمد جہلمی نے اس واقعہ کو ذرا اور تفصیل سے بیان کیا' لکھتے ہیں:

''فتاوی برہنہ'' میں آپ کے انتقالِ مذہب کا یہ سبب لکھا ہے کہ آپ ایک دن اپنے ماموں سے پڑھ رہے تھے کہ آپ کے سبق میں یہ مسئلہ آیا کہ اگر کوئی حاملہ عورت مر جائے اور اس کے پیٹ میں بچہ زندہ ہو تو برخلاف مذہب امام ابوحنیفہ کے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عورت کا پیٹ چیر کر بچہ نکالنا جائز نہیں۔ آپ اس مسئلہ کے پڑھتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ میں اس شخص کی ہرگز پیروی نہیں کرتا جو مجھ جیسے آدمی کی ہلاکت کی کچھ پرواہ نہ کرے۔ کیونکہ آپ اپنی والدہ کے پیٹ ہی میں تھے کہ آپ کی والدہ فوت ہوگئی تھیں اور آپ پیٹ چیر کر نکالے گئے تھے۔ یہ حال دیکھ کر آپ کے ماموں نے آپ سے کہا: خدا کی قسم! تو ہرگز فقیہ نہیں ہوگا۔ پس جب آپ خدا کے فضل سے فقہ و حدیث میں امام بے عدیل اور فاضل بے مثل ہوئے تو اکثر کہا کرتے تھے کہ میرے ماموں پر خدا کی رحمت نازل ہو اگر وہ زندہ ہوتے تو اپنے مذہب شافعی کے بموجب ضرور اپنی قسم کا کفارہ ادا کرتے۔

(حدائق حنفیہ ص ۱۶۵)

حدیث اور فقہ میں مہارت

۲۷۰ھ کے بعد امام طحاوی نے ''مصر'' کے قاضی ابو عبداللہ محمد بن عبدہ کی نیابت کا عہدہ قبول کرلیا۔ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب میں قاضی کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک شخص آیا اور کہنے لگا: ابوعبیدہ بن عبداللہ نے اپنی ماں سے اور انہوں نے اپنے باپ سے کون سی حدیث روایت کی ہے؟ جب شرکاء مجلس میں سے کسی شخص کو جواب نہ آیا تو میں نے اپنی سند کے ساتھ وہ حدیث بیان کی:

حدثنا بکاربن قتیبة نا ابو احمد نا سفیان عن عبدالاعلی الثعلبی عن ابی عبید الله عن ابیه ان رسول الله ﷺ قال ان الله لیغار للمومن فلیغر وحدثنا به ابراهیم بن ابی دائود نا سفیان بن وکیع عن ابیه عن سفیان موقوفا.

جب آپ اس کی مطلوب حدیث کو دوسندوں کے ساتھ مرفوعا اور موقوفا بیان کر چکے تو وہ شخص بے ساختہ کہنے لگا: شام کو میں نے آپ کو فقہاء کے میدان میں دیکھا تھا اور اب آپ حدیث کے میدان میں ہیں۔ بہت کم لوگ ہوں گے جو ان دونوں فنون میں آپ کی طرح جامعیت رکھتے ہوں۔ آپ نے یہ سُن کر فرمایا: یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا انعام ہے۔

(امام ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی، متوفی ۷۴۸ھ، تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۸۰۹)

امام بیہقی کا انکار

شافعیہ کا مسلک ہے کہ مسِ ذکر سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ امام طحاوی نے ''شرح معانی الآثار'' میں اس حدیث کی تمام اسانید پر جرح کی ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ اس حدیث کی تمام اسانید کمزور اور مجروح ہیں، جس وجہ سے یہ حدیث لائق استدلال اور قابلِ احتجاج نہیں ہے۔ امام بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے ''کتاب المعرفۃ'' میں اس بحث کا ذکر کیا ہے ان سے امام طحاوی کے دلائل کا جواب نہیں بن سکا۔ فقط اتنا کہہ دیا: ''**ان علم الحدیث لم یکن من صاعته**'' کہ علمِ حدیث امام طحاوی کا فن نہیں تھا۔ لیکن اہلِ علم کے نزدیک امام بیہقی کے اس بے دلیل قول کا کوئی وزن نہیں ہے۔ فنِ حدیث میں امام طحاوی کی سطوت کے بارے میں ہم سطور سابقہ میں حافظ ابن عبدالبر اندلسی مالکی متوفی ۴۶۳ھ کی شہادت پیش کر چکے ہیں جو مصر اور مغرب کے علماء پر امام بیہقی سے زیادہ نظر رکھتے ہیں۔ ان کے علاوہ ابوسعید بن یونس مؤرخِ مصر اور دیگر ائمہ کبار

اور علماءِ رجال نے فنِ حدیث میں امام طحاوی کے فضل و کمال کا اعتراف کیا ہے۔ درحقیقت امام بیہقی کا یہ قول احناف کے خلاف تعصب کے سوا کچھ نہیں اور اسی تعصب کے سبب سے امام بیہقی نے ''سنن کبریٰ'' میں احناف کی مؤید روایات کی تضعیف اور شوافع کی مؤید روایات کی تصحیح اور رجال کی تخریج اور توثیق میں شدید لغزشیں کھائی ہیں اور جگہ جگہ غلطیاں کی ہیں۔ چنانچہ شیخ علاؤ الدین علی بن عثمان المعروف بابن الترکمانی متوفی ۷۵۰ھ نے ''الجواہر النقی فی الرد علی البیہقی'' میں ان تمام لغزشوں اور غلطیوں کو متعین کر دیا ہے۔ حاجی خلیفہ نے ''کشف الظنون'' میں اتقانی سے نقل کرتے ہوئے لکھا: امام طحاوی کی جلالتِ علم اور ان کے اجتہاد، ورع، تقویٰ اور معرفتِ مذاہب میں ان کے تقدم کے پیشِ نظر ان لوگوں کے انکار کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ یہ منکرین امام طحاوی سے کافی متاخر ہیں۔ اگر کسی شخص کو امام طحاوی کی مہارت حدیث میں شک ہو تو وہ صرف ''معانی الآثار'' ہی کا مطالعہ کرے جو ان کی پہلی تصنیف ہے۔ ہمارا مسلک تو الگ رہا کیا کوئی شخص کسی مذہب سے بھی اس کتاب کی نظیر لا سکتا ہے؟

اعزاز اور اکرام

امام طحاوی کے علم و فضل اور ورع و تقویٰ کے سبب تمام لوگ ان کا احترام کرتے تھے۔ اکابرِ سلطنت اور اعاظمِ ملت سب کے دلوں میں ان کی عظمت اور عقیدت جاگزین تھی اور عوام و خواص سب ان کا اعزاز اور اکرام ملحوظ رکھتے تھے۔

ابنِ زولاق بیان کرتے ہیں کہ جب عبدالرحمان بن اسحاق معمر جوہری مصر کے عہدہ قضاء پر متمکن ہوئے تو وہ امام طحاوی کے آداب و احترام کا پورا پورا خیال رکھتے تھے اور سواری پر ہمیشہ ان کے بعد سوار ہوتے تھے اور ان کے بعد اترتے تھے۔ جب ان سے اس کا سبب پوچھا گیا تو کہنے لگے: امام طحاوی عمر میں مجھ سے گیارہ سال بڑے ہیں اور اگر وہ مجھ سے گیارہ گھنٹے بھی بڑے ہوتے تو مجھ پر پھر بھی ان کا احترام لازم تھا۔ کیونکہ عہدۂ قضاء کوئی ایسی بڑی چیز نہیں ہے جس کی وجہ سے میں امام طحاوی جیسی شخصیت پر فخر کر سکوں۔

(حافظ ابن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ لسان المیزان ج ۱ ص ۲۸۱)

اسی طرح جب ابو عبداللہ محمد بن زبر نے عہدۂ قضا سنبھالا اور امام طحاوی ان سے ملنے آئے تو انہوں نے آپ کا بہت اعزاز اور اکرام کیا اور ان سے ایک حدیث املاء کرائی جس کو

ہوں نے ... سال پہلے ایک شخص کے واسطہ سے امام طحاوی سے روایت کیا تھا۔

(حافظ ابنِ حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ لسان المیزان ج اص ۲۸۱)

سیرت اور عظمت کردار

امام طحاوی حق گو نڈر اور بے باک شخصیت کے مالک تھے۔ بغیر کسی لاگ لپٹ کے اور نتائج کی پرواہ کیے بغیر کلمۂ حق کہتے اور اس پر قائم رہتے۔ وہ قاضی ابوعبید کے نائب تھے' لیکن اس کو ہمیشہ صحیح روش کی تلقین کرتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے قاضی سے فرمایا کہ وہ اپنے کارندوں کا محاسبہ کیا کریں۔ قاضی نے جواب دیا کہ اسماعیل بن اسحاق اپنے کارندوں کا حساب نہیں لیتے تھے' امام طحاوی نے فرمایا کہ قاضی بکار اپنے کارندوں کا محاسبہ کیا کرتے تھے۔ قاضی نے پھر اسماعیل کی مثال دی۔ امام طحاوی نے فرمایا کہ حضور ﷺ اپنے کارندوں کا محاسبہ کیا کرتے تھے اور اس سلسلہ میں ابن اللتبیہ کا قصہ سنایا[1] جب کارندوں کو اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ غضب ناک ہو گئے اور انہوں نے قاضی کو امام طحاوی کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ قاضی امام طحاوی کا مخالف ہو گیا۔ اس اثناء میں قاضی معزول کر دیا گیا۔ جب امام طحاوی نے اس کی معزولی کا پروانہ پڑھا تو کچھ لوگ کہنے لگے: آپ کو مبارک ہو' امام طحاوی یہ سن کر سخت ناراض ہوئے اور کہنے لگے: قاضی بہر حال ایک صاحبِ علم آدمی تھا میں اب کس کے ساتھ علمی گفتگو کیا کروں گا؟ (حافظ ابن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ لسان المیزان ج اص ۲۸۰ تا ۲۸۱)

تصانیف

امام طحاوی کثیر التعداد کتب کے مصنف تھے' مورخین اور تذکرہ نگار ہر دور میں آپ کو سراہتے رہے۔ تفسیر' حدیث' فقہ' اصولِ فقہ' کلام' تاریخ' رجال اور مناقب تقریباً تمام موضوعات پر آپ کی تصانیف موجود ہیں جن کی تفصیل یہ ہے: (۱) احکام القرآن (۲) شرح معانی الآثار (۳) مشکل الآثار (۴) اختلاف العلماء (۵) کتاب الشروط (۶) شروط الصغیر (۷) الشروط الاوسط (۸) مختصر الطحاوی فی الفقہ (۹) النوادر الفقہیہ (۱۰) کتاب النوادر و

---

[1] ابوحمید ساعدی سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ابن اللتبیہ نامی ایک شخص کو صدقہ کا عامل بنایا جب وہ مال لے کر آیا تو کہنے لگا کہ یہ تمہارا مال ہے اور یہ مجھے ہدیہ ملا ہے۔ حضور ﷺ ناراض ہوئے اور فرمایا: یہ شخص اپنے گھر کیوں نہ بیٹھا پھر دیکھتے اس کو ہدیہ ملتا ہے یا نہیں۔ (مشکوٰۃ' ص ۱۵۶)

الحکایات (۱۱) حکم ارض مکہ (۱۲) حکم الفئی والغنائم (۱۳) نقض کتاب المدلسین (۱۴) کتاب الاشربہ (۱۵) الرد علی عیسیٰ بن ابان (۱۶) الرد علی ابی عبید (۱۷) اختلاف الروایات (۱۸) الرزیہ (۱۹) شرح الجامع الکبیر (۲۰) شرح الجامع الصغیر (۲۱) کتاب المحاضر والسجلات (۲۲) کتاب الوصایا والفرائض (۲۳) کتاب التاریخ الکبیر (۲۴) اخبار ابی حنیفہ (۲۵) عقیدۃ الطحاوی (۲۶) تسویہ بین اخبرنا وحدثنا (۲۷) سنن الشافعی (۲۸) صحیح الآثار۔

(الفوائد البہیہ ص ۳۲' الحدائق الحنفیہ' ص ۱۶۵' الجواہر المضیئہ ج ۱ ص ۱۰۵)

وصال

بیاسی سال کی عظیم اور پُرشکوہ زندگی گزارنے کے بعد امام طحاوی یکم ذیقعد ۳۲۱ھ میں وصال فرما گئے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

اسی سال ''مصر'' میں ان کے شیخ ابوبکر احمد بن عبدالوارث ''مرات'' میں ابوعلی احمد بن الباسانی'' ''اصفہان'' میں ابوعلی الحسن بن محمد'' ''بغداد'' میں حافظ سعید بن محمد ان کے علاوہ محمد بن الحسن ازدی' محمد بن نوح نیشاپوری' مکحول' بیرونی اور رئیس معتزلہ ابوعلی جبائی انتقال کر گئے۔ (امام ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی' متوفی ۷۴۸ھ' تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۸۱۰)

شرح معانی الآثار

''شرح معانی الآثار''فنِ حدیث میں ایک عظیم تصنیف اور احناف کا سرمایہ افتخار ہے۔ اس کتاب میں حدیث' فقہ اور رجال کے متعدد علوم کو حُسن اور عمدگی کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہے۔ تبھی تو فاضل اتقانی نے فخر سے سر اٹھا کر کہا تھا کہ جو شخص امام طحاوی کی علمی مہارت کا اندازہ کرنا چاہتا ہوٗ اسے چاہیے کہ وہ ''شرح معانی الآثار'' کا مطالعہ کرے' مسلک حنفی تو الگ رہا کسی مذہبی سے بھی اس کتاب کی نظیر پیش نہیں کی جا سکتی ہے۔

(حاجی خلیفہ' متوفی ۱۰۶۷ھ' کشف الظنون ج ۲ ص ۱۷۲۸)

اس کتاب سے امام طحاوی کا مقصد صرف احادیث کو جمع کرنا نہیں تھا بلکہ ان کے سامنے اصل مقصد احناف کی تائید اور یہ ثابت کرنا تھا کہ مسائلِ شرعیہ میں امام اعظم کا مؤقف کسی جگہ بھی احادیث کے خلاف نہیں ہے اور جو روایات بہ ظاہر امام اعظم کے مسلک کے خلاف ہیں وہ یا مؤول ہیں یا منسوخ۔

اس تصنیف میں امام طحاوی متعدد جگہ پر احادیث پر فنی حیثیت سے کلام کرتے ہیں اور مخالفین کی پیش کردہ روایات پر فنِ رجال کے لحاظ سے جرح کرتے ہیں۔اس کے علاوہ عقلی لحاظ سے بھی مخالفین کے نقطۂ نظر کی تضعیف کرتے ہیں۔اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب روایت اور درایت کی جامع ہے اور جن خوبیوں اور محاسن پر یہ کتاب مشتمل ہے' صحاح ستہ کی تمام کتب ان سے خالی ہیں۔

سببِ تالیف

امام ابوجعفر طحاوی اس کتاب کی تصنیف کا سبب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: مجھ سے بعض اہلِ علم حضرات نے فرمائش کی کہ میں ایک ایسی کتاب تصنیف کروں جس میں احکام سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی ان احادیث کو جمع کروں جو بہ ظاہر متعارض ہیں اور چونکہ ملحدین اور مخالفین اسلام اس ظاہری تعارض کی وجہ سے اسلام پر طعن کرتے ہیں۔اس لیے ان متعارض

روایات میں تطبیق دینے کے لیے علماءِ اسلام کی ان تاویلات کا ذکر بھی کروں جو کتاب و سنت اجماع اور اقاویل صحابہ سے مؤید ہیں اور جو روایات منسوخ ہو چکی ہیں ان کے نسخ پر دلائل پیش کر دوں تا کہ احادیثِ نبویہ کے درمیان تعارض نہ رہے اور طعنِ مخالفین سے یہ روایات بے غبار ہو جائیں۔ (امام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامۃ طحاوی' متوفی ۳۲۱ھ' شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۵)

تسمیہ

امام طحاوی نے اپنی اس تصنیف کا نام ''شرح معانی الآثار'' رکھا ہے۔ آثار سے مراد احادیث نبویہ اور اقوال صحابہ ہیں یعنی احادیث اور آثار کے معانی میں فی نفسہا یا باہم ظاہری طور پر جو تعارض ہے امام طحاوی نے ان احادیث و آثار کے معانی کی شرح اور وضاحت کر کے اس تعارض کو اٹھا دیا ہے۔ اصل نام تو اس کتاب کا ''شرح معانی الآثار'' ہی ہے۔ لیکن بعض دفعہ اختصار اور تخفیف کی غرض سے اس کو ''معانی الآثار'' سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

اسلوب

تمام اُمہاتِ کتبِ حدیث میں امام طحاوی کا طرز سب سے منفرد اور دلچسپ ہے وہ ایک باب کے تحت پہلے اپنی سند کے ساتھ ایک حدیث وارد کرتے ہیں' پھر ذکر کرتے ہیں کہ بعض لوگوں نے اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے' اس کے بعد ذکر کرتے ہیں کہ احناف (کثرھم اللہ تعالیٰ) اس مسئلہ میں اختلاف کرتے ہیں اور ان کی دلیل ایک اور حدیث ہے جو اس حدیث کے مخالف ہے۔ پھر اس حدیث کے متعدد طرق ذکر کرتے ہیں' اخیر میں مذہبِ احناف کو تقویت دیتے ہیں' دونوں حدیثوں کا الگ الگ محل بیان کر کے تعارض دور کرتے ہیں اور کبھی پہلی حدیث کی سند کا ضعف ثابت کر کے دوسری حدیث کو ترجیح دیتے ہیں اور بعض اوقات پہلی حدیث کا منسوخ ہونا واضح کر دیتے ہیں۔ نیز انہوں نے ہر باب میں اس بات کا التزام کیا ہے کہ احناف کی تائید کرنے کے لیے آخر میں ایک عقلی دلیل پیش کی جائے۔ اور اگر مسلک احناف پر کوئی اشکال وارد ہوتا ہو تو اس کو بھی دور کرتے ہیں۔ سطور ذیل میں ہم چند مثالوں سے اس اسلوب کی وضاحت کر رہے ہیں۔

تطبیق

امام طحاوی نے اپنی سند کے ساتھ ایک حدیث روایت کی:

عن ابی هریرة یقول سمعت رسول الله ﷺ یقول لاصلوة لمن لا وضوء له ولا وضوء لمن لم یذکر اسم الله علیه. (امام ابو جعفر طحاوی متوفی ۳۲۱ھ شرح معانی الآثار ج ا ص ۲۶)

یعنی نہ بغیر وضو کے نماز صحیح ہے اور نہ بغیر ''بسم اللہ'' کے وضو۔

پھر اس مضمون کی ایک اور حدیث روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

فذهب قوم الی ان من لم یسم علی وضوء الصلوة فلا یجزیه وضوء واحتجوا فی ذالک بهذا الأثار.

یعنی ایک قوم کا یہی مذہب ہے کہ وضو بغیر ''بسم اللہ'' کے صحیح نہیں ہے۔

پھر لکھتے ہیں:

وخالفهم فی ذالک آخرون فقالوا من لم یسم علی وضوء فقد اساء وقد طهر بوضؤله ذالک واحتجوا فی ذالک بما حدثنا.

یعنی بعض دوسرے حضرات (احناف) نے ان لوگوں سے اختلاف کیا ہے ان کا کہنا ہے کہ جس شخص نے وضو سے پہلے ''بسم اللہ'' نہیں پڑھی اس نے اچھا نہیں کیا۔

لیکن اس کا وضو صحیح ہے اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے: مہاجر بن قنفد سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کو وضو کرتے وقت سلام کیا حضور ﷺ نے ان کے سلام کا جواب وضوء سے فارغ ہو کر دیا اور فرمایا: مجھے تمہارے سلام کا جواب دینے سے اس کے سوا اور کوئی چیز مانع نہیں تھی کہ میں بغیر وضو کے اللہ تعالیٰ کے ذکر کو پسند نہیں کرتا ہوں۔ اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد امام طحاوی فرماتے ہیں: اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے حضور ﷺ نے اس وضو سے پہلے ''بسم اللہ'' نہیں پڑھی۔ کیونکہ آپ نے بغیر وضو کے اللہ کے ذکر کو جو سلام کے جواب کی

صورت میں تھا' ناپسند فرمایا اور حضور ﷺ کے فرمان "لا وضوء لمن لم یسم" کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ "بسم اللہ" کے بغیر وضو اصلاً صحیح نہیں' دوسرا یہ کہ "بسم اللہ" کے بغیر وضو کامل نہیں ہوتا اور یہی معنی مناسب ہے تاکہ دونوں حدیثوں میں تعارض نہ رہے۔ پھر اس معنی پر مزید قرائن بیان کرتے ہوئے اپنی سند کے ساتھ ایک حدیث روایت کرتے ہیں' حضور ﷺ نے فرمایا: وہ شخص مسکین نہیں ہے جس کو ایک کھجور یا دو کھجوریں یا ایک لقمہ یا دو لقمے لوٹا دیں۔ اس حدیث سے آپ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ شخص فی نفسہٖ مسکین ہی نہیں بلکہ آپ کا مقصد یہ ہے کہ وہ مسکین کامل نہیں ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیث روایت کرتے ہیں کہ "وہ شخص مسلمان نہیں ہے جو رات سیر ہو کر گزارے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو" اس حدیث کا بھی یہ مطلب نہیں ہے کہ ایسا شخص مسلمان نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص مسلمان کامل نہیں ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ ان قرائن کے پیشِ نظر "لا وضوء لمن لم یسم" کو بھی اس معنی پر محمول کرنا چاہیے کہ جو شخص وضو سے پہلے "بسم اللہ" نہ پڑھے اس کا وضو کامل نہیں ہے۔ تاکہ احادیث آپس میں متعارض نہ رہیں۔

نسخ

جب دو متعارض حدیثوں میں سے کسی ایک کے بارے میں نسخ کی دلیل مل جائے تو امام طحاوی اس کے منسوخ کی تصریح کر دیتے ہیں اور ایک حدیث کو معمول اور دوسری کو متروک اور منسوخ قرار دیتے ہیں۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ امام طحاوی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

انی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول توضوأ مما مست النار. (امام ابوجعفر طحاوی' متوفی ۳۲۱ھ شرح معانی الآثار ج ۱ص ۵۰)

حضور ﷺ نے فرمایا: آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

اس حدیث کو اختلاف الفاظ کے ساتھ طرق متعددہ سے روایت کرنے کے بعد امام طحاوی ایسی احادیث روایت کرتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ مثلاً روایت کرتے ہیں:

عن ابی ہریرہ ان رسول اللہ

یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے

ﷺ اکل من ثور اقط فتوضأ ثم اکل بعده کتفا فصلی ولم یتوضأ فثبت بما ذکرنا ان آخر الامرین من رسول اللہ ﷺ ھو ترک الوضوء مما غیرت النار وان ماخالف ذالک فقد نسخ بالفعل الثانی.

روایت ہے کہ حضور ﷺ نے پنیر کا ٹکڑا کھایا تو وضو کیا پھر اس کے بعد ایک شانہ تناول فرمایا اور نماز پڑھی جب کہ آپ نے وضو نہیں فرمایا (امام طحاوی فرماتے ہیں): ان دلائل سے واضح ہو گیا کہ حضور ﷺ کا آخری عمل آگ پر پکی ہوئی چیز سے وضو کو ترک کرنا تھا اور جو روایات اس کے مخالف ہیں وہ دوسرے فعل کے ساتھ منسوخ ہیں۔

جرح

متعارض روایات میں سے کسی ایک روایت کو فیصلہ کن قرار دینے کے لیے بعض اوقات امام طحاوی فنِ رجال سے کام لیتے ہیں اور دو متضاد روایات میں سے ایک روایت کو باعتبار اسناد کے مرجوح قرار دیتے ہیں اور دوسری روایت کو راجح اور استنباط حکم کے لیے اصل قرار دیتے ہیں۔اس کی ایک مثال یہ ہے کہ بعض فقہاء کے نزدیک مسِ ذَکر سے وضو ٹوٹ جاتا ہے جس حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے' امام طحاوی اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ بسرہ بنت صفوان سے روایت کرتے ہیں: ''انھا سمعت رسول اللہ ﷺ یامر بالوضوء من مس الفرج''. (امام ابوجعفر طحاوی' متوفی ۳۲۱ھ' شرح معانی الآثار' ج ا ص ۵۵) امام طحاوی اس حدیث کو زہری کی روایت سے مفصلاً بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مروان نے عروہ سے اس مسئلہ میں گفتگو کی کہ مجھے بسرہ بنت صفوان نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ مسِ ذکر سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ جب عروہ نے مروان سے اس مسئلہ میں موافقت نہیں کی تو مروان نے اپنا ایک سپاہی بھیج کر بسرہ سے اس حدیث کی تصدیق کرائی۔ امام طحاوی فرماتے ہیں: جب عروہ کے نزدیک خود مروان کی روایت حجت نہ تھی تو اس کے سپاہی کی روایت ان کے نزدیک کس طرح معتبر ہوگی؟

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ ربیعہ نے اس حدیث کو سن کر کہا کہ ذکر' خون یا حیض کی طرح نجس نہیں ہے اور جب خون یا حیض میں ہاتھ ڈال دینے سے وضو نہیں ٹوٹتا تو مس ذکر سے وضو

کس طرح ٹوٹ سکتا ہے؟ اس کے بعد مسِ ذکر سے وضو ٹوٹنے کے بارے میں ایک اور حدیث روایت کرتے ہیں:

حدثنا یونس قال انا ابن وهب قال حدثنی سعید بن عبدالرحمان عن هشام بن عروة عن ابیه عن بسرة عن النبی ﷺ اذا مس احد کم ذکره فلا یصلین حتی یتوضأ.

اس حدیث کی سند پر جرح کرتے ہوئے امام طحاوی فرماتے ہیں کہ ہشام بن عروہ کا اپنے والد عروہ سے سماع ثابت نہیں ہے دراصل یہ روایت انہوں نے ابوبکر سے سنی اور تدلیس کرکے اپنے والد عروہ سے سماع ظاہر کیا۔ اس کے بعد انہوں نے ایک اور سند سے اس حدیث کو روایت کیا ہے:

حدثنا محمد بن الحجاج و ربیع الموذن قال ثناء الله قال ثنا ابن لهیئة قال ثنا ابوالاسود انه سمع عروة یذکر عن بسرة عن النبی ﷺ.

اس سند پر گفتگو کرتے ہوئے امام طحاوی فرماتے ہیں: جو فقہاء اور محدثین مس ذکر سے وضو کے قائل ہیں ان کے نزدیک خود بھی ابن لہیئہ قابلِ استدلال نہیں ہے۔ کیونکہ دوسری جگہ وہ اس کی روایت کا اعتبار نہیں کرتے پھر ایک اور سند سے روایت کرتے ہیں:

حدثنا علی بن معبد قال ثنا یعقوب بن ابراهیم بن سعد قال ثنا ابی عن ابن اسحاق قال حدثنا محمد بن مسلم بن عبید الله بن عبدالله بن عروة بن الزبیر عن زید بن خالد قال سمعت رسول الله ﷺ یقول من مس فرجه فلیتوضأ حدثنا ابن ابی داؤد قال ثنا عیاش الرقام قال ثنا عبدالاعلیٰ عن ابن اسحاق فذکر باسناد مثله.

اس سند پر گفتگو کرتے ہوئے امام طحاوی فرماتے ہیں کہ مخالفین کے نزدیک یہ بھی مسلم ہے کہ جب محمد بن اسحاق دوسرے راویوں کی مخالفت کرے تو اس کی روایت کا اعتبار نہیں ہوتا اور نہ ہی حالت انفراد میں اس کی روایت قابلِ قبول ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ یہاں نفسِ حدیث ہی منکر ہے بلکہ غلط ہے۔ کیونکہ مروان نے جب عروہ سے یہ مسئلہ پوچھا تو انہوں نے کہا کہ مس ذکر سے وضو نہیں ٹوٹتا' تب مروان نے بسرہ کی یہ روایت بیان کی مسِ ذکر سے وضو

لازم ہے عروہ نے کہا: تم نے اس حدیث کو بسرہ سے نہیں سنا۔ یہ واقعہ زید بن خالد کی موت کے کافی عرصہ بعد پیش آیا ہے۔ پس یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث زید بن خالد سے مروی ہوتی اور عروہ اس کا انکار کرتے؟ بعد ازاں امام طحاوی نے اس حدیث کو عمر بن شریح، صدقہ بن عبداللہ اور علاء بن سلیمان کی تین مختلف اسانید سے روایت کیا ہے۔ پھر ان روایات پر جرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان اسانید میں ضعیف راوی ہیں نیز وہ مخالفین کے نزدیک بھی ناقابلِ اعتبار ہیں۔ علاوہ ازیں فی نفسہٖ یہ روایات منکر ہیں پھر یزید بن عبدالملک کی سند سے اس کو روایت کیا اور بتلایا کہ یہ منکر الحدیث ہے ایک اور سند ذکر کی جس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ منقطع ہے کیونکہ اس میں مکحول کا عنبہ بن سفیان سے سماع نہیں ہے۔ غرض یہ کہ جس قدر طرق اور اسانید سے یہ حدیث مروی ہے ان سب پر جرح کر کے انہیں ساقط الاعتبار قرار دیتے ہیں۔ پھر جس صحیح الاسناد حدیث سے یہ ثابت ہے کہ وضو نہیں ٹوٹتا اس کو روایت کرتے ہیں:

حدثنا محمد بن خزيمة قال ثنا حجاج قال ثنا ملازم عن عبدالله بن بدر عن قيس بن طلق عن ابيه عن النبي ﷺ انه سأله رجل فقال يا نبي الله ما ترى في مس الرجل ذكره بعد ما توضأ فقال النبي ﷺ هل هو الا بضعة منك او مضغة منك .

یعنی حضور ﷺ نے فرمایا: ذَکر بھی جسم کا ایک حصہ ہے اس کو چھونے سے وضو کس طرح ٹوٹ سکتا ہے؟ اس حدیث پر اپنی رائے پیش کرتے ہوئے امام طحاوی لکھتے ہیں:

فهذا حديث ملازم صحيح مستقيم الاسناد غير مضطرب في اسناده ولا في متنه فهو اولى عندنا مما روينا' اولا من الآثار المضطربة في اسانيدها.

یعنی یہ حدیث صحیح ہے، جس کا متن اور سند دونوں اضطراب اور ضعف سے محفوظ ہیں، لہٰذا یہ اس روایت سے بہتر ہے جس کی تمام اسانید مضطرب ہیں۔

نظرِ صحیح سے ثبوت

امام طحاوی کا طریقہ ہے کہ وہ ہر باب میں اپنے مختار کو احادیث صحیحہ سے ثابت کرنے

کے بعد دلائلِ عقلیہ اور نظرِ صحیح سے اس کو ثابت کرتے ہیں۔اس کی مثال یہ ہے کہ سر پر مسح کرنے کی مقدار میں ائمہ کا اختلاف ہے۔امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ پورے سر کا مسح فرض ہے اور امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ چوتھائی سر کا مسح فرض ہے۔امام اعظم کے مسلک پر احادیث سے دلائل دینے کے بعد امام طحاوی فرماتے ہیں: وضو میں بعض اعضاء یعنی چہرہ، ہاتھ پیر بالاتفاق دھوئے جاتے ہیں اور سر پر بالاتفاق مسح کیا جاتا ہے البتہ مقدار میں اختلاف ہے احناف کے نزدیک سر کے بعض کا اور مالکیہ کے نزدیک کل کا مسح فرض ہے اور جب ہم نے مسح کی ایک اور نظیر تلاش کی تو ہم نے دیکھا کہ جب پیروں پر موزے پہنے ہوئے ہوں تو ان پر مسح جائز ہے اور سب کا اتفاق ہے کہ موزوں کے کل پر مسح نہیں ہوتا بلکہ بعض پر مسح ہوتا ہے۔پس معلوم ہوا کہ مسح کے باب میں اصل متفق علیہ یہ ہے کہ بعض پر مسح ہو۔لہٰذا سر کے بھی بعض حصہ پر مسح فرض ہونا چاہیے۔(امام ابوجعفر طحاوی متوفی ۳۲۱ھ شرح معانی الآثار ج اص ۲۵)

استدراک

نظرِ صحیح کی بحث میں امام طحاوی بعض اوقات مخالف کی نظرِ فاسد کا جواب بھی ذکر کرتے ہیں۔مثلاً روافض کا مسلک یہ ہے کہ وضو میں پیروں کو دھونے کی بجائے ان پر مسح کرنا چاہیے ان کی دلیل یہ ہے کہ جن اعضاء کو وضو میں دھویا جاتا ہے ان اعضاء پر تیمم میں مسح کیا جاتا ہے اور جن اعضاء پر وضو میں مسح کیا جاتا ہے تیمّم میں وہ اعضاء اصلاً ساقط ہیں اور جب کہ بالاتفاق تیمّم میں پیروں کا مسح ساقط ہے تو معلوم ہوا وضو میں ان پر مسح ہے۔کیونکہ اگر وضو میں ان کا حکم دھونا ہوتا تو تیمّم میں ان پر مسح ہوتا۔اس کے جواب میں امام طحاوی فرماتے ہیں کہ تیمّم جس طرح وضو کا نائب ہے اسی طرح غسل کا نائب ہے اس بناء پر لازم آئے گا کہ تیمّم میں جن اعضاء کو چھوڑ دیا جاتا ہے غسل میں ان تمام اعضاء پر مسح کیا جائے۔لہٰذا غسل میں تمام بدن کو دھونا فرض نہیں رہے گا بلکہ ضروری ہوگا کہ چہرہ اور ہاتھوں کو دھو کر باقی بدن پر مسح کر لیا جائے اور جب کہ یہ بداھۃً باطل ہے تو معلوم ہوا کہ مخالف نے جس نظر سے استدلال کیا ہے وہ فاسد ہے۔(امام ابوجعفر طحاوی متوفی ۳۲۱ھ شرح معانی الآثار ج اص ۳۶)

شروح

''شرح معانی الآثار'' کی افادیت اور عظمت کے پیشِ نظر اس کی متعدد شروحات تصنیف

کی گئی ہیں۔ حاجی خلیفہ نے ''کشف الظنون'' میں بعض شروحات کا ذکر کیا ہے۔ (حاجی خلیفہ متوفی ۱۰۶۷ھ کشف الظنون ج۲ص ۱۷۲۸) سب سے پہلے اس کی شرح ابوالحسین محمد بن محمد باہلی متوفی ۳۲۸ھ نے کی ہے۔ اس کے بعد اس کی سب سے عظیم اور قابلِ قدر شرح حافظ بدرالدین محمود بن محمد عینی متوفی ۸۵۵ھ نے کی ہے جس کا ایک مخطوطہ مصر کے کتب خانہ میں موجود ہے اس کتاب کا نام ''مبانی الاخبار فی شرح معانی الآثار'' ہے اور یہ آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے اس کے علاوہ ''شرح معانی الآثار'' کے رجال کی تحقیق میں بھی علامہ عینی نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ''معانی الاخیار فی رجال معانی الآثار'' رکھا ہے۔

''معانی الآثار'' کے رجال پر ایک کتاب شیخ قاسم بن قطلو بغا متوفی ۸۷۹ھ نے بھی لکھی ہے جس کا نام ''الایثار برجال معانی الآثار'' ہے۔ حافظ ابن عبدالبر اور حافظ ذیلعی نے اس کی تلخیص بھی کی ہے متاخرین میں سے مولانا امجد علی مصنف ''بہارِ شریعت'' نے بھی اس کی ایک مبسوط شرح لکھی ہے لیکن وہ نہ تو مکمل ہوسکی اور نہ طبع۔ محدث سورتی نے اس پر ایک مختصر اور مفید حاشیہ لکھا ہے جس میں مشکل الفاظ کے معانی اور باب کی پوری بحث کا خلاصہ پیش کردیتے ہیں جو آج کل مطبوعہ نسخہ کے ساتھ دستیاب ہے۔

امام بخاری

امام بخاری اپنے پیش روائمہ کی آرزو اساتذہ کا فخر اور معاصرین کے لیے سراپا رشک تھے۔ان کے زمانہ میں احمد بن حنبل یحییٰ بن معین اور علی بن مدینی کا فنِ حدیث میں چرچا تھا لیکن جب آسمانِ علمِ حدیث پر امام بخاری کا سورج طلوع ہوا تو تمام محدثین ستاروں کی طرح چھپتے چلے گئے۔صحیح مجرد میں سب سے پہلے انہوں نے مجموعہ حدیث پیش کیا اور پھر کتب صحاح کی تصنیف کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

ولادت وسلسلہ نسب

ناصر الاحادیث النبویہ وناشر المواریث المحمدیہ امیر المومنین فی الحدیث امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری الجعفی ۱۳ شوال ۱۹۴ھ میں ماوراء النہر کے مشہور شہر ''بخارا'' میں پیدا ہوئے۔امام بخاری کے والد اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ الجعفی عظیم محدث اور ایک صالح بزرگ تھے۔ابنِ حبان نے ان کو طبقہ رابعہ کے ثقہ راویوں میں شمار کیا۔(شہاب الدین حافظ ابنِ حجر العسقلانی المتوفی ۸۵۲ تہذیب التہذیب ج۱ ص۲۷۴) امام ذہبی نے ''تاریخ اسلام'' میں امام بخاری نے ''تاریخ کبیر'' میں ان کا مفصل تذکرہ لکھا۔انہیں امام مالک عبداللہ بن مبارک اور حماد بن زید جیسے یکتائے روزگار حضرات سے روایت حدیث کا شرف حاصل ہوا اور یحییٰ بن جعفر بیکندی احمد بن جعفر نصر بن حسین اور عراقیوں کی ایک بڑی جماعت نے ان سے احادیث کا سماع کیا۔امام بخاری کے والد خوشحال اور دولت مند تھے اور جس قدر مال دار تھے اتنے ہی پرہیزگار تھے۔احمد بن حفص کہتے ہیں کہ میں ابوالحسن اسماعیل بن ابراہیم کی موت کے وقت ان کی خدمت میں حاضر تھا وہ کہنے لگے: میرے پاس جس قدر مال ہے اس میں ایک درہم بھی مشتبہ نہیں ہے۔(شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی المتوفی ۹۲۳ھ ارشاد الساری ج۱ ص۳۱)

امام بخاری کے جدِ امجد مغیرہ بن بردزبہ جعفی مجوسی تھے اور اس زمانہ میں ''بخارا'' کے حاکم یمان جعفی کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے اور اسی نسبت سے جعفی کہلائے۔امام بخاری کو بھی

بھی اسی سبب سے کہا جاتا ہے۔(شیخ عبدالحق دہلوی، المتوفی ۱۰۵۲ھ، اشعۃ اللمعات ج ا ص ا)

ابتدائی حالات

ایامِ طفولیت ہی میں امام بخاری کے والد کا انتقال ہو گیا اور پرورش کی تمام تر ذمہ داری آپ کی والدہ نے سنبھال لی تھی۔ صغر سن میں ہی امام بخاری نابینا ہو گئے۔ اس وقت کے مشہور اطباء اور معالجین سے رجوع کیا گیا مگر کسی کی پیش نہ جا سکی۔ آپ کی والدہ بڑی عابدہ اور زاہدہ تھیں انہوں نے رو رو کر اللہ تعالیٰ سے فریاد کی اور دامن پھیلا کر اپنے لختِ جگر کے لیے بصارت مانگی۔ بالآخر دریائے رحمت جوش میں آیا اور ایک رات انہیں خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زیارت ہوئی اور آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری آہ و زاری اور دعاؤں کی کثرت کے سبب تمہارے بیٹے کی بصارت لوٹا دی ہے۔ صبح جب امام بخاری بستر سے اٹھے تو ان کی آنکھیں روشن تھیں۔ (شیخ عبدالحق دہلوی، المتوفی ۱۰۵۲ھ، اشعۃ اللمعات ج ا ص ا)

زمانہ تعلیم

ابتدائی اور ضروری تعلیم حاصل کرنے کے بعد جب امام بخاری کی عمر دس سال کو پہنچی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں علمِ حدیث کی تحصیل کا شوق پیدا کیا اور آپ نے ''بخارا'' کے درسِ حدیث میں داخلہ لے لیا۔ علمِ حدیث کو آپ نے انتہائی کاوش اور محنت سے حاصل کیا۔ متن کو محفوظ رکھا اور سند کے ایک ایک راوی کو ضبط کیا۔ حتیٰ کہ ایک سال بعد متنِ حدیث اور اس کی سند پر آپ کے عبور کا یہ عالم تھا کہ بسا اوقات اساتذہ بھی آپ سے اپنی تصحیح کرتے تھے ایک مرتبہ آپ کے استاذ داخلی نے حدیث بیان کرتے ہوئے کہا:

''حدثنا سفیان عن ابی الزبیر عن ابراھیم''

آپ نے فرمایا: ابوالزبیر کی ابراہیم سے کوئی روایت نہیں ہے۔ استاذ نے ناراض ہو کر امام بخاری کو تہدید کی آپ نے کہا: اگر آپ کے پاس اصل ہے تو اس میں دیکھ لیجئے استاذ نے اصل کی طرف رجوع کیا اور کہا: اچھا! پھر بتلاؤ یہ روایت کس طرح ہے: آپ نے عرض کیا:

حدثنا سفیان عن زبیر بن عدی عن ابراھیم.

اور پھر بتلایا کہ یہ لفظ ابی الزبیر نہیں زبیر بن عدی ہے۔ استاذ حیران رہ گئے اور انہوں نے بھری مجلس میں امام بخاری کی تحسین کی۔ امام بخاری یونہی تیزی اور مہارت سے علومِ دینیہ حاصل

کرتے رہے۔ یہاں تک کہ سولہ سال کی عمر میں امام بخاری نے عبداللہ بن مبارک' وکیع اور دیگر اصحابِ ابی حنیفہ کی کتابوں کو ازبر کرلیا تھا۔

(حافظ ابن حجر العسقلانی' التوفی ۸۵۲ھ ہدی الساری ج ۲ ص ۲۵۰)

زیارتِ حرمین و آغازِ تصنیف

اٹھارہ سال کی عمر میں امام بخاری اپنے بڑے بھائی احمد بن اسماعیل اور اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ حج کرنے کے لیے حرمین شریفین حاضر ہوئے۔ حج کے بعد ان کے بھائی تو والدہ کو لے کر واپس چلے گئے اور امام بخاری مزید تعلیم کے حصول کے لیے وہیں رہ گئے۔ اسی دوران انہوں نے ''قضایا الصحابۃ والتابعین'' کے عنوان سے ایک کتاب لکھی اور اس کے بعد چاندنی راتوں میں روضۂ انور کے پہلو میں بیٹھ کر ''تاریخ کبیر'' تصنیف کی۔ امام بخاری کہتے ہیں: میں نے ''تاریخ کبیر'' میں جتنے لوگوں کے اسماء ذکر کیے ہیں مجھے ان میں سے ہر ایک کے بارے میں کوئی نہ کوئی قصہ معلوم تھا۔ لیکن اختصار کے سبب میں نے ان تمام قصوں کو درج نہیں کیا۔ ''تاریخ کبیر'' کی تکمیل ہوتے ہی اس کی نقل کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ محمد بن یوسف فریابی کہتے ہیں کہ میں نے ''تاریخ کبیر'' کو اس وقت نقل کیا جب ابھی امام بخاری کی ڈاڑھی بھی نہیں آئی تھی۔ (شہاب الدین احمد القسطلانی التوفی ۹۲۳ھ ارشاد الساری ج ۱ ص ۳۲)

حصولِ علم کے لیے رحلت

امام بخاری نے طلبِ حدیث کے لیے پہلا سفر مکہ کی طرف ۲۱۶ھ میں کیا تھا۔ اور اگر وہ اس سے پہلے سفر کرتے تو اس زمانہ کے طبقہ عالیہ کے ان محدثین سے روایت حاصل کر لیتے جن سے ان کے معاصرین نے روایت کی ہے اگرچہ انہوں نے طبقہ عالیہ کے مقارب رواۃ مثلاً یزید بن ہارون اور ابوداؤد طیالسی کا زمانہ پالیا تھا۔[1]

جس زمانہ میں امام بخاری مکہ میں وارد ہوئے اس وقت یمن میں امام عبدالرزاق بہ قیدِ حیات موجود تھے۔ امام بخاری نے ان سے روایتِ حدیث کے لیے ''یمن'' جانے کا قصد کیا۔ لیکن کسی نے ان کو غلط خبر دی کہ امام عبدالرزاق کا انتقال ہو گیا' یہ سن کر انہوں نے سفر کا ارادہ

[1] حافظ ابن حجر عسقلانی نے یونہی لکھا ہے لیکن امام بخاری نے چونکہ اٹھارہ سال کی عمر میں حج کیا تھا اس لیے سفر مکہ کا سن ۲۱۰ھ ہونا چاہیے۔ سعیدی غفرلہ۔

ملتوی کر دیا اور ایک واسطہ کے ساتھ امام عبدالرزاق سے روایت حدیث کرنے لگے۔

امام بخاری نے روایت حدیث کے سلسلہ میں بارہا دور دراز شہروں کا سفر کیا اور برسہا برس وطن سے دور بیٹھے اکتسابِ علم کرتے رہے۔ انہوں نے خود بیان کیا ہے کہ میں طلبِ حدیث کے لیے مصر اور شام دو مرتبہ گیا۔ چار مرتبہ بصرہ گیا' چھ سال حجاز مقدس میں رہا اور اَن گنت مرتبہ محدثین کے ہمراہ کوفہ اور بغداد گیا۔

بے مثال حافظہ

امام بخاری بے پناہ قوتِ حافظہ کے مالک تھے۔ جب ہم ان کی قوتِ حفظ کے کارنامے صفحات تاریخ پر دیکھتے ہیں تو یوں گمان ہوتا ہے جیسے وہ سر سے پیر تک حافظہ ہی حافظہ ہوں۔ ان کے حافظہ کو دیکھ کر لوگوں کے دلوں میں ابو ہریرہ کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ حاشد بن اسماعیل بیان کرتے ہیں کہ امام بخاری لڑکپن میں ہمارے ساتھ حدیث کے سماع کے لیے مشائخ ''بصرہ'' کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ امام بخاری کے سوا ہم تمام ساتھی احادیث ضبط تحریر میں لے آتے تھے۔ سولہ دن گزر جانے کے بعد ایک روز ہمیں خیال آیا اور ہم نے بخاری کو ملامت کی اور کہا کہ تم نے احادیث ضبط نہ کر کے اتنے دنوں کی محنت ضائع کر دی' امام بخاری نے ہم سے کہا: اچھا! تم اپنے ضبط شدہ نوٹ لے آؤ۔ ہم اپنے اپنے نوٹ لے کر آئے اور امام بخاری نے سلسلہ وار احادیث سنانی شروع کر دیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے پندرہ ہزار سے زیادہ احادیث بیان کر ڈالیں اور یہ سن کر ہمیں یوں گمان ہوتا تھا کہ گویا یہ روایات ہمیں امام بخاری نے لکھوائی ہیں۔

محمد بن از ہر سجستانی کہتے ہیں کہ مَیں امام بخاری کے ساتھ سلیمان بن حرب کی خدمت میں سماعِ حدیث کے لیے حاضر ہوتا تھا۔ میں احادیث لکھتا تھا اور امام بخاری نہیں لکھتے تھے کسی نے مجھ سے کہا: بخاری احادیث کو نوٹ کیوں نہیں کرتے؟ میں نے کہا: تم سے کوئی حدیث اگر لکھنے سے رہ جائے تو بخاری کے حافظہ سے لکھ لینا۔

محمد بن حاتم کہتے ہیں کہ ایک دن ہم فریابی کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ فریابی نے ایک حدیث کی سند بیان کرتے ہوئے کہا:

حدثنا سفیان عن ابی عروۃ عن ابی الخطاب عن ابی حمزۃ.

اس سند میں سفیان کے علاوہ باقی تمام راویوں کی کنیت ذکر کی گئی تھی' فریابی نے ان راویوں کے اصل نام پوچھے تمام مجلس پر سکتہ چھا گیا اور کسی کو بھی ان کے ناموں کا پتہ نہ چل سکا' بالآخر سب کی نظریں امام بخاری کی طرف اٹھیں اور انہوں نے کہنا شروع کیا: ابو عروہ کا نام معمر بن راشد ہے اور ابو الخطاب کا نام قتادہ بن دعامہ ہے اور ابو حمزہ کا نام انس بن مالک ہے جیسے ہی امام بخاری نے یہ اسماء بیان کیے تمام حاضرین مجلس دم بخود رہ گئے۔

(حافظ ابن حجر عسقلانی' المتوفی ۸۵۲ھ ہدی الساری ج ۲ص ۲۵۱)

امام بخاری کی قوتِ حفظ بیان کرنے کے لیے یہ امر کافی ہے کہ جس کتاب کو وہ ایک نظر دیکھ لیتے تھے وہ انہیں حفظ ہو جاتی تھی۔ تحصیل علم کے ابتدائی دور میں انہیں ستر ہزار احادیث حفظ تھیں اور بعد میں جا کر یہ عدد تین لاکھ تک پہنچ گیا' جن میں سے ایک لاکھ احادیث صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح تھیں۔ ایک مرتبہ ''بلخ'' گئے تو وہاں کے لوگوں نے فرمائش کی آپ اپنے شیوخ سے ایک ایک روایت بیان کریں تو آپ نے ایک ہزار شیوخ سے ایک ہزار احادیث زبانی بیان کر دیں۔

سلیمان بن مجاہد کہتے ہیں کہ ایک دن میں محمد بن سلام بیکندی کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا۔ محمد بن سلام نے کہا: اگر تم کچھ دیر پہلے میرے پاس آئے تو میں تم کو وہ بچہ دکھلاتا جس کو ستر ہزار احادیث یاد ہیں' سلیمان نے اس مجلس سے اٹھ کر امام بخاری کی تلاش شروع کر دی۔ بالآخر سلیمان نے امام بخاری کو ڈھونڈھ نکالا اور پوچھا: کیا تم ہی وہ شخص ہو جس کو ستر ہزار احادیث حفظ ہیں؟ امام بخاری نے کہا: مجھے اس سے بھی زیادہ احادیث یاد ہیں اور میں جن صحابہ سے احادیث روایت کرتا ہوں ان میں سے اکثر کی ولادت اور وفات کی تاریخ اور ان کی جائے سکونت پر اطلاع رکھتا ہوں۔ نیز میں کسی حدیث کو روایت نہیں کرتا مگر کتاب اور سنت سے اس کی اصل پر واقفیت رکھتا ہوں۔ (شہاب الدین احمد عسقلانی' المتوفی ۹۲۳ھ ارشاد الساری ج ا ص ۳۴)

اساتذہ و مشائخ

امام بخاری کے اساتذہ اور مشائخ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ انہوں نے شہر در شہر اور قریہ در قریہ جا کر علمِ حدیث حاصل کیا۔ امام بخاری نے حصولِ روایت میں اکابر' اماثل اور اصاغر کے فرق کا کبھی خیال نہیں رکھا۔ انہیں جہاں سے بھی روایت ملتی اخذ کر لیتے خواہ بیان کرنے والا

ان سے برتر ہو مساوی ہو یا کم تر۔ امام بخاری کے اساتذہ و مشائخ کی تعداد یوں تو ایک ہزار سے زائد ہے۔ لیکن انہوں نے اپنے وقت کے جن عظیم محدثین سے سماعِ حدیث کیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے:

''بخارا'' میں محمد بن سلام بیکندی' عبداللہ بن محمد مسندی' محمد بن عروہ اور ہارون بن الشغف سے ''بلخ'' میں مکی بن ابراہیم' یحییٰ بن بشر الزاہد اور قتیبہ سے۔ ''مرو'' میں علی بن شفیق عبدان' معاذ بن اسد اور صدقہ بن فضل سے ''نیشاپور'' میں یحییٰ بن یحییٰ' بشر بن حکم اور اسحاق سے ''ری'' میں حافظ ابراہیم بن موسیٰ وغیرہ سے ''بغداد'' میں محمد بن عیسیٰ' شریح بن نعمان اور معلیٰ بن منصور سے ''بصرہ'' میں ابو عاصم النبیل' بدل بن محبر' محمد بن عبداللہ انصاری' عبدالرحمان بن محمد' عمر بن عاصم اور عبداللہ بن رجاء سے ''کوفہ'' میں عبیداللہ بن موسیٰ ابو نعیم' طلق بن غنام' حسن بن عطیہ' خلاد بن یحییٰ' خالد بن مخلد اور قبیصہ سے ''مکہ'' میں ابو عبدالرحمان مقری' حمیدی اور احمد بن محمد ازرقی سے ''مدینہ'' میں عبدالعزیز اویسی' مطرف بن عبداللہ اور ابو ثابت محمد بن عبداللہ سے ''واسط'' میں عمرو بن محمد بن عون وغیرہ سے ''مصر'' میں سعید بن ابی مریم' عبداللہ بن صالح' سعید بن ملید اور عمرو بن ربیع بن طارق سے ''دمشق'' میں ابو مسہر اور ابو نصر فرادیسی سے ''قیساریہ'' میں محمد بن یوسف فریابی سے ''عسقلان'' میں آدم بن ابی ایاس سے ''حمص'' میں ابو المغیرہ' ابوالیمان' علی بن عیاش' احمد بن خالد' وہبی اور وحاظی سے سماعِ حدیث کیا ہے۔ (شہاب الدین احمد القسطلانی المتوفی ۹۲۳ھ' ارشاد الساری ج ۱ ص ۳۲)

بعض محققین نے امام بخاری کے اساتذہ اور مشائخ کے ضبط کا ایک خاص طریقہ بیان کیا ہے' انہوں نے لکھا ہے کہ امام بخاری کے اساتذہ پانچ طبقوں میں منحصر ہیں۔ طبقہ اولیٰ میں وہ مشائخ ہیں جو ثقات تابعین سے روایت کرتے ہیں جیسے محمد بن عبداللہ انصاری' مکی بن ابراہیم' ابو عاصم انیس' عبیداللہ بن موسیٰ' اسماعیل بن ابی خالد اور ابو نعیم وغیرہ' اور طبقہ ثانیہ میں وہ مشائخ ہیں جو طبقہ اولیٰ کے معاصر ہیں لیکن وہ ثقات تابعین سے روایت نہیں کرتے جیسے آدم بن ابی ایاس' ابو مسہر' سعید بن ابی مریم اور ایوب بن سلیمان وغیرہ اور طبقہ ثالثہ میں وہ مشائخ ہیں جو کبار تبع تابعین سے روایت کرتے ہیں جیسے سلیمان بن حرب' قتیبہ بن سعید' نعیم بن حماد' علی بن مدینی' یحییٰ بن معین' احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ وغیرہ۔ اس طبقہ سے روایت کرنے

میں امام مسلم بھی امام بخاری کے شریک ہیں اور طبقہ رابعہ میں وہ مشائخ ہیں جو طلب حدیث کے سلسلہ میں امام بخاری کے رفیق اور شریک تھے۔ لیکن انہوں نے سماع حدیث امام بخاری سے پہلے شروع کیا تھا جیسے محمد بن یحیٰ ذہلی اور ابو حاتم رازی، محمد بن عبدالرحیم، عبد بن حمید اور احمد بن نصر، اس طبقہ سے امام بخاری نے اس وقت احادیث کی روایت کی جب ان کے مشائخ فوت ہو چکے تھے اور جو احادیث اس طبقہ سے روایت کی ہیں وہ اور کسی کے پاس نہیں تھیں۔ اور طبقہ خامسہ میں وہ مشائخ ہیں جو دراصل امام بخاری کے تلامذہ[1] تھے۔ جیسے عبداللہ بن حماد آملی، عبداللہ بن عباس خوارزمی اور حسین بن محمد قبانی، اس طبقہ سے بھی امام بخاری نے ضرورت اور فائدہ کے پیشِ نظر احادیث روایت کی ہیں اگرچہ ان کی تعداد بہت کم ہے۔ بہر حال اس تحقیق سے یہ ظاہر ہو گیا کہ امام بخاری نے اپنے اکابر، اماثل اور اصاغر سب سے روایتِ حدیث کی ہے اور اپنے اس قول کو سچا کر دکھایا کہ اس وقت تک کوئی شخص کامل محدث نہیں ہو سکتا، جب تک کہ خود سے برتر، مساوی اور کم تر سے حدیث روایت نہ کرے۔

(حافظ ابن حجر العسقلانی، المتوفی ۸۵۲ھ ہدی الساری ج ۲ ص ۲۵۱)

خداداد ذہانت

امام بخاری کا ذہن بہت بیدار اور نکتہ رس تھا وہ قرطاس و قلم پر اتنا اعتماد نہیں کرتے تھے جتنا انہیں اپنے حافظہ اور ذہن پر اعتماد تھا۔ لوگوں نے بارہا فنِ حدیث میں امام بخاری کی قابلیت کا امتحان لیا۔ لیکن وہ اپنی خداداد ذہانت اور بے مثال حافظہ کی وجہ سے ہمیشہ سرخرو رہے۔

حافظ احمد بن عدی بیان کرتے ہیں کہ جب اہلِ بغداد کو معلوم ہوا کہ امام بخاری بغداد آ رہے ہیں تو بغداد کے محدثین نے امام بخاری کا امتحان لینے کے لیے ایک سو احادیث کے متون اور اسناد میں ردوبدل کر دیا۔ ایک حدیث کی سند کو دوسری حدیث کے ساتھ اور اس کی سند کو پہلی حدیث کے ساتھ لگا دیا اور اس طرح ایک سو احادیث کے متن اور سند الٹ پلٹ کر دیے اور دس آدمیوں میں یہ احادیث اس طرح تقسیم کر دیں کہ ہر شخص ایک ایک کر کے دس احادیث کے بارے میں امام بخاری سے سوال کرے۔

امام بخاری جب بغداد میں داخل ہوئے تو اہلِ بغداد نے ان کے اعزاز میں ایک مجلس

[1] امام ترمذی بھی اسی طبقہ میں شمار ہوتے ہیں۔ سعیدی، غفرلہ۔

مذاکرہ منعقد کی جس میں علماء امراء اور عوام کی بہت بڑی اکثریت شامل تھے۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق ایک شخص اٹھا اور اس نے سند مقلوب کے ساتھ پہلی حدیث پڑھی امام بخاری سے پوچھا: کیا آپ کو یہ حدیث معلوم ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں! اس نے پھر دوسری حدیث پڑھی پھر تیسری پھر چوتھی یہاں تک کہ اس نے دس احادیث پڑھ ڈالیں اور امام بخاری نے ہر بار نفی میں جواب دیا۔ جاننے والے اصل سبب سمجھ کر امام بخاری کے علم پر حیران ہو رہے تھے اور انجان لوگ اس جواب کو امام بخاری کا عجز سمجھ کر پریشان ہو رہے تھے پہلے شخص کے سوالات کے بعد اسی طرح دوسرے شخص نے اٹھ کر سوالات کیے اور امام بخاری نے اسی طرح جواب دیے۔ پھر تیسرا اٹھا پھر چوتھا یہاں تک کہ دس آدمیوں نے سو احادیث پوری کر ڈالیں اور امام بخاری نے ان تمام احادیث کے جواب میں یہی کہا کہ میں انہیں نہیں جانتا۔ جب امام بخاری نے دیکھا کہ یہ لوگ سوالات سے فارغ ہو گئے اور اب کوئی شخص نہیں اٹھتا تو آپ کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ پہلے شخص نے جو حدیث پڑھی اس کی اس نے یہ سند بیان کی تھی اور اس کی سند یہ ہے اس طرح ان لوگوں کی پڑھی ہوئی سو کی سو احادیث کی غلط اسناد بھی پڑھ کر سنائیں اور ان کی اصل اسناد بھی بیان کر دیں اور ہر حدیث کو اس کی اصل سند کے ساتھ لاحق کر دیا جیسے ہی امام بخاری نے اپنے بیان کو ختم کیا تمام مجلس میں تحسین و مرحبا کا غلغلہ اور آفرین کا شور اٹھا اور عوام و خواص سب نے امام بخاری کے فضل کا اعتراف اور ان کی عظمت کا اقرار کر لیا۔

(حافظ ابن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ ہدی الساری ج ۲ ص ۲۵۱)

حافظ ابوالازہر روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سمرقند میں چار سو محدث جمع ہوئے اور انہوں نے امام بخاری کو مغالطہ دینے کے لیے شام کی اسناد عراق کی اسناد میں داخل کیں اور عراق کی شام میں اسی طرح حرم کی اسناد یمن میں داخل کیں اور یمن کی حرم میں وہ لوگ سات دن تک لگاتار اس قسم کے مغالطہ آمیز متون اور اسانید امام بخاری پر پیش کرتے رہے۔ لیکن ایک بار بھی وہ امام بخاری کو نہ سند میں مغالطہ دے سکے نہ متن میں۔

(شہاب الدین احمد عسقلانی' المتوفی ۹۲۳ھ' ارشاد الساری ج ۱ ص ۳۴)

کثرتِ طرق پر اطلاق

امام بخاری علمِ حدیث میں ہمہ قسم کی معلومات کے حامل تھے۔ حدیث کے تمام طرق ان کی نظر میں ہوتے تھے ایک روایت جتنی اسانید سے مروی ہوتی تھی امام بخاری کو ان تمام پر عبور ہوتا تھا۔ اس زمانہ میں طرق واسانید پر ان سے زیادہ کسی کو دسترس نہیں تھی۔

یوسف بن موسیٰ مروزی بیان کرتے ہیں کہ میں بصرہ کی جامع مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ منادی کی آواز آئی: اے علم کے طلب گارو! امام محمد بن اسماعیل یہاں آئے ہوئے ہیں جس نے ان سے احادیث کی روایت لینی ہو وہ ان کی خدمت میں حاضر ہو جائے۔ مروزی کہتے ہیں کہ مَیں نے دیکھا ایک دبلا پتلا سا نوجوان ستون کے قریب انتہائی سادگی اور خضوع وخشوع سے نماز پڑھ رہا ہے۔ یہی امام بخاری تھے اعلان سنتے ہی چاروں طرف سے مشتاق امام بخاری کے گرد جمع ہو گئے' امام بخاری نے انہیں اگلے روز احادیث لکھوانے کا وعدہ کیا اور دوسرے روز صبح مجلسِ املاء منعقد ہو گئی۔ آپ نے فرمایا: میں تم کو وہی احادیث لکھواؤں گا جو تمہارے شہر کے محدثین بیان کرتے ہیں۔ لیکن نئی سند کے ساتھ پھر آپ نے ایک حدیث منصور کی روایت سے پڑھی اور فرمایا: تمہارے شہر والے اس حدیث کو منصور کے غیر سے روایت کرتے ہیں اسی طرح امام بخاری نے ان کو کثیر تعداد میں احادیث لکھوائیں اور ہر حدیث کے بارے میں فرماتے: تمہارے شہر والوں نے اس کو فلاں سے روایت کیا ہے اور مَیں اس کو فلاں سے لکھواتا ہوں۔

(شہاب الدین احمد القسطلانی' المتوفی ۹۲۳ھ' ارشاد الساری ج ا ص ۳۴)

حافظ ابواحمد اعمش بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ''نیشاپور'' کی ایک مجلس میں امام مسلم بن حجاج' امام بخاری سے ملنے آئے دورانِ مجلس کسی شخص نے یہ حدیث پڑھی:

عن ابن جریج عن موسیٰ بن عقبة عن اسماعیل بن ابی صالح عن ابیه عن ابی هریره عن النبی ﷺ قال کفارة المجلس اذا قام العبد ان یقول سبحانک اللهم وبحمدک اشهد ان لا اله الا انت استغفرک واتوب الیک.

امام مسلم نے اس حدیث کو سن کر کہا: سبحان اللہ! کس قدر عمدہ حدیث ہے دنیا میں اس کا ثانی نہیں ہے یعنی یہ حدیث صرف اسی سند سے پائی جاتی ہے پھر امام بخاری سے پوچھا: کیا اس

حدیث کی آپ کو کسی اور سند کا علم ہے؟ امام بخاری نے فرمایا: ہاں! لیکن وہ سند معلول ہے۔ امام مسلم نے درخواست کی کہ مجھے وہ سند بتلائیں۔ امام بخاری نے فرمایا: جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے ظاہر نہیں کیا اسے مخفی ہی رہنے دو۔ امام مسلم نے اٹھ کر امام بخاری کے سر کو بوسہ دیا اور اس عاجزی سے مطالبہ کیا کہ اگر امام بخاری نہ بتلاتے تو قریب تھا کہ امام مسلم رو پڑتے بالآخر امام بخاری نے فرمایا: اگر نہیں مانتے تو لکھو:

حدثنا موسٰی بن اسماعیل حدثنا وھیب حدثنا موسیٰ بن عقبة عن عون بن عبداللہ قال قال رسول اللہ علیه وسلم کفارة المجلس الحدیث.

امام مسلم اس حدیث کو سن کر بے حد مسرور ہوئے اور بے اختیار کہنے لگے: اے امام! میں شہادت دیتا ہوں کہ دنیا میں کوئی شخص آپ کا مماثل نہیں ہے اور جو شخص آپ سے بغض رکھے وہ حاسد کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا۔

(شہاب الدین احمد القسطلانی' المتوفی ۹۲۳ھ' ارشاد الساری ج ا ص ۳۴)

معرفتِ عللِ حدیث

عللِ حدیث کی معرفت کو علمِ اصولِ حدیث میں انتہائی اہمیت دی جاتی ہے۔ حدیث معلل اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں کوئی علت خفیہ قادحہ ہو یعنی حدیث بہ ظاہر صحیح معلوم ہوتی ہو۔ لیکن دراصل اس میں کوئی سقم ہو مثلاً موقوف کو مرفوع قرار دیا گیا ہو یا بالعکس' اسی طرح مرسل کو موصول قرار دیا ہو یا بالعکس یا ایک حدیث کے متن کو دوسری حدیث میں داخل کر دیا گیا ہو یا اور کوئی وہم ہو۔ ان عللِ مذکورہ میں سے کوئی علت بھی سند یا متن میں پائی جاتی ہو وہ حدیث معلل ہوتی ہے۔ ائمہ حدیث نے حدیث معلل کی معرفت کو بہت مشکل قرار دیا ہے حتیٰ کہ عبدالرحمٰن مہدی نے کہا کہ علل حدیث کی معرفت الہام کے سوا حاصل نہیں ہوتی۔

امام بخاری حدیث کے باقی فنون کی طرح علل حدیث میں بھی انتہائی ماہر اور اپنے وقت کے امام گردانے جاتے ہیں اور بڑے بڑے مشہور محدث آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے علل حدیث کے بارے میں معلومات حاصل کرتے تھے۔

وراق بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام مسلم بن حجاج' امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: اے استاذ الاساتذہ' سید المحدثین اور عللِ حدیث کے طبیب! یہ بتلایئے کہ:

"اخبرنا ابن جریج عن موسیٰ بن عقبۃ عن سھیل عن ابیہ عن ابی ھریرۃ"
اس سند میں کون سی علت ہے؟ امام بخاری نے فرمایا کہ موسیٰ بن عقبہ کا سہیل سے سماع نہیں ہے پس جو حدیث بہ ظاہر متصل تھی وہ درحقیقت منقطع ثابت ہوئی۔

(طاہر بن صالح بن احمد الجزائری توجیہ النظر ص ۲۶۸)

حافظ احمد بن حمدون بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک جنازہ کے موقعہ پر دیکھا کہ محمد بن یحییٰ ذہلی، امام بخاری سے اسماء اور علل کے بارے میں سوال کر رہے تھے اور امام بخاری اس تیزی اور روانی سے جواب دے رہے تھے جیسے آپ کے منہ سے جواب نہیں، کمان سے تیر نکل رہا ہو۔ (حافظ بن حجر العسقلانی، ہدی الساری ج ۲ ص ۲۶۰)

نجی حالات

امام بخاری کے والد محدث اسماعیل بن ابراہیم انتہائی امیر کبیر شخص تھے اور امام بخاری نے ان سے وراثت میں مال و دولت کا بہت بڑا حصہ حاصل کیا تھا۔ امام بخاری اپنا مال مضاربت پر دیتے تھے خود بنفسہٖ تجارت نہیں کرتے تھے۔ ایک شخص نے آپ کے پچیس ہزار درہم دینے تھے آپ نے فرمایا: تم دس درہم ماہانہ ادا کر دیا کرو۔

ابوسعید بکر بن منیر کہتے ہیں ایک مرتبہ ابوحفص نے امام بخاری کے پاس کچھ سامان بھیجا، تجار کو پتہ چلا تو اس سامان کو خریدنے کے لیے پہنچ گئے اور پانچ ہزار درہم کی پیش کش کی آپ نے فرمایا: رات کو آنا شام کو تاجروں کا دوسرا گروہ آیا اور اس نے دس ہزار درہم کی پیش کش کر دی آپ نے فرمایا: میں پہلے گروہ کے ساتھ بیع کی نیت کر چکا ہوں اب پانچ ہزار درہم کی خاطر میں اپنی نیت بدلنا نہیں چاہتا۔

سادگی اور انکساری

امام بخاری مزاج اور طبیعت کے اعتبار سے بہت سادہ اور جفاکش تھے اپنی ضرورت کے تمام کام خود کر لیا کرتے تھے۔ مال و دولت اور جاہ مرتبت کے باوجود کبھی خدام اور غلاموں کا حشم قائم نہیں رکھا۔ محمد بن حاتم وراق آپ کے خصوصی شاگرد تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام بخاری بخارا کے قریب سرائے بنا رہے تھے اور اپنے ہاتھوں سے اٹھا اٹھا کر دیوار میں اینٹیں لگا رہے تھے میں نے آگے بڑھ کر کہا: آپ رہنے دیجئے، یہ اینٹیں میں لگا دیتا ہوں آپ

نے فرمایا: قیامت کے دن یہ عمل مجھے نفع دے گا۔

وراق کہتے ہیں کہ جب ہم امام بخاری کے ساتھ کسی سفر میں جاتے تو آپ سب کو ایک کمرہ میں جمع کر دیا کرتے اور خود علیحدہ رہتے۔ ایک بار میں نے دیکھا کہ امام بخاری رات کو پندرہ بیس مرتبہ اٹھے اور ہر مرتبہ خود اپنے ہاتھ سے آگ جلا کر چراغ روشن کیا' کچھ احادیث نکالیں' ان پر نشانات لگائے پھر تکیہ پر سر رکھ کر لیٹ گئے۔ میں نے عرض کی: آپ نے رات کو اٹھ کر تنہا مشقت برداشت کی مجھے اٹھا لیتے' فرمایا: تم جوان ہو اور گہری نیند سوتے ہو میں تمہاری نیند خراب کرنا نہیں چاہتا تھا۔

فیاضی

امام بخاری جس قدر مال سے غنی تھے اس سے زیادہ ان کا دل غنی تھا۔ بعض اوقات ایک دن میں تین تین سو درہم صدقہ کر دیا کرتے تھے۔ وراق کہتے ہیں: امام بخاری کی ماہانہ آمدنی پانچ سو دراہم تھی اور یہ تمام رقم وہ طلبہ پر خرچ کر دیا کرتے تھے۔

زہد

لذائذ دنیاویہ اور عیش و عشرت سے امام بخاری کوسوں دور تھے طلب علم میں بسا اوقات انہوں نے سوکھی ہوئی گھاس کھا کر بھی وقت گزارا ہے۔ ایک دن میں عام طور پر صرف دو یا تین بادام کھایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ بیمار پڑ گئے اطباء نے بتلایا کہ سوکھی روٹی کھا کھا کر ان کی انتڑیاں سوکھ چکی ہیں۔ اس وقت امام بخاری نے بتلایا کہ وہ چالیس سال سے خشک روٹی کھا رہے ہیں اور اس طویل عرصہ میں سالن کو بالکل ہاتھ نہیں لگایا۔

خدا خوفی

امام بخاری تقویٰ اور پرہیز گاری کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے۔ ظاہر و باطن میں خدا سے بے حد ڈرتے تھے۔ مشتبہات سے بچتے' غیبت سے پرہیز کرتے اور لوگوں کے حقوق کا پورا خیال رکھتے تھے۔ انہیں تیز اندازی کا بے حد شوق تھا' ایک مرتبہ ان کا تیر نہر کے پل پر لگا اور اس کی کیل خراب ہو گئی۔ امام بخاری بے حد پریشان ہوئے اور پل کے مالک حمید بن اخضر کے پاس پیغام بھیجا کہ یا ہم کو کیل بدلنے کی اجازت دو یا کیل کی قیمت لے لو اور یا ہماری غلطی معاف کر دو۔ حمید بن اخضر نے سلام بھیجا اور کہا: اے ابو عبداللہ! میں صرف یہ کیل نہیں بلکہ اپنی تمام املاک

تمہارے تصرف میں دیتا ہوں' جس طرح چاہے ان میں تصرف کرو۔ امام بخاری نے جب یہ جواب سنا تو ان کا چہرہ کھل اٹھا' اس خوشی میں انہوں نے پانچ سو احادیث بیان کیں اور تین سو درہم صدقہ کر دیئے۔

ایک شخص نے امام بخاری سے کہا: آپ نے ''تاریخ کبیر'' میں لوگوں کے عیوب بیان کیے ہیں اور ان کی غیبت کی ہے' امام بخاری نے کہا: میں نے کسی شخص پر کوئی حکم نہیں لگایا صرف روایت بیان کی ہے۔ چنانچہ کاذب راویوں کو آپ نے ''تاریخ کبیر'' میں کذاب لکھنے کی بجائے ''کذبہ فلاں یا رماہ فلاں بالکذب '' لکھا ہے۔ بکر بن منیر سے روایت ہے کہ امام بخاری کہتے تھے کہ مجھے امید ہے کہ جب میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کروں گا تو اللہ تعالیٰ مجھ سے حساب نہیں لے گا کیونکہ میں نے کسی کی غیبت نہیں کی۔

عبادت وریاضت

امام بخاری بے حد عبادت گزار اور شب بیدار تھے' کثرت سے نوافل پڑھتے اور روزے رکھتے تھے' رمضان شریف میں ہر روز ایک ''قرآن شریف'' کا ختم کرتے اور روزانہ نصف شب کو اٹھ کر ''قرآن کریم'' کے دس پاروں کی تلاوت کرتے' تراویح میں ختم قرآن کرتے اور ہر رکعت میں بیس آیات کی تلاوت کیا کرتے تھے۔

ابو بکر بن منیر کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ محمد بن اسماعیل نماز پڑھ رہے تھے' نماز کے بعد انہوں نے قمیض کا دامن اٹھایا اور اپنے ایک شاگرد سے کہا: ذرا دیکھنا میری قمیض کے نیچے کیا ہے؟ شاگرد نے دیکھا قمیض کے نیچے زنبور تھی جس نے ان کے بدن پر پندرہ سولہ جگہ ڈنگ لگایا ہوا تھا جس کی وجہ سے آپ کا بدن جگہ جگہ سے سوجھ گیا تھا۔ ابن منیر نے پوچھا: جب آپ کو زنبور نے پہلی مرتبہ کاٹا تو اس وقت آپ نے نماز کیوں نہیں توڑی؟ آپ نے فرمایا: میں ''قرآن کریم'' کی جس آیت کی تلاوت کر رہا تھا اس میں اتنا ذوق وشوق پا رہا تھا کہ میں اس وقت اس تکلیف کی طرف متوجہ نہ ہو سکا۔

اخلاق حسنہ

امام بخاری بڑے خلیق' انتہائی بردبار اور حلیم تھے کسی شخص کی بدسلوکی پر وہ کبھی غیض و غضب میں نہ آتے اور برائی کا بدلہ ہمیشہ نیکی سے دیا کرتے تھے' کسی شخص کی اصلاح مقصود

ہوتی تو اسے برسرِ مجلس کبھی ملامت نہ کرتے' ہر شخص کی عزت نفس کا خیال رکھتے اور کبھی کسی شخص کو شرمندہ نہ ہونے دیتے۔

عبداللہ محمد صیارفی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام بخاری لکھ رہے تھے' ناگاہ کنیز آگے سے گزری اور اس نے پیر کی ٹھوکر سے دوات گرادی' آپ نے فرمایا: دیکھ کر چلا کرو'اس نے تنک کر بدتمیزی سے جواب دیا: جب راستہ نہ ہو تو کیسے چلوں؟ آپ نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا اور کہا: جاؤ تم آزاد ہو۔

علی بن محمد منصور اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام بخاری مسجد کے اندر حلقہ احباب میں بیٹھے ہوئے تھے ایک شخص کی ڈاڑھی میں کوئی گندی چیز لگی ہوئی تھی' اس نے وہ گندگی ڈاڑھی سے نکال کر مسجد کے فرش پر پھینک دی۔ علی بن محمد کہتے ہیں: مَیں نے دیکھا کہ امام بخاری نے لوگوں کی نظریں بچا کر چپکے سے وہ گندگی اپنی آستین میں اٹھا کر رکھ لی اور بعد میں لوگوں کے جانے کے بعد وہ گندگی مسجد کے باہر پھینک دی۔ اس طرح امام بخاری نے مسجد کے فرش کو بھی گندگی سے صاف کیا اور اس شخص کو بھی برسر مجلس شرمندگی سے بچالیا۔[1]

امام بخاری بے حد صابر و شاکر تھے اور اپنی ذات کا انتقام بالکل نہیں لیتے تھے۔ ان کے شیوخ میں سے محمد بن یحییٰ ذہلی نے ''نیشاپور'' میں الفاظِ قرآن کو غیر مخلوق نہ کہنے پر امام بخاری کے خلاف محاذ قائم کر دیا اور امام بخاری کے درس پر پابندی لگادی اور برسرِ عام کہہ دیا کہ بخاری اس شہر میں نہیں رہ سکتے جس کی وجہ سے امام بخاری ''نیشاپور'' چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ ذہلی کی اس بدسلوکی سے امام مسلم اس قدر برہم ہوئے کہ انہوں نے وہ تمام احادیث جو ذہلی سے املاء کی تھیں ایک بنڈل میں باندھ کر واپس ذہلی کو بھجوادیں۔ لیکن امام بخاری نے ذہلی کی روایت کو نہیں چھوڑا اور ''صحیح بخاری'' میں ذہلی کی روایات کو برقرار رکھا البتہ پورا نام ذکر کرنے کی بجائے یا فقط ''محمد'' لکھتے ہیں یا اس کے دادا کی طرف نسبت کر کے محمد بن خالد لکھتے۔ کسی نے اس اجمال کی وجہ پوچھی تو بتلایا کہ ذہلی مجھ پر جرح کرتا ہے اگر میں اس کا نام صراحۃً ذکر کروں تو وہ متعین ہو جائے گا اور لوگ سمجھیں گے کہ میں اپنے جارح کی تعدیل کر رہا ہوں اور اس سے میری صداقت اور عدالت پر حرف آئے گا' جس کا اثر میری روایت پر پڑے گا۔

[1] سیرت کے یہ تمام واقعات ہدی الساری (ج ۲'ص ۴۔۲۵۲) سے لیے گئے ہیں۔

امام بخاری کا فقہی مسلک

امام بخاری کے اپنے کلام میں اس بات کی کوئی تصریح نہیں ہے کہ ان کا فقہی مسلک کیا تھا؟ البتہ ''جامع صحیح'' میں امام بخاری ایسی احادیث بہ کثرت لائے ہیں جو مسلک شافعی کی مؤید ہیں اور غالباً اسی بناء پر بعض مشاہیر علماء نے ان کو امام شافعی کا مقلد گردانا ہے چنانچہ امام قسطلانی تاج الدین سبکی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

وقد ذکره ابو عاصم فی طبقات اصحابنا الشافعیة.

ابو عاصم نے امام بخاری کو ہمارے طبقات شافعیہ میں بیان کیا ہے۔

(ارشاد الساری ج ۱ ص ۳۶)

تاج الدین سبکی امام بخاری کے بارے میں لکھتے ہیں:

وسمع بمکة عن الحمیدی وعلیه تفقه عن الشافعی.

یعنی امام بخاری نے مکہ میں حمیدی سے سماع کیا اور انہیں سے فقہ شافعی پڑھی۔

(امام تاج الدین السبکی' المتوفی ۷۷۱ھ' طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۳)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

ذکر ابو عاصم العبادی ابا عبد الله فی کتابه الطبقات وقال سمع من الزعفرانی وابی ثور و الکرابیسی قلت وتفقه علی الحمیدی و کلهم من اصحاب الشافعی.

ابو عاصم عبادی نے امام بخاری کا ذکر اپنی کتاب ''طبقات شافعیہ'' میں کیا ہے اور کہا ہے کہ امام بخاری نے زعفرانی' ابوثور اور کرابیسی سے سماع کیا ہے اور میں کہتا ہوں: انہوں نے حمیدی سے فقہ پڑھی ہے اور یہ سب امام شافعی کے شاگرد تھے۔

(امام تاج الدین السبکی' المتوفی ۷۷۱ھ' طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۴)

امام تاج الدین سبکی نے یہ تمام ثبوت حافظ ابو عاصم کے اس قول کو تقویت پہنچانے کے لیے ذکر کیے ہیں کہ امام بخاری شافعی المذہب تھے۔ حافظ ابو عاصم ۳۵۷ھ میں یعنی امام بخاری کے وصال کے ٹھیک ایک سو ایک سال بعد پیدا ہوئے' ان کا زمانہ امام بخاری کے بہت قریب تھا اس لیے ان کی بات پر اعتماد کرنے کی وجوہ ہیں۔

اور نواب صدیق حسن بھوپالی ''مدینۃ العلوم'' سے نقل کر کے لکھتے ہیں:

ولنذکر بعد ذالک نبذا من آئمة الشافعية ليكون الكتاب كامل الطرفين حائز الشرفين وهؤلاء صنفان احدهما من تشرف بصحبة الامام الشافعي والآخر من تلاهم من الائمة اما الاول فمنهم احمد الخلال' ابوجعفر البغدادی واما الصنف الثانی فمنهم محمد بن ادريس ابو حاتم الرازی و محمد بن اسماعیل البخاری و محمد بن علی الحکیم ترمذی. (نواب صدیق حسن بھوپالی التوفی' ابجد العلوم ص ۸۱۱)

اور ہمیں چاہیے کہ اب کچھ ائمہ شافعیہ کا تذکرہ کریں تا کہ ہماری کتاب حنفی اور شافعی دونوں طرفوں کی جامع ہو جائے اور ائمہ دو قسم پر ہیں۔ ایک وہ جو امام شافعی کی صحبت سے مشرف ہیں۔ جیسے احمد خلال اور ابوجعفر بغدادی' دوسری قسم کے ائمہ شافعیہ وہ ہیں جیسے محمد بن ادریس رازی' محمد بن اسماعیل البخاری اور حکیم ترمذی۔

ان ٹھوس حوالہ جات کے پیشِ نظر امت کی اکثریت اس طرف گئی ہے کہ امام بخاری شافعی المذہب تھے۔

بہرحال امام بخاری شافعی ہونے کی تقدیر پر بھی محض مقلد نہیں تھے بلکہ مجتہد فی المسائل تھے اور طبقاتِ فقہاء میں تیسرے درجے پر فائز تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بعض مسائل میں امام شافعی سے اختلاف کرتے ہیں اور ان مسائل میں خود اجتہاد کرتے ہیں۔ اسی لیے اہلِ علم کے نزدیک امام بخاری کی مثال شوافع میں ایسی ہے جیسے احناف میں امام ابوجعفر طحاوی۔

کلمات الثناء

امام بخاری کے علمی اور عملی کمالات اور ان کے فضائل ومناقب کا ان کے زمانہ کے تمام اہلِ فضل حضرات نے اعتراف کیا ہے۔ جن لوگوں نے آپ کی علمی اور عملی خدمات کو سراہا ان میں آپ کے مشائخ' معاصرین اور تلامذہ کی ایک طویل فہرست ہے۔ اگر امام بخاری کے حق میں بیان کیے گئے تمام تعریفی کلمات کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔ علامہ

ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ امام بخاری کی اس قدر مدح وثناء کی گئی ہے کہ قرطاس وقلم ختم ہو سکتے ہیں۔لیکن ان کے مناقب کا بیان ختم نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ وہ بحر ہے جو اپنا ساحل نہیں رکھتا۔

اساتذہ سے

امام بخاری کے استاذ ابو معصب احمد بن ابی بکر نے کہا: امام بخاری حدیث میں امام احمد بن حنبل سے زیادہ بصیرت رکھتے ہیں۔کسی شخص نے اس بات پر تعجب کیا تو انہوں نے کہا: اگر تم امام مالک کو دیکھتے تو ان میں اور بخاری میں سرمو فرق نہ پاتے۔امام بخاری کے ایک استاذ قتیبہ بن سعید نے کہا: میرے پاس مشرق ومغرب سے بے شمار لوگ علمِ حدیث کی تحصیل کے لیے آئے۔لیکن ان میں بخاری جیسا کوئی نہ تھا۔امام احمد بن حنبل نے کہا: ارضِ ''خراسان'' نے آج تک بخاری کی نظیر نہیں پیدا کی۔اسحاق بن راہویہ نے کہا: بخاری سے احادیث روایت کرو اور ان کو لکھ لیا کرو۔بلاریب اگر بخاری' حسن بصری کے زمانہ میں ہوتے تو وہ علمِ حدیث میں ان کی طرف رجوع کرتے۔

معاصرین سے

امام بخاری کے معاصرین میں سے دارمی نے کہا: میں نے حجاز' شام اور عراق کے علماء دیکھے مگر بخاری جیسا کوئی نہیں دیکھا۔اسحاق بن خزیمہ نے کہا: اس آسمان کے نیچے محمد بن اسماعیل سے بڑھ کر کوئی عالم بالحدیث نہیں ہے۔حاتم بن منصور نے کہا: امام بخاری اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے ایک آیت ہیں۔

تلامذہ سے

اور تلامذہ سے امام ترمذی نے کہا: میں نے اسانید اور علل کے علم میں امام بخاری سے بڑھ کر کسی کو نہیں پایا۔امام مسلم نے کہا: مَیں شہادت دیتا ہوں کہ امام بخاری کا کوئی مماثل نہیں ہے اور سلیم بن مجاہد نے کہا: میں نے ساٹھ سال سے امام بخاری جیسا کوئی شخص نہ علم میں دیکھا ہے نہ عمل میں۔(ابن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ ہدی الساری ج ۲ ص ۱۵۴)

تلامذہ کی تعداد

امام بخاری کے زمانہ میں بصرہ' بغداد' نیشاپور' سمرقند اور بخارا علوم اسلامیہ کے مرکز قرار دیئے جاتے تھے۔ ان شہروں میں امام بخاری بارہا گئے اور بے حساب لوگوں کو احادیث املاء کرائیں۔ ''بخارا'' سے لے کر ''حجاز'' تک امام بخاری کے تلامذہ کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ ملا علی قاری ہروی اور قسطلانی نے لکھا ہے کہ امام بخاری سے ایک لاکھ اشخاص نے روایت کی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ عدد و شمار ان کے تلامذہ کا احصاء کرنے سے قاصر ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام بخاری کے تلامذہ کا اجمالاً ذکر کیا ہے' وہ لکھتے ہیں: امام بخاری کے مشائخ میں سے عبداللہ بن مسندی' عبداللہ بن منیر' اسحاق بن احمد سرماوی اور محمد بن خلف بن قتیبہ نے ان سے روایت کی ہے۔

(شہاب الدین ابن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ ہدی الساری ج ۲ ص ۲۶۵)

معاصرین میں سے ابوزرعۃ' ابوحاتم رازی' ابراہیم حربی' ابوبکر بن ابی عاصم' موسےٰ بن ہارون جمال' محمد بن عبداللہ بن مطین' اسحاق بن احمد بن زیرک فارسی' محمد بن قتیبہ بخاری اور ابوبکر بن اعین نے امام بخاری سے روایت کی ہے۔

اکابرین میں سے حافظ صالح بن محمد' مسلم بن حجاج' ابوالفضل احمد بن سلمہ' ابوبکر بن اسحاق بن خزیمہ' محمد بن نصر مروزی' ابوعبدالرحمٰن نسائی اور ابوعیسیٰ ترمذی نے امام بخاری سے روایت کی ہے۔

جن لوگوں نے باقاعدہ شاگردی اختیار کی اور امام بخاری کا اعتماد حاصل کیا ان کے اسماء یہ ہیں: عمر بن محمد بجیری' ابوبکر بن ابی الدنیا' ابوبکر بزار' حسین بن محمد تبائی' یعقوب بن یوسف بن اخرم' عبداللہ بن محمد بن ناجیہ' سہل بن شازویہ بخاری' عبیداللہ بن واصل' قاسم بن زکریا مطرز' ابوقریش محمد بن جمعہ' محمد بن سلیمان باغندی' ابراہیم بن موسیٰ جوہری' علی بن عباس' ابوحامد اعمشی' ابوبکر احمد بن صدقہ بغدادی' اسحاق بن داؤد' حاشد بن اسماعیل بخاری' محمد بن عبداللہ بن جنید' محمد بن موسیٰ' جعفر بن محمد نیشاپوری' ابوبکر بن داؤد' ابوالقاسم بغوی' ابومحمد بن صاعد' محمد بن ہارون حضرمی' اور حسین بن عالمی بغدادی۔

تصانیف

امام بخاری کی زندگی کا اکثر حصہ احادیث کی تلاش میں شہر در شہر سفر میں گزرا ہے اور انہیں کسی ایک جگہ سکون سے بیٹھ کر کام کرنے کا موقع بہت کم ملا ہے۔ اس کے باوجود انہوں نے خاطر خواہ تعداد میں تصانیف چھوڑی ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی اور دیگر حضرات نے جو امام بخاری کی تصانیف گنوائی ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) الجامع الصحیح (۲) التاریخ الکبیر (۳) التاریخ الاوسط (۴) التاریخ الصغیر (۵) کتاب الضعفاء (۶) کتاب الکنٰی (۷) الادب المفرد (۸) جزء رفع الیدین (۹) جزء القراۃ خلف الامام (۱۰) کتاب الاشربہ (۱۱) کتاب الھبہ (۱۲) کتاب العلل (۱۳) برالوالدین (۱۴) الجامع الکبیر (۱۵) التفسیر الکبیر (۱۶) المسند الکبیر (۱۷) خلق افعال العباد (۱۸) قضایا الصحابہ والتابعین (۱۹) کتاب الوحدان (۲۰) کتاب المبسوط (۲۱) کتاب الفوائد (۲۲) اسامی الصحابہ۔

خلق قرآن کا مناقشہ

۲۵۰ھ میں امام بخاری نے "نیشاپور" آنے کا پروگرام بنایا۔ اس خبر کو سنتے ہی اہلیانِ "نیشاپور" میں فرحت و مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ اس زمانہ میں محمد بن یحییٰ ذہلی "نیشاپور" کی علمی ریاست کے والی تھے۔ محمد بن یحییٰ ذہلی نے شہر کے لوگوں کو امام بخاری کے استقبال کی تلقین کی۔ چنانچہ لوگوں کے ایک انبوہ کثیر نے محمد بن یحییٰ کی قیادت میں شہر سے تین مرحلہ آگے جا کر امام بخاری کا استقبال کیا اور انتہائی تزک و احتشام سے امام بخاری کو شہر میں لے کر آئے۔ امام مسلم بن حجاج کہتے ہیں: مَیں نے اس سے پہلے اتنا عظیم الشان استقبال نہ کسی عالم کا دیکھا تھا نہ کسی حاکم کا۔

امام بخاری نے "نیشاپور" میں درسِ حدیث دینا شروع کیا' ان کے درس میں ہر وقت اژدہام رہتا تھا اور بے حساب لوگ امام بخاری سے علمِ حدیث کا استفادہ کرتے تھے۔ بعض حاسدین کو امام بخاری کی شہرت اور مقبولیت بُری لگی اور انہوں نے محمد بن یحییٰ کو امام بخاری کا مخالف بنا دیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ محمد بن یحییٰ ذہلی "قرآن کریم" کے الفاظ کو بھی قدیم مانتے تھے اور اس پر بڑی شدت سے قائم تھے' کسی شخص نے جا کر امام بخاری سے پوچھا کہ "قرآن"

مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟ امام بخاری ٹالتے رہے، جب اس نے زیادہ اصرار کیا تو آپ نے کہا: ''القرآن کلام اللہ غیر مخلوق'' اس نے پھر اصرار کیا قرآن کے الفاظ کا حکم بتلایئے، تو آپ نے کہا: ''افعالنا مخلوقة و الفاظنا من افعالنا'' (ہمارے افعال مخلوق ہیں اور الفاظ بھی ہمارے افعال ہیں) بس پھر کیا تھا شور مچ گیا کہ امام بخاری الفاظ قرآن کو مخلوق مانتے ہیں۔ جب ذہلی تک یہ خبر پہنچی تو وہ تمام عنایات منقطع کر کے یکسر مخالف ہو گئے اور اعلان کر دیا کہ بخاری کے درس میں کوئی شخص نہ جائے۔ چنانچہ مسلم بن حجاج کے سوا تمام لوگوں نے امام بخاری کے درس میں جانا بند کر دیا۔ آخر کار جب امام بخاری اہلِ ''نیشاپور'' سے مایوس ہو گئے تو آپ نے ''نیشاپور'' سے ''بخارا'' کی طرف روانگی کا قصد کر لیا۔

(حافظ ابنِ حجر عسقلانی ۸۵۲ھ ہدی الساری ج ۲ ص ۲۶۲)

وطن کو واپسی

جب اہلِ وطن کو معلوم ہوا کہ امام بخاری وطن واپس لوٹ رہے ہیں تو انہیں بے حد خوشی ہوئی انہوں نے ''بخارا'' سے کئی منزل پہلے امام بخاری کی پیشوائی کے لیے خیمے نصب کر دیئے اور بڑے تزک و اہتمام اور شان و شکوہ سے امام بخاری کو شہر لے کر آئے۔ امام بخاری نے ''بخارا'' میں درس قائم کر دیا اور اطمینان سے پڑھانے میں مصروف ہو گئے۔

حاسدین نے یہاں بھی امام بخاری کا پیچھا نہ چھوڑا، وہ خلافت عباسیہ کے نائب خالد بن احمد ذہلی والی ''بخارا'' کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ امام بخاری سے کہیے کہ وہ آپ کے صاحبزادے کو گھر آ کر پڑھایا کریں، جب والی ''بخارا'' نے امام بخاری سے یہ فرمائش کی تو آپ نے فرمایا: میں علم کو سلاطین کے دروازے پر لے جا کر ذلیل کرنا نہیں چاہتا جس شخص کو پڑھنے کی ضرورت ہے اس کو میرے درس میں آنا چاہیے۔ والئ بخارا نے کہا: اگر میرا لڑکا درس میں آئے تو وہ عام لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر نہیں پڑھے گا آپ کو اسے علیحدہ پڑھانا ہوگا امام بخاری نے جواب دیا: میں کسی شخص کو احادیثِ رسول ﷺ کی سماعت سے روک نہیں سکتا۔ یہ جواب سن کر حاکم ناراض ہو گیا اور اس نے ابن الوقت علماء سے امام بخاری کے خلاف فتویٰ حاصل کر کے انہیں شہر سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔

امام بخاری اپنے وطن میں آ کر بے وطن ہونے پر بہت آزردہ ہوئے۔ ابھی ایک ماہ بھی

نہ گزرا تھا کہ خلیفہ نے والی ''بخارا'' خالد بن احمد ذہلی کو معزول کر دیا اور اسے گدھے پر سوار کرا کے محل سے نکالا گیا اور قید خانہ میں بند کر دیا گیا جہاں وہ انتہائی ذلت اور رسوائی سے چند دن گزارنے کے بعد ہلاک ہو گیا۔ اسی طرح جن لوگوں نے امیرِ بخارا کی معاونت کی تھی وہ سب مختلف بلاؤں میں گرفتار ہو کر ہلاک ہو گئے۔

(حافظ ابن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ ہدی الساری ج ۲ ص ۲۶۵)

وصال

''بخارا'' سے واپس ہونے کے بعد امام بخاری نے ''سمرقند'' جانے کا قصد کیا۔ ابھی ''سمرقند'' سے کئی منزل دور تھے تو آپ کو اطلاع ملی کہ اہلِ ''سمرقند'' میں آپ کے بارے میں دو آراء ہو گئی ہیں' یہ سن کر آپ وہیں راستہ میں ''خرتنگ'' نامی ایک بستی میں رک گئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی: اے خدا! یہ زمین اپنی وسعت کے باوجود مجھ پر تنگ ہوتی جا رہی ہے مجھے اپنے پاس واپس بلا لے' اس دعا کے بعد آپ بیمار پڑ گئے۔ اس اثناء میں اہلِ سمرقند نے بلانے کے لیے آپ کے پاس قاصد بھیجا آپ جانے کے لیے تیار ہوئے مگر طاقت نے ساتھ نہ دیا۔ چند دعائیں پڑھیں اور لیٹ گئے' جسم سے پسینہ بہنا شروع ہوا۔ ابھی وہ پسینہ خشک نہ ہوا تھا کہ آپ نے جان' جانِ آفرین کے سپرد کر دی اور اس طرح یکم شوال ۲۵۶ھ کو باسٹھ سال کی زندگی گزار کر رات کے وقت علم و فضل کا وہ عظیم آفتاب غروب ہو گیا جس کے علم و عمل کی روشنی سے سمرقند' بخارا' بغداد اور نیشاپور کے بے شمار عوام و خواص اپنے دل و دماغ کو منور کر رہے تھے۔

(حافظ ابن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ ہدی الساری ج ۲ ص ۲۶۶)

بارگاہِ رسالت میں مقبولیت

امام بخاری نے ساری عمر رسول اللہ ﷺ کے اسوہ کی تلاش آپ کے اقوال کی تتبع اور آپ کی احادیث کی خدمت میں گزاری' ان کی زندگی کا ایک ایک عمل متابعتِ رسول کا مظہر تھا۔ وراق کہتے ہیں: میں نے ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ امام بخاری حضور ﷺ کے پیچھے پیچھے جا رہے ہیں اور حضور ﷺ جس جگہ قدم رکھتے ہیں امام بخاری بھی بعد میں وہیں قدم رکھتے ہیں۔ (حافظ ابن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ ہدی الساری ج ۲ ص ۲۶۲)

فربری کہتے ہیں: مَیں نے خواب میں دیکھا کہ مَیں کسی جگہ جا رہا ہوں' حضور ﷺ نے

پوچھا: کہاں جا رہے ہو؟ میں نے عرض کیا: محمد بن اسماعیل کے پاس' آپ نے فرمایا: جاؤ اور اسے جا کر میرا سلام کہنا۔

حضور ﷺ کی یہ عنایات جس طرح زندگی میں امام بخاری کے شاملِ حال تھیں۔ اسی طرح وصال کے بعد بھی یہ توجہات ان پر سایہ فگن رہیں۔ چنانچہ عبدالواحد بن آدم طواویسی کہتے ہیں کہ میں نے ایک رات خواب دیکھا کہ حضور ﷺ جماعت صحابہ کے ساتھ ایک جگہ کھڑے ہوئے ہیں' میں نے پوچھا: حضور! کس کا انتظار ہے؟ فرمایا: بخاری کا۔ طواویسی کہتے ہیں: چند دن بعد مجھے امام بخاری کے وصال کی خبر پہنچی' میں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ امام بخاری کا اسی رات انتقال ہوا تھا جس رات میں نے خواب میں حضور ﷺ کی زیارت کی تھی۔

مزارِ بخاری کی برکات

امام بخاری کی نمازِ جنازہ کے بعد جب ان کی قبر پر مٹی ڈالی گئی تو مدتِ مدید تک اس مٹی سے مشک کی مہک آتی رہی۔ اور عرصہ دراز تک لوگ دور دور سے آ کر امام بخاری کی قبر کی مٹی کو بطور تبرک لے جاتے رہے۔ (حافظ ابن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ ہدی الساری ج ۲ ص ۲۶۶)

ابوالفتح سمرقندی بیان کرتے ہیں کہ امام بخاری کے وصال کے دو سو سال بعد ''سمرقند'' میں خشک سالی کی وجہ سے قحط نمودار ہو گیا۔ لوگوں نے بارہا نماز استسقاء پڑھی' دعائیں مانگیں مگر بارش نہ ہوئی پھر ایک مردِ صالح' قاضی شہر کے پاس گیا اور اس کو مشورہ دیا کہ تم شہر کے لوگوں کو لے کر امام بخاری کی قبر پر جاؤ اور وہاں جا کر اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا مانگو شاید اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول کر لے' قاضی شہر نے یہ مشورہ قبول کر لیا اور شہر کے لوگوں کو لے کر امام بخاری کی قبر پر حاضر ہوا لوگوں نے وہاں گریہ وزاری کا اظہار کیا اور اللہ تعالیٰ سے نہایت خضوع و خشوع سے دعا مانگی اور امام بخاری سے قبولیت دعا کے لیے سفارش کی درخواست کی اسی وقت آسمان پر بادل امڈ آئے اور سات دن تک لگاتار اس قدر بارش ہوتی رہی کہ لوگوں کے لیے ''خرتنگ'' سے ''سمرقند'' پہنچنا مشکل ہو گیا۔

(شہاب الدین احمد قسطلانی' متوفی ۹۲۳ھ ارشاد الساری ج ا ص ۳۹)

حرفِ آخر

امام بخاری عالم و فاضل عابد و زاہد اور فیاض و جواد تھے۔ ان کا چہرہ ہمیشہ خوف الٰہی سے زرد اور محبتِ رسول سے روشن رہتا تھا۔ ان کے فیضان کا جو سلسلہ ان کی زندگی میں قائم ہوا تھا وہ آج تک نہیں ٹوٹا اور آج اُمتِ مسلمہ دین کے جن احکام سے واقف ہے ان میں امام بخاری کی خدمات کا بہت بڑا حصہ ہے' انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی احادیث کی اشاعت کی' اللہ تعالیٰ نے ان کے ذکر کو دنیا میں پھیلا دیا اور حق یہ ہے کہ جب تک مدارس اور مکاتب میں ''قیل و قال رسول'' کی محفل سجی رہے گی' آسمان رحمت سے بخاری کی قبر پر انوار و تجلیات کی بارش ہوتی رہے گی۔

صحیح بخاری

امام بخاری کی تصانیف یوں تو بیس سے زیادہ ہیں۔ لیکن جو عظمت' شہرت اور مقبولیت ''صحیح بخاری'' کے حصہ میں آئی وہ کسی کتاب کو حاصل نہ ہو سکی بلکہ حق یہ ہے کہ تمام امہاتِ کتبِ حدیث میں جو مقام ''صحیح بخاری'' کو حاصل ہوا وہ اور کسی کتاب نے نہیں پایا۔ نیز علماء اُمت کا اس پر اتفاق ہے کہ کتاب اللہ کے بعد ''صحیح بخاری'' سے زیادہ کوئی صحیح کتاب روئے زمین پر موجود نہیں ہے۔ امام شافعی نے ''موطأ امام مالک'' کو صحیح ترین کتاب قرار دیا تھا لیکن وہ صحیح بخاری کی تصنیف سے پہلے کی بات تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ ''صحیح بخاری'' کے منظرِ وجود میں آنے کے بعد متقدمین کی تمام کتابیں پس منظر میں چلی گئیں۔

متاخرین کی کتابوں میں ''صحیح مسلم'' نے بے شک بڑا نام کمایا بلکہ بعض مغاربہ نے ''صحیح مسلم'' کو ''صحیح بخاری'' پر ترجیح بھی دے ڈالی۔ لیکن ان لوگوں کو جمہور کی موافقت حاصل نہ ہو سکی اور محققین نے دلائل و براہین سے ثابت کر دکھایا کہ مسلم کی احادیث کا درجہ صحت اور اتصال میں بخاری سے بہت کم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امام مسلم نے اپنی ''صحیح'' میں جس قدر احادیث درج کی ہیں وہ سب امام بخاری کی توجہ اور عنایات کا ثمرہ ہیں اسی لیے دارقطنی نے کہہ دیا کہ اگر امام بخاری نہ ہوتے تو امام مسلم سے کسی حدیث کا ظہور نہ ہوتا۔

سبب تالیف

عہد صحابہ و تابعین میں تدوینِ احادیث کا اہتمام نہیں تھا' جس کی اصل وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں کو اپنے ضبطِ صدر اور حافظہ پر قوی اعتماد تھا البتہ اتباع تابعین کے عہد میں تدوینِ حدیث کا عام رواج ہو چکا تھا اور متعدد جلیل القدر محدثین نے مجموعہ احادیث ترتیب دے رکھے تھے ان کتابوں میں امام ابوحنیفہ کی ''کتاب الآثار'' امام مالک کی ''موطأ' جامع سفیان ثوری' مصنف ابن ابی شیبہ' مصنف عبدالرزاق اور مسند احمد'' کی بہت شہرت تھی۔ لیکن اس وقت تک حدیث کے موضوع پر جس قدر کتابیں معرضِ وجود میں آئی تھیں ان میں سے کسی کتاب میں بھی صرف احادیث صحیحہ لانے کا التزام نہیں کیا گیا تھا بلکہ ان میں شاذ' منکر' مدلس اور معلل ہر قسم کی

روایات جمع کر دی گئی تھیں۔ اس وقت اس بات کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی تھی کہ ایک ایسا مجموعہ احادیث ترتیب دیا جائے جس میں صرف احادیث صحیحہ کو جمع کیا جائے۔ اسی ضرورت کے پیشِ نظر امام بخاری کے استاذ اسحاق بن راہویہ نے امام بخاری سے کہا کہ کاش! تم رسول اللہ ﷺ کی سنن کو اسانید صحیحہ کے ساتھ جمع کر لو تاکہ تصحیح مجرد کا مجموعہ تیار ہو جائے۔

اسی زمانہ میں امام بخاری نے خواب دیکھا کہ وہ حضور ﷺ کے سامنے کھڑے ہوئے پنکھا جھل کر مکھیاں اڑا رہے ہیں۔ اس خواب کی تعبیر یہ بتائی گئی کہ امام بخاری حضور ﷺ کی طرف منسوب جھوٹی باتوں کو دور کریں گے۔ اس تعبیر کے بعد امام بخاری نے احادیثِ صحیحہ جمع کرنے کا پختہ عزم کر لیا۔ (ملا علی قاری، التوفی ۱۰۱۴ھ، مرقاۃ المفاتیح ج ا ص ۱۳)

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ''صحیح بخاری'' کی تالیف کے صرف یہی دو سبب تھے لیکن اگر نظرِ غائر سے ''صحیح بخاری'' کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ تالیفِ ''صحیح'' کا مقصد صرف جمع احادیث ہی نہیں بلکہ تراجم پر استدلال اور احادیث سے مسائل کا استنباط بھی ہے۔ کیونکہ بسا اوقات امام بخاری ترجمہ ابواب قائم کرتے ہیں اور اس کے تحت کوئی حدیث ذکر نہیں کرتے۔ مثلاً ''کتاب العلم'' میں ایک عنوان قائم کیا:

''باب العلم قبل القول و العمل لقول الله عزوجل فاعلم انه لا اله الا الله فبدأ بالعلم''۔ (محمد بن اسماعیل البخاری، التوفی ۱۹۴ھ، الجامع الصحیح ج ا ص ۱۶)

اس باب کے تحت امام بخاری نے اپنی سند کے ساتھ حدیث ذکر نہیں کی بلکہ ترجمۃ الباب پر صرف مذکورہ آیت سے استدلال کیا ہے۔ کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے پہلے علم کا اور پھر ''لا اله الا الله'' کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح ''کتاب الزکوٰۃ'' میں ایک باب قائم کیا:

''لا یقبل الله صدقة من غلول و لا یقبل الا من کسب طیب لقوله تعالیٰ قول معروف ومغفرة خیر من صدقة یتبعها اذیً والله غنی حلیم''۔

(محمد بن اسماعیل البخاری، التوفی ۲۵۶ھ، الجامع الصحیح ج ا ص ۱۸۹)

اس آیت کریمہ پر یہ باب ختم کر دیا گیا اور اس باب کے اثبات کے لیے امام بخاری کوئی حدیث نہیں لائے۔ بلکہ ترجمۃ الباب کو اس آیت کریمہ سے التزاماً ثابت کیا ہے کہ جب مال حلال سے صدقہ بھی بوجہ احسان مقبول نہیں ہے تو مالِ حرام سے دیا ہوا صدقہ کب قبول کر سکتا

ہے؟ ان شواہد سے معلوم ہوا کہ تالیفِ ''صحیح'' سے امام بخاری کا مقصد صرف جمعِ احادیث ہی نہیں بلکہ مسائلِ فقہیہ میں اپنے مختار پر استدلال بھی ہے۔

استدلال علی المسائل کے علاوہ تالیفِ ''صحیح'' کی تیسری غرض احادیث سے مسائل کا استنباط ہے کیونکہ ایک حدیث کو امام بخاری متعدد جگہ لاتے ہیں اور بعض دفعہ تو ایک حدیث کو انہوں نے سولہ سولہ مقامات پر ذکر کیا ہے۔ اگر ان کا مقصد صرف احادیث صحیحہ کا جمع کرنا ہوتا تو وہ ایک بار حدیث کے ذکر کر دینے سے پورا ہو سکتا تھا اور جب وہ ایک حدیث کو مختلف ابواب کے تحت متعدد جگہ لاتے ہیں تو اس سے ان کا مقصد ان مسائل کا استنباط ہوتا ہے جن کے تحت وہ اس حدیث کو ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً ایک موقعہ پر بعض صحابہ نے عجلت کی وجہ سے پیروں کو دھونے کی بجائے فقط مسح کر لیا تو حضور ﷺ نے بلند آواز سے فرمایا: ''ویل للاعقاب من النار'' اس حدیث کا امام بخاری نے دو جگہ ذکر کیا ہے' ایک جگہ ''باب من رفعه صوته بالعلم'' اور دوسری جگہ ''باب غسل الرجلین ولا یمسح علی القدمین'' کے تحت' گویا اس حدیث سے امام بخاری نے دو مسئلوں کا استنباط کیا' ایک بلند آواز سے علم کی بات کہنے کا۔ دوسرا پیروں پر مسح کی عدمِ کفایت کا۔

بہر حال اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ تالیف ''صحیح'' سے امام بخاری کا مقصود جمع احادیث کے علاوہ مسائلِ فقہیہ میں اپنے مختار پر استدلال اور احادیث سے مسائل کا استنباط بھی ہے۔

تسمیہ

امام بخاری نے اپنی ''صحیح'' کا نام ''الجامع الصحیح المسند المختصر من امور رسول اللہ ﷺ'' رکھا۔ لیکن عوام و خواص میں یہ کتاب ''صحیح بخاری'' کے نام سے مشہور ہو گئی۔ محدثین کی اصطلاح میں جامع' حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں آٹھ مخصوص عنوانوں کے تحت احادیث ذکر کی جائیں جو یہ ہیں: سیر' تفسیر' آداب' عقائد' فتن' احکام' اشراط' مناقب' اور الصحیح کا مطلب ہے کہ اس مجموعہ کی تمام احادیث صحیح ہوں اور ''المختصر من امور رسول اللہ'' کا مفاد یہ ہے کہ اس کتاب میں حضور ﷺ کے اقوال' افعال' احوال' صفات اور ایام سے متعلق احادیث لائی جائیں گی۔

ادب اور اہتمام

امام بخاری نے اپنی ''صحیح'' کا چھ لاکھ احادیث میں سے انتخاب کیا ہے۔ حدیث شریف کو کتاب میں ذکر کرنے سے پہلے وہ غسل کرتے' اس کے بعد دو رکعت نفل پڑھتے پھر اس حدیث کی صحت کے بارے میں استخارہ کرتے' اس کے بعد اس حدیث کو اپنی ''صحیح'' میں درج کرتے۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی اس کتاب کو سولہ سال کی مدت میں مکمل کیا' میں نے اس کتاب میں صرف صحیح احادیث شامل کی ہیں اور جن صحیح احادیث کو میں نے طوالت کی وجہ سے ترک کر دیا ہے ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

امام بخاری نے اپنی ''صحیح'' کا مسودہ مکہ' بصرہ اور بخارا میں تیار کیا اور اس کی تبییض مسجد حرام میں کی اور مدینہ منورہ میں روضہ شریفہ کے پہلو میں بیٹھ کر تراجم ابواب لکھے۔ امام بخاری کے شاگرد محمد بن ابی حاتم وراق کہتے ہیں کہ میں نے امام بخاری سے پوچھا: کیا آپ کو وہ تمام احادیث یاد ہیں جو آپ نے اپنی ''صحیح'' میں وارد کی ہیں؟ امام بخاری نے فرمایا: ''جامع صحیح'' کی کوئی حدیث مجھ سے مخفی نہیں ہے کیونکہ میں نے اس کو تین مرتبہ لکھا ہے۔

(حافظ ابن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' ہدی الساری ج ا ص ۱۸)

تین مرتبہ تصنیف سے غالباً تسوید' تبییض اور تنقیح مراد ہے اور ''صحیح بخاری'' کے نسخوں کا اختلاف بھی شاید اسی وجہ سے ہے۔ بعض صوفیاء سے یہ بھی منقول ہے کہ ایک مرتبہ امام بخاری نے مسودہ لکھا' دوسری مرتبہ مبیضہ تیار کیا' تیسری بار ہر حدیث کو رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیا اور جس حدیث کے بارے میں بالمشافہ یا خواب کے ذریعہ حضور سے اجازت مل گئی اور اس کی صحت کا یقین کامل ہو گیا اس کو اپنی ''صحیح'' میں درج کر دیا۔

(شیخ عبدالحق التوفی ۱۰۵۲ھ' اشعۃ اللمعات ج ا ص ۱۰)

مقبولیت

اللہ تعالیٰ نے امام بخاری کی ''صحیح'' کو بے پناہ مقبولیت عطا فرمائی۔ ''قرآن کریم'' کے بعد جس کتاب پر سب سے زیادہ اعتماد کیا جاتا ہے وہ ''صحیح بخاری'' ہے۔ ''صحیح بخاری'' پر سب سے زیادہ کام کیا گیا۔ اس کی بے شمار شروح لکھی گئی ہیں اس کی تعلیقات' متابعات' شواہد اور رجال کی تحقیق پر الگ الگ کتابیں لکھی گئیں اور امام بخاری کے زمانہ سے لے کر آج تک تمام

دینی مدارس میں انتہائی اہتمام اور شکوہ کے ساتھ ''صحیح بخاری'' کا درس دیا جاتا ہے۔

حضور ﷺ کی بارگاہ میں جس طرح امام بخاری مقبول تھے اسی طرح ان کی ''صحیح'' بھی بارگاہِ رسالت میں شرف پذیرائی رکھتی ہے۔ ابوزید مروزی بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں بیت الحرام میں رکن اور مقام کے درمیان سویا ہوا تھا۔ مَیں خواب میں حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ابوزید! شافعی کی کتابیں کب تک پڑھتے رہو گے میری کتاب کیوں نہیں پڑھتے؟ مَیں نے عرض کیا: حضور! آپ کی کتاب کونسی ہے؟ فرمایا: محمد بن اسماعیل کی ''جامع''۔ (حافظ ابن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' ہدی الساری ج ۲ ص ۲۶۲) اور انور شاہ کشمیری بیان کرتے ہیں کہ امام عبدالوہاب شعرانی نے لکھا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے آٹھ ساتھیوں کے ساتھ جاگتے میں ''صحیح بخاری'' پڑھی ہے اور ان آٹھ ساتھیوں میں سے ایک حنفی تھا۔ (شیخ محمد انور کشمیری' المتوفی ۱۳۵۲ھ' فیض الباری ج ۱ ص ۲۰۴)

ابو جمرہ کہتے ہیں کہ عرفاء سے منقول ہے کہ اگر کسی مشکل میں ''صحیح بخاری'' کو پڑھا جائے تو وہ حل ہو جاتی ہے اور جس کشتی میں ''صحیح بخاری'' ہو وہ غرق نہیں ہوتی۔ اور حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ خشک سالی میں ''صحیح بخاری'' کی قرأت سے بارش ہو جاتی ہے۔

(ملا علی قاری المتوفی ۱۰۱۴ھ' مرقاۃ المفاتیح ج ۱ ص ۱۴)

موضوع

''صحیح بخاری'' کا اصل موضوع احادیث مرفوعہ' مسندہ ہیں اور انہیں احادیث کی صحت کا امام بخاری نے التزام کیا ہے۔ ان کے علاوہ جو تعلیقات' متابعات' شواہد' آثار صحابہ' اقوال تابعین اور ائمہ فتاویٰ کے احکام ذکر کیے گئے ہیں وہ سب بالتبع ہیں۔ اور اس ضمن میں جو احادیث ذکر کی ہیں وہ امام بخاری کے موضوع سے خارج ہیں اور نہ ہی ان کی صحت کا التزام کیا گیا ہے۔

اسلوب

ہم اس سے پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ تالیف ''صحیح'' سے امام بخاری کا مقصد صرف جمع احادیث نہیں ہے بلکہ تراجم ابواب پر استدلال اور احادیث سے مسائل کا استنباط بھی ان کا مقصود تھا۔ چنانچہ ترجمۃ الباب کے اثبات کے لیے وہ سب سے پہلے ''قرآن کریم'' کی آیت پیش کرتے ہیں۔ پھر کبھی اسی پر اکتفاء کر لیتے ہیں اور بعض اوقات آثار صحابہ' اقوالِ تابعین اور

ارشاداتِ ائمہ فتویٰ سے اس کی تائید کرتے ہیں۔ اس کے بعد اس باب کے تحت اپنی پوری سند کے ساتھ حدیث کی روایت کرتے ہیں اور کبھی سند معلق سے حدیث وارد کرتے ہیں اور کبھی بغیر سند کے حدیث ذکر کر دیتے ہیں۔

امام بخاری کبھی ایک باب کے تحت احادیث کثیرہ روایت کرتے ہیں اور کبھی صرف ایک حدیث ذکر کرتے ہیں۔ یہ اس صورت میں ہے جب انہیں ترجمۃ الباب کے لیے اپنی شرائط پر احادیث مل جائیں اور کبھی ترجمۃ الباب کے تحت کسی حدیث کا ذکر نہیں کرتے بلکہ کسی حدیث کے بعینہٖ الفاظ یا اس کے ہم معنٰی الفاظ کو عنوان باب بنا کر یہ ارشاد کرتے ہیں کہ اس عنوان کے تحت ان کی شرائط پر حدیث نہیں مل سکی اور عنوان باب کو الفاظ حدیث کے ساتھ تعبیر کر کے یہ اشارہ کرتے ہیں کہ یہ حدیث فی نفسہٖ لائق حجت ہے۔

کبھی امام بخاری ایک حدیث کو متعدد جگہ ذکر کرتے ہیں اور اس سے ان کا مقصود اس حدیث سے ان متعدد مسائل کا استنباط ہوتا ہے جن سے متعلق ابواب کے تحت وہ اس حدیث کو ذکر کرتے ہیں۔

شرائط

امام بخاری نے اپنی ''صحیح'' میں حدیث وارد کرنے کی یہ شرط مقرر کی ہے کہ ان کے شیخ سے لے کر صحابی تک تمام راوی ثقہ اور متصل ہوں۔ ثقہ کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کے تمام راوی مسلم، عادل، کامل الضبط والاتقان اور کثیر الملازمۃ مع الشیخ ہوں اور اگر راوی حدیث قلیل الملازمۃ مع الشیخ ہوں تو ان کی روایت بھی اخذ کر لیتے ہیں۔ لیکن ایسے راویوں سے امام بخاری انتخاب کرتے ہیں استیعاب نہیں کرتے۔ نیز ثقہ راویوں کے لیے یہ شرط بھی ہے کہ وہ اپنے سے اوثق رواۃ کی مخالفت نہ کریں اور نہ ہی ان میں کوئی علت خفیہ قادحہ ہو۔ (علامہ طاہر بن صلاح الجزائری، توجیہ النظر ص ۹۴) اور متصل کا مطلب یہ ہے کہ ہر راوی یا تو اپنے شیخ سے ''سمعت'' یا ''حدثنا'' کے صیغہ کے ساتھ سماع حدیث کی تصریح کرے اور یا ایسا صیغہ لائے جو بظاہر سماع پر دلالت کرے۔ مثلاً ''عن فلان یا ان فلانا قال'' اس دوسری شکل میں ضروری ہے کہ راوی کی مروی عنہ سے ملاقات ثابت ہو اور وہ راوی مدلس نہ ہو۔

امام بخاری کی شرط ملاقات پر امام مسلم نے اعتراض کیا کہ پھر امام بخاری کو چاہیے کہ وہ

حدیث معنعن کو بالکل قبول نہ کریں کیونکہ لقاء کی شرط تیقن سماع کے لیے لگائی گئی ہے اور محض لقاء سے سماع لازم نہیں آتا۔ کیونکہ جائز ہے کہ ملاقات کے باوجود راوی نے مروی عنہ سے سماع نہ کیا ہو اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ اوّل یہ کہ لقاء کے باوجود اگر سماع نہ ہو تو راوی مدلس ہوگا اور مفروض یہ ہے کہ راوی مدلس نہ ہو۔ ثانی یہ کہ امام بخاری راوی اور مروی عنہ میں ملاقات کی شرط لگاتے ہیں اور امام مسلم معاصرت کی اور عدم سماع کا احتمال دونوں میں جاری ہوتا ہے اور بلا ریب ثبوت لقاء کی شرط معاصرت کی شرط کی بہ نسبت سماع سے زیادہ قریب ہے۔ قاضی ابوبکر بن عربی نے بیان کیا ہے کہ امام بخاری کی شرط یہ ہے کہ اولاً حدیث کو دو صحابی روایت کریں یا پھر ہر ایک صحابی سے دو شخص روایت کریں۔ پھر ان میں سے ہر ایک سے دو دو شخص روایت کریں۔ لیکن قاضی ابوبکر کا یہ قول صحیح نہیں ہے' کیونکہ امام بخاری نے اپنی ''صحیح'' میں جو پہلی حدیث ''انما الاعمال بالنیات'' درج کی ہے وہ صرف حضرت عمر سے مروی ہے اور حضرت عمر سے صرف علقمہ نے روایت کیا اور علقمہ سے صرف محمد بن ابراہیم نے اور ان سے صرف یحییٰ بن سعید نے۔

تعلیقات اور ان کے اسباب واقسام

حدیث معلق اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں سند کے شروع سے رواۃ کو حذف کر دیا جائے خواہ بعض کو یا سب کو۔ ''صحیح بخاری'' میں احادیث معلقہ کی وافر مقدار ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ احادیث معلقہ میں سند ذکر نہ کرنے کی ایک وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس حدیث کی سند پہلے گزر چکی ہوتی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جس شیخ سے انہوں نے سماع کیا ہوتا ہے اس میں انہیں شک واقع ہو جاتا ہے اور تیسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس حدیث کا باقاعدہ سماع نہیں کیا ہوتا بلکہ شیخ سے دورانِ گفتگو ضمناً اس حدیث کا سماع حاصل ہوتا ہے۔

تعلیقات دو قسم کی ہیں: ایک وہ ہیں جن کو امام بخاری نے دوسری جگہ موصولاً بیان کیا ہے دوسری وہ ہیں جن کو انہوں نے موصولاً بالکل ذکر نہیں کیا۔ قسم اوّل کی صحت یقینی ہے اور قسم دوم کی پھر دو قسمیں ہیں اوّل وہ تعلیقات ہیں جو امام بخاری کی شرائط کے مطابق نہیں ہیں۔ ان کی پھر دو قسمیں ہیں۔ اول وہ جن کو امام بخاری صیغہ جزم مثلاً ''قال'' یا ''ذکر'' کے ساتھ کرتے ہیں اور ثانی وہ جن کو امام بخاری صیغہ تمریض مثلاً ''روی'' یا ''یذکر'' کے ساتھ ذکر کرتے

ہیں۔ قسم اوّل میں بعض روایات کسی اور امام کی شرط پر، کبھی صحیح، کبھی حسن اور کبھی معمولی سے ضعف کی حامل ہوتی ہیں، حسن صحیح کی مثال ''کتاب الطہارۃ'' کی یہ تعلیق ہے:

''وقال عائشة رضی الله تعالٰی عنها کان النبی ﷺ یذکر الله علی کل احیان''. یہ حدیث امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور حسن کی مثال بھی ''کتاب الطہارۃ'' کی یہ تعلیق ہے: ''قال بهز بن حکیم عن ابیه عن جده الله احق ان یستحیی منه الناس'' اور قدرے ضعیف کی مثال ''کتاب الزکوٰۃ'' کی یہ تعلیق ہے: ''قال طاؤس قال معاذ بن جبل لا هل الیمن ایتونی بعرض ثیاب خمیص اولیس فی الصدقة مکان الشعیر والذرة اهون علیکم وخیر لا صحاب محمد ﷺ''. اس حدیث میں ضعف یہ ہے کہ طاؤس کا معاذ سے سماع ثابت نہیں ہے مگر یہ ضعف معمولی ہے کیونکہ طاؤس تک اسناد صحیح ہے۔

اور جن تعلیقات کو امام بخاری نے صیغہ تمریض کے ساتھ ذکر کیا ہے ان کی پانچ قسمیں ہیں: اول: وہ جو امام بخاری کی شرط پر صحیح ہیں۔ ثانی: وہ جو غیر کی شرط پر صحیح ہیں۔ ثالث: حسن۔ رابع: ضعیف مع المؤید اور خامس: ایسی ضعیف جس کا کوئی موید نہیں ہے۔ اول کی مثال ''کتاب الطب'' کی یہ تعلیق ہے: ''ویذکر عن ابن عباس عن النبی ﷺ فی الرقی بفاتحة الکتاب'' یہ سند صحیح ہے اور اس کو امام بخاری نے خود دوسری جگہ سند موصول کے ساتھ ذکر کیا ہے اور ثانی کی مثال ''کتاب الصلوٰۃ'' کی یہ تعلیق ہے: ''ویذکر عن عبدالله بن سائب قال قرأ النبی ﷺ المومنون فی صلوٰة الصبح حتی اذا جاء ذکر موسٰی و هارون اخذته سلعة''. یہ حدیث امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور انہوں نے اس کا اپنی ''صحیح'' میں اخراج بھی کیا ہے اور ثالث کی مثال ''کتاب البیوع'' کی یہ تعلیق ہے: ''ویذکر عن عثمان بن عفان رضی الله تعالٰی عنه ان النبی ﷺ قال اذا بعت فکل واذا ابتعت فاکتل''. یہ حدیث حسن ہے اور اس کو دار قطنی نے روایت کیا ہے۔ اور رابع کی مثال ''کتاب الوصایا'' کی یہ تعلیق ہے: ''ویذکر عن النبی ﷺ انه قضٰی بالدین قبل الوصیة''. اس حدیث کو امام ترمذی نے موصولاً روایت کیا ہے مگر اس کی سند میں ایک راوی ہے' حارث اور وہ ضعیف ہے۔ مگر یہ حدیث اہلِ علم کے قول کی وجہ سے تقویت پا گئی اور خامس کی مثال

''کتاب الصلوٰۃ'' کی یہ تعلیق ہے: ''ویذکر عن ابی ھریرۃ رفعہ لا یتطوع الامام فی مکانہ''. اس حدیث کو امام ابوداؤد نے اپنی ''سنن'' میں روایت کیا ہے۔لیکن اس میں شدید ضعف ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی لیث بن ابی سلیم ہے اور وہ ضعیف ہے اور اس کا شیخ الشیخ مجہول ہے اور اس ضعف کے لیے کوئی مقوی نہیں ہے۔

مذکورۃ الصدر تفصیل سے یہ ظاہر ہو گیا کہ تعلیقات بخاری میں غیر صحیح احادیث بھی موجود ہیں اور اسی وجہ سے یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ امام بخاری کا یہ قول کیونکر درست ہوگا کہ میں نے اپنی اس ''جامع'' میں صرف صحیح احادیث مندرج کی ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے ان احادیث کی صحت کا التزام کیا ہے جن کو انہوں نے پوری سند کے ساتھ ترجمۃ الباب کے اثبات کے قصد سے ذکر کیا ہے اور تعلیقات چونکہ مکمل سند کے ساتھ نہیں ہوتیں اس لیے ان کے غیر صحیح ہونے سے ''جامع صحیح'' کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

مکررات

امام بخاری کی ''صحیح'' میں اگرچہ بظاہر صورۃً تکرار بہت زیادہ ہے۔لیکن معنوی لحاظ سے اس کو تکرار نہیں کہا جا سکتا جس کی متعدد وجوہ ہیں اس کی تحقیق کے وقت یہ امر پیشِ نظر رکھنا چاہیے کہ تکرار کا تعلق متن اور سند دونوں کے ساتھ ہے۔متن کے لحاظ سے تو اس لیے تکرار نہیں ہے کہ امام بخاری جب ایک حدیث کو متعدد جگہ ذکر فرماتے ہیں تو اس سے ان کا مقصود متعدد مسائل کا استنباط ہوتا ہے وہ ایک حدیث کو ایک جگہ ایک عنوان کے تحت اور دوسری جگہ دوسرے عنوان کے تحت لاتے ہیں۔لہٰذا یہ لفظاً تکرار ہے معنیً تکرار نہیں ہے اور سند کے لحاظ سے اس لیے تکرار نہیں ہے کہ وہ بعض اوقات ایک حدیث کو دو مختلف صحابہ سے دو جگہ روایت کرتے ہیں اور کبھی دو جگہ دو مختلف تابعیوں سے روایت کرتے ہیں۔کبھی تابعی کے دو شاگردوں سے روایت اور کبھی تبع تابعین کے دو شاگردوں سے روایت کرتے ہیں کبھی امام بخاری اپنے دو استاذوں سے کبھی اپنے استاذ کے دو استاذوں سے روایت کرتے ہیں اور ان مختلف طرق سے حدیث کی روایت سے امام بخاری کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ حدیث غرابت سے نکل جائے۔نیز ایک حدیث کو بسا اوقات ایک راوی بتمامہ ذکر کر دیتا ہے اور دوسرا اختصار کرتا ہے اور بعض مرتبہ ایک معنی کو ایک راوی ایک لفظ سے تعبیر کرتا ہے اور دوسرا کسی اور لفظ سے اور بعض دفعہ ایک راوی کسی

حدیث کو ارسالاً روایت کرتا ہے اور دوسرا اسی کو اتصالاً روایت کرتا ہے اور کبھی ایک راوی ایک حدیث کو مرفوعاً روایت کرتا ہے اور دوسرا اسی کو موقوفاً بیان کرتا ہے اور کبھی ایک راوی کسی حدیث کو عنعنہ کے ساتھ روایت کرتا ہے اور دوسرا تصریح سماع کے ساتھ۔ ایسی صورتوں میں امام بخاری توضیح مرام کی خاطر حدیث کو دونوں طریقوں سے روایت کر دیتے ہیں۔ پس ایک حدیث کو امام بخاری جب دوبارہ ذکر کرتے ہیں تو وہ متن یا سند سے متعلق اس نوع کے کسی نہ کسی مزید فائدہ پر مشتمل ہوتی ہے۔ نیز ایک حدیث جب متعدد اسناد سے مروی ہو تو وہ محدثین کے نزدیک ایک حدیث نہیں بلکہ متعدد احادیث شمار ہوتی ہیں۔ اس لحاظ سے ''صحیح بخاری'' میں محض بظاہر اور برائے نام تکرار رہ جاتا ہے۔

تقطیع

تقطیع حدیث کا مطلب ہے' ایک حدیث کے اجزاء کو ابواب پر تقسیم کر دینا اس بارے میں اختلاف رہا ہے کہ تقطیع حدیث جائز ہے یا نہیں۔ بعض قدماء عدمِ جواز کے قائل تھے وہ کہتے تھے: ''لا یجوز تقطیع کلام رسول اللہ ﷺ. لیکن ابنِ صلاح لکھتے ہیں کہ یہ تقطیع کے جواز کا قول منع کی بہ نسبت زیادہ صحت کے قریب ہے۔ (امام ابو عمرو عثمان بن عبد الرحمان' التوفی ۶۴۳ھ' علوم الحدیث ص ۱۹۴) اور امام بخاری' امام مالک اور اکثر محدثین جواز ہی کے قائل تھے۔

امام بخاری تقطیع حدیث اس وقت کرتے ہیں جب متن حدیث دو حکموں پر مشتمل ہو ایک حکم ایک باب کے تحت اور دوسرا حکم دوسرے باب کے تحت ذکر کرتے ہیں اور جب اس حدیث کے دوسرے جز کا ذکر کرتے ہیں تو سند بدل دیتے ہیں تاکہ ضمناً کثرت طرق کا فائدہ حاصل ہو جائے۔

بعض اوقات ایک حدیث بظاہر متعدد غیر مربوط جملوں پر مشتمل ہوتی ہے ایسی صورت میں امام بخاری ہر جملہ کو ایک مستقل باب کے تحت لاتے ہیں اور ان تمام جملوں کو یکجا کر کے ایک باب کے تحت ذکر کر دیتے ہیں۔

اختصار

اختصار حدیث کا مطلب یہ ہے کہ متن حدیث کے کسی ایک جز کا ذکر کیا جائے اور باقی اجزاء کو بالکل چھوڑ دیا جائے۔ امام بخاری نے اپنی ''صحیح'' میں اختصار حدیث صرف اس جگہ کیا

ہے جہاں متن حدیث قول صحابی ہو اور اس کا بعض حصہ حکماً مرفوع ہو۔ ایسی صورت میں وہ متن کا مرفوع حصہ لے لیتے ہیں اور موقوف حصہ چھوڑ دیتے ہیں مثلاً انہوں نے ہزیل بن شرحبیل کی روایت ذکر کی ہے: ''ان عبدالله بن مسعود قال ان اهل الاسلام لا يسيبون وان اهل الجاهلية كانوا يسيبون ''. اور پوری روایت اس طرح ہے: ''جاء رجل الى عبدالله بن مسعود فقال انى اعتقت عبدالى سائبة ضمات و ترك مالا ولم يدع وارثا فقال عبدالله ان اهل الاسلام لا يسيبون وان اهل الجاهلية كانويسبون فانت ولى نعمة فلك ميراثه فان تاثمت و تحرجت فى شي فنحن نقبله منك ونجعله فى بيت المال ''. حدیث کے جس حصہ کی امام بخاری نے روایت کی ہے وہ اپنے عموم کی وجہ سے حضور سے نقل کا مقتضیٰ تھا اس وجہ سے اس کو حکماً مرفوع قرار دیا۔

تعدادِ مرویات

''صحیح بخاری'' کی تعدادِ مرویات میں علماء کا اختلاف ہے۔ حافظ ابن صلاح کی تحقیق یہ ہے کہ ''صحیح'' کی کل احادیث کی تعداد سات ہزار دو سو پچھتر ہے اور حذفِ مکررات کے بعد یہ تعداد چار ہزار ہے اور حافظ ابنِ حجر عسقلانی کی تحقیق کے مطابق ''صحیح بخاری'' کی کل احادیث مسندہ بہ شمول مکررات سات ہزار تین سو ستانوے ہے اور جملہ معلقات کی تعداد ایک ہزار تین سو اکتالیس ہے اور جملہ متابعات کی تعداد تین سو چوالیس ہے اور کل میزان نو ہزار بیاسی ہے۔ اور حذف مکررات کے بعد احادیث مرفوعہ کی تعداد دو ہزار چھ سو تئیس رہ جاتی ہے۔ (علامہ طاہر بن صلاح الجزائری، توجیہ النظر ص ۹۴) نیز امام بخاری کی جو احادیث اعلیٰ اسانید پر مشتمل ہیں وہ ثلاثیات ہیں اور ان کی تعداد بائیس ہے۔ اور حذف مکررات کے بعد یہ تعداد سولہ رہ جاتی ہے (جدید نمبرنگ کے مطابق ''صحیح بخاری'' کی کل احادیث کی تعداد: ۷۵۶۳ ہے)۔

تراجم ابواب

''صحیح بخاری'' کے تراجم ابواب اپنی دقت اور خفاء کے اعتبار سے مشہور ہیں۔ علامہ ابن خلدون نے کہا ہے کہ احادیث کی تراجم ابواب سے مطابقت امام بخاری کا امت مسلمہ پر قرض ہے لیکن حق یہ ہے کہ علامہ بدرالدین عینی اور حافظ ابن حجر نے بڑی حد تک یہ قرض اتار دیا

ہے۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ بسا اوقات امام بخاری ترجمۃ الباب میں دو چیزوں کا ذکر کرتے ہیں اور حدیث میں فقط ایک کا ذکر ہوتا ہے ایسی صورت میں ترجمۃ الباب کی حدیث سے دلالت تضمنی کے اعتبار سے مطابقت ہوتی ہے اور بعض مرتبہ ترجمہ میں حکم عام ہوتا ہے اور حدیث میں کسی خاص صورت کا بیان ہوتا ہے اور کبھی حدیث متعدد امور کی متحمل ہوتی ہے اور ترجمہ میں ان محتملات میں کسی ایک کا تعین ہوتا ہے۔ اور کبھی ترجمۃ الباب اور حدیث میں علت مشترکہ ہوتی ہے۔ مثلاً امام بخاری نے ایک باب ''فی کم تقصر الصلوٰۃ'' کے عنوان سے قائم کیا اور اس کے تحت یہ حدیث لائے: ''عن ابن عمر لا تسافر المراۃ ثلاثۃ ایام الا مع ذی محرم''. بظاہر ترجمہ اور حدیث میں کوئی مطابقت نہیں ہے۔ کیونکہ عنوان ہے ''کتنی مدت میں نماز قصر کی جائے؟'' اور حدیث میں عورت کو تین دن سے زیادہ بغیر محرم کے سفر سے منع کیا گیا ہے۔ لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کے مطابق سفر شرعی تین دن ہے لہٰذا نماز کی قصر میں بھی تین دن کی مسافت کا اعتبار ہوگا۔ ان تمام باریکیوں تک پہنچنے کے باوجود بعض ایسے مقامات ہیں جہاں ترجمۃ الباب کی حدیث سے مطابقت تمام فہم و ادراک سے باہر ہے۔ مثلاً ایک جگہ امام بخاری لکھتے ہیں: ''باب طول القیام فی صلوٰۃ اللیل''. اور اس کے تحت حدیث لائے ہیں: ''عن حذیفہ ان النبی ﷺ کان اذاقام للتھجد من اللیل یشوص فاہ بالسواک''. اسی طرح ایک جگہ لکھا ہے: ''باب اذا فاتہ العید یصلی رکعتین و کذالک النساء و من کان فی البیوت و القریٰ''. اور اس کے تحت یہ حدیث لائے ہیں: ''عن عائشہ ان ابابکر دخل علیھا و عندھا جاریتان فی ایام منی تدفان و تضربان و النبی ﷺ متغش بثوبہ فانتھرھما ابوبکر فکشف النبی ﷺ عن وجہہ فقال دعھما یا ابابکر فانھا ایام عید و تلک الایام ایام منی''. پہلی مثال میں باب ''رات کو طولِ قیام'' کا ہے اور حدیث میں مسواک کرنے کا ذکر ہے اور دوسری مثال میں باب ''نمازِ عید کی قضا'' کا ہے اور حدیث میں لڑکیوں کے دف بجانے کا ذکر ہے۔ اس قسم کی ''صحیح بخاری'' میں کافی مثالیں ہیں اور ان کی مطابقت معلوم کرنا امت مسلمہ پر امام بخاری کا بہرحال قرض باقی ہے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا موازنہ

ہم اس سے پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ تمام علماء کے نزدیک ''صحیح بخاری'' کا مرتبہ کل کتب حدیث میں سب سے بلند و بالا ہے البتہ بعض مغاربہ نے ''صحیح مسلم'' کو ''صحیح بخاری'' پر ترجیح دی ہے اور حافظ ابوعلی نیشاپوری نے کہا: اس آسمان کے نیچے ''صحیح مسلم'' سے بڑھ کر کوئی حدیث کی کتاب نہیں ہے اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ''صحیح بخاری'' اور ''صحیح مسلم'' کا موازنہ کر لیا جائے۔

اہل علم حضرات پر مخفی نہیں ہے کہ حدیث صحیح کا رجوع اتصال، اتقان، رجال اور عدم شذوذ و عدم علل کی طرف ہوتا ہے۔ اتصال کے لحاظ سے دیکھیں تو ''صحیح بخاری'' کی احادیث کا اتصال زیادہ قوی ہے کیونکہ امام بخاری راوی اور مروی عنہ کی ملاقات کی شرط لگاتے ہیں اور امام مسلم صرف معاصرت کو کافی سمجھتے ہیں۔

اتقان رجال کے لحاظ سے دیکھیں تب بھی ''صحیح بخاری'' کی احادیث زیادہ قوی ہیں۔

اولاً: اس لیے کہ امام بخاری طبقہ ثانیہ یعنی قلیل الملازمۃ مع الشیخ سے روایات کا صرف انتخاب کرتے ہیں اور امام مسلم اس طبقہ سے تمام روایات کا استیعاب کرتے ہیں۔

ثانیاً: اس وجہ سے کہ جن لوگوں سے روایت میں امام بخاری منفرد ہیں وہ چار سو تیس راوی ہیں جن میں سے اسی کو ضعیف قرار دیا گیا ہے اور امام مسلم جن لوگوں سے روایت میں منفرد ہیں وہ چھ سو بیس راوی ہیں جن میں سے ایک سو ساٹھ کو ضعیف شمار کیا گیا ہے۔

ثالثاً: اس سبب سے کہ امام بخاری کے راویوں کو ضعیف قرار دیا گیا ہے ان میں سے اکثر امام بخاری کے بلاواسطہ استاذ ہیں اور وہ ان کے حالات سے اچھی طرح واقف تھے اور ان کی روایات کو جانچ اور پرکھ سکتے تھے۔ برخلاف امام مسلم کے کیونکہ ان کے جن راویوں پر جرح کی گئی ہے ان میں سے اکثر امام مسلم کے بالواسطہ استاذ ہیں اور ان کے لیے ان لوگوں کی روایات کو خود پرکھنے کا کوئی موقعہ نہ تھا۔

رابعاً: اس وجہ سے کہ امام بخاری نے ایسے راویوں سے بہت کم روایت کی ہے اور امام مسلم نے ان سے بہت زیادہ روایت کی ہے۔

اور عدم شذوذ اور عدم علل کے اعتبار سے ملاحظہ کریں تب بھی ''صحیح بخاری''، ''صحیح مسلم''

پر فوقیت رکھتی ہے کیونکہ ''صحیح بخاری'' کی جن احادیث میں علت خفیہ قادحہ نکالی گئی ہے ان کی تعداد اسی ہے اور ''صحیح مسلم'' میں ایسی احادیث کی تعداد ایک سو تیس ہے۔

شروح

کتب حدیث میں سب سے زیادہ ''صحیح بخاری'' کی شروح لکھی گئی ہیں۔حاجی خلیفہ نے ''کشف الظنون'' میں ۱۰۱۲ھ تک ''بخاری'' کی پچاس سے زیادہ شروح گنوائی ہیں ان تمام کا ذکر تو یہاں دشوار ہے چند مشہور اور اہم شروح کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(۱) اعلام السنن

یہ امام ابو سلیمان حمد بن محمد الخطابی المتوفی ۳۳۸ھ کی تصنیف ہے اور یہ ''بخاری'' کی سب سے پہلی شرح ہے' اس شرح میں عجیب وغریب نکات اور لطائف بیان کیے گئے ہیں۔

(۲) شرح البخاری

یہ امام ابوالحسن علی بن خلف الغربی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ کی شرح ہے جو ''ابن بطال'' کے نام سے مشہور ہیں' اس شرح میں انہوں نے فقہ مالکی کو بیان کیا ہے اور بعد میں آنے والے شارحین میں سے بہ مشکل کوئی ایسا ہوگا جو ان کا ذکر نہ کرتا ہو۔

(۳) شرح البخاری

یہ امام فخر الاسلام علی محمد البزدوی الحنفی المتوفی ۴۸۲ھ کی تالیف ہے اور نہایت مختصر شرح ہے۔

(۴) شرح البخاری

یہ شرح قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۴ھ کی تالیف ہے۔

(۵) کتاب النجاح

یہ شرح امام نجم الدین عمر بن محمد النسفی الحنفی المتوفی ۵۳۷ھ کی تصنیف ہے' یہ شرح حدیث کی روشنی میں مسائل حنفیہ کی تحقیق کے لیے بہترین کتاب ہے۔

(۶) شواہد التوضیح

یہ شیخ جمال الدین محمد بن عبداللہ النحوی المتوفی ۶۷۲ھ کی تالیف ہے' اس میں مشکل

اعاریب نحویہ کی توضیح کی گئی ہے۔

(۷) التلویح

یہ امام حافظ علاؤ الدین مغلطائی الحنفی المتوفی ۷۹۲ھ کی تصنیف ہے۔ یہ مبسوط شرح ہے اور اس میں تعلیقات پر بحث اور مشکل الفاظ کی وضاحت کی گئی ہے۔

(۸) الکواکب الدراری

یہ علامہ شمس الدین محمد بن یوسف بن علی الکرمانی المتوفی ۷۹۶ھ کی تصنیف ہے۔ اس شرح کے شروع میں علم حدیث کی فضیلت اور امام بخاری کا مفصل ترجمہ ذکر کیا گیا ہے۔ نیز الفاظ کے معانی لغویہ اعاریب نحویہ ضبط روایات' اسماء رجال اور القاب رواۃ بیان کیے گئے ہیں اور احادیث متعارضہ میں تطبیق دی گئی ہے۔ بعد میں آنے والے اکثر شارحین نے اس سے استفادہ کیا ہے۔

(۹) منح الباری

یہ شرح علامہ مجد الدین ابو طاہر محمد بن یعقوب الفیروز آبادی الشیرازی المتوفی ۸۱۷ھ کی تصنیف ہے۔ صرف ربع عبارات کی شرح بیس جلدوں میں کی گئی ہے' اس سے آگے یہ شرح نہیں لکھی جا سکی۔ اس شرح میں محی الدین ابن عربی کی ''فتوحات مکیہ'' سے عبارات بہت زیادہ نقل کی گئی ہے۔

(۱۰) مصابیح الجامع

یہ علامہ بدر الدین محمد بن ابی بکر الدمامینی المتوفی ۸۲۸ھ کی شرح ہے' یہ بادشاہِ ہند احمد شاہ بن محمد بن مظفر کی فرمائش پر لکھی گئی تھی۔

(۱۱) فتح الباری

یہ شرح حافظ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ کی تصنیف ہے۔ اس شرح کو ''صحیح بخاری'' کی عظیم ترین شروح میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ حافظ ابن حجر نے ۸۱۳ھ میں اس کی تصنیف شروع کی اور ۸۴۲ھ میں اس کو سترہ جلدوں میں مکمل کیا۔ شرح کے علاوہ ایک ضخیم جلد میں اس کا مقدمہ لکھا جس کے دو جزو ہیں اور دس فصول پر مشتمل ہے۔ مقدمہ میں امام

بخاری کی مفصل سوانح، "صحیح بخاری" کی خصوصیات اور دیگر فوائد حدیثیہ بیان کیے گئے ہیں۔

اس شرح میں حافظ ابن حجر حدیث کی فنی حیثیت اور رجال پر گفتگو کرتے ہیں۔ مشکل الفاظ کے لغت، عنوان باب سے مناسبت، استنباط مسائل اور فقہ شافعی بیان کرتے ہیں، سوالات واردہ کے جوابات اور متعارض احادیث میں تطبیق دیتے ہیں جو حدیث متعدد بار آتی ہے اس کی شرح میں ان کا طریقہ یہ ہے کہ جس باب پر حدیث کی دلالت صراحۃً اور مطابقۃً ہوتی ہے وہاں اس کی مفصل شرح کرتے ہیں اور جن ابواب پر اس کی دلالت ضمناً بالتبع ہوتی ہے وہاں اجمال سے کام لیتے ہیں۔ بہرنوع یہ شرح متعدد خوبیوں کی حامل ہے اور اس کو قبولِ خاص وعام حاصل ہوا۔

(۱۲) عمدۃ القاری

یہ شرح الشیخ الامام حافظ بدر الدین العینی المتوفی ۸۵۵ھ کی تصنیف ہے۔ "صحیح بخاری" کی اس سے بہتر شرح آج تک نہیں لکھی گئی۔ حافظ بدر الدین عینی نے اس شرح کو ۸۲۱ھ میں لکھنا شروع کیا اور ۸۴۷ھ میں اس کو پچیس اجزاء میں مکمل کیا جو بارہ مجلدات پر مشتمل ہے۔

علامہ ابن حجر اور حافظ عینی میں معاصرانہ چشمک تھی علامہ عینی "جامع مویدی" میں برج شمالی پر بیٹھ کر درس حدیث دیا کرتے تھے اس مسجد کا ایک منارہ بوسیدہ ہو چکا تھا اس کو تعمیر جدید کے لیے گرا دیا گیا اس موقعہ پر حافظ ابنِ حجر نے یہ اشعار کہے:

لجامع مولانا المويد رونق — منارته تزهو بالحسن وبالزين

تقول وقد مالت عليهم امهلوا — فليس على حسنى اضرمن العين

"جامع موید" بڑی بارونق ہے اس کا منارہ بہت حسین وجمیل تھا، وہ جھکتے وقت زبان حال سے کہہ رہا تھا کہ مجھے چھوڑ دو۔ کیونکہ میرے حسن و جمال کے لیے اصل نقصان دہ چیز نظر بد یا علامہ عینی ہیں۔ اس میں لفظ "عین" سے علامہ عینی کا توریہ کیا گیا ہے۔

علامہ عینی کو جب ان اشعار کا پتہ چلا تو انہوں نے حافظ ابن حجر کی طرف یہ اشعار لکھوا کر بھیجے:

منارة كعروس الحسن قد حليت — وهدمها بقضاء الله والقدر

قالوا اصيبت بعين قلت ذاغلط — ما آفة الحجر الا خسة الحجر

"وہ منارہ دلہن کی طرح حسین اور خوبصورت تھا جس کا گرنا حقیقت میں قضا وقدر کے

سبب سے تھا۔لوگوں نے کہا: اس کو نظر لگ گئی لیکن اس کو گرانے کا سبب حجر (پتھر یا ابن حجر) کی خستہ حالی تھی"۔ان اشعار میں علامہ عینی نے جواباً "حجر" کے لفظ سے ابن حجر کا کنایہ کیا ہے۔

جس زمانہ میں علامہ عینی شرح لکھ رہے تھے: حافظ ابنِ حجر بھی لکھ رہے تھے اور وہ علامہ عینی سے پہلے لکھنا شروع کر چکے تھے۔ برہان بن خضر نے حافظ ابن حجر کی اجازت سے ان کا مسودہ لیا اور علامہ عینی نے ان سے مسودہ عاریۃً مانگ لیا۔حافظ عینی نے علامہ ابنِ حجر کے مسودہ کا مطالعہ کیا اور اپنی شرح میں اس کا ساتھ ساتھ رد لکھتے گئے۔ جب یہ شرح مکمل ہو کر لوگوں کے سامنے آئی تو حافظ ابنِ حجر اور ان کے تلامذہ حیران رہ گئے۔حافظ ابنِ حجر نے بعد میں علامہ عینی کے اعتراضات کے جواب میں "انتقاض الاعتراض" کے نام سے ایک کتاب لکھنی شروع کی۔ لیکن عمر نے وفا نہ کی اور کتاب کی تکمیل سے پہلے ہی ابنِ حجر کا انتقال ہو گیا۔بہر حال انہوں نے جتنی کتاب لکھی ہے اس میں بھی عینی کے اکثر اعتراضات کے جوابات نہیں بن سکے۔

حافظ بدرالدین عینی اپنی شرح میں پہلے حدیث کی "قرآن کریم" سے مطابقت بیان کرتے ہیں پھر کتاب' ترجمۃ الباب اور حدیث سابق سے اس کی مناسبت بیان کرتے ہیں۔اس کے بعد رجال پر گفتگو کرتے ہیں اور جس صحابی سے حدیث مروی ہو اس کی مختصر سوانح لکھتے ہیں' انواع حدیث میں سے اس حدیث کی نوع بیان کرتے ہیں "صحیح بخاری" میں جن ابواب کے تحت وہ حدیث مکرر آتی ہے ان کا ذکر کرتے ہیں۔امام بخاری کے علاوہ جن محدثین نے اپنی تصانیف میں اس حدیث کا اخراج کیا ہے ان کا بیان کرتے ہیں۔ پھر الفاظ حدیث کی لغت' اعراب' معانی بیان اور بدیع کے اعتبار سے اس حدیث کی شرح کرتے ہیں۔حدیث کا مورد اس سے مستنبط مسائل اور فوائد اور اس کے تحت مختلف فقہی مسالک بیان کرتے ہیں۔امام اعظم کے مذہب کو دلائل سے ثابت کرتے ہیں اور جس جس مقام پر دیگر شراح اور بالخصوص ابنِ حجر سے اختلاف ہو اس کا رد کرتے ہیں۔

عینی کی ایک خاص خوبی جس میں وہ تمام شراح سے ممتاز ہیں یہ ہے کہ وہ حدیث کی شرح کو متعدد اجزاء اور ابحاث میں تقسیم کرتے ہیں اور ہر بحث سے پہلے اس کی ذیلی سرخی اور عنوان قائم کرتے ہیں جس کی وجہ سے اس کتاب سے استفادہ میں بہت آسانی ہو جاتی ہے۔

جو احادیث مکرر ہیں ان میں علامہ عینی کا طریقہ یہ ہے کہ پہلی بار جس باب کے تحت وہ

حدیث آتی ہے وہاں اس کی مفصل شرح کر دیتے ہیں اور بعد میں جب اس حدیث کا دوبارہ ذکر آتا ہے تو اس پر سرسری گفتگو کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ "صحیح بخاری" کی پہلی جلد کی علامہ عینی نے سولہ اجزا میں شرح کی ہے اور دوسری جلد کی شرح باقی نو اجزاء میں پوری کر دی ہے۔

(۱۳) الکوثر الجاری

یہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ کی شرح ہے۔ اس کے شروع میں حضور ﷺ کی سیرت بیان کی گئی ہے' اس میں حل لغات اور ضبط اسماء رواۃ پر زور دیا گیا ہے اور حافظ ابن حجر اور کرمانی کا بالخصوص رد کیا گیا ہے۔

(۱۴) التوشیح علی الجامع الصحیح

یہ حافظ جلال الدین السیوطی المتوفی ۹۱۱ھ کی شرح ہے۔

(۱۵) ارشاد الساری

یہ شرح شہاب الدین احمد بن محمد الخطیب القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۲۳ھ کی تصنیف ہے' دس مجلدات پر مشتمل ہے۔ کتاب کے شروع میں امام بخاری کی مفصل سوانح ذکر کی ہے اس شرح میں "فتح الباری" سے بہت زیادہ استفادہ کیا گیا ہے۔

سطور بالا میں جن شروح کا ذکر کیا ہے حاجی خلیفہ نے "کشف الظنون" میں ان کے علاوہ اور پینتیس شروح کا ذکر ہے۔ (حاجی خلیفہ کاتب چلپی' المتوفی ۱۰۶۷ھ' کشف الظنون ج ا ص ۵۴۵ تا ۵۵۴) یہ وہ شروح ہیں جو ۱۰۱۲ھ تک منصۂ شہود پر آ چکی تھیں۔ گیارھویں ہجری سے لے کر اب تک چار سو سال کے اس طویل عرصہ میں عربی' فارسی اور اُردو زبان میں اور بہت سی شروح لکھی جا چکی ہیں اور ہنوز لکھی جا رہی ہیں اور جب تک اہلِ علم کے ہاتھوں میں قرطاس وقلم رہے گا "صحیح بخاری" کی احادیث کے فوائد اور نکات بیان ہوتے رہیں گے۔

مسامحات بخاری

امام بخاری نے اپنے تمام تر علمی اور فنی کمالات کے باوجود انسان اور بشر تھے اس لیے "صحیح بخاری" کی تصنیف میں اس سے سہو' نسیان اور تسامح کا واقعہ ہو جانا کوئی امر مستبعد نہیں ہے۔ اس کے برخلاف بعض وہ حضرات جو "صحیح بخاری" کو حرفِ آخر قرار دیتے ہیں' ان کی رائے ہے کہ "بخاری" میں مندرج ہر ہر حدیث صحیح ہے اور سند اور متن کے بیان میں ان سے

کسی جگہ غلطی نہیں ہوئی۔ ہماری رائے ان لوگوں سے بہر حال مختلف ہے۔ یہ صحیح ہے کہ "صحیح بخاری" میں دیگر تمام کتب حدیث کی بہ نسبت سب سے زیادہ صحیح احادیث ہیں۔لیکن یہ صحیح نہیں ہے کہ اس میں مندرج کوئی حدیث بھی ضعیف نہیں ہے۔

"صحیح بخاری" میں ایسے راویوں کی تعداد کافی زیادہ ہے جو جہمی' قدری' رافضی یا مرجیۂ عقائد کے حامل تھے۔اس کے ساتھ ساتھ اس میں ایسے راوی بھی ہیں جو منکر الحدیث' واہی اور وہمی تھے۔ چنانچہ ان تمام کی تفصیل حافظ ابنِ حجر عسقلانی نے "ہدی الساری مقدمہ فتح الباری" میں مہیا کی ہے۔لیکن ان کے مجروح اور مطعون راویوں کے بارے میں یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ ان راویوں پر جرح دوسرے لوگوں نے کی ہے' امام بخاری کے نزدیک ان لوگوں پر جرح ثابت نہیں ہو سکی اس لیے انہوں نے ان کی احادیث کو اپنی "صحیح" میں وارد کیا ہے۔

یہ عذر اپنی جگہ صحیح ہے (اگرچہ یہ لوگ دوسروں کے حق میں یہ جواب تسلیم نہیں کرتے) لیکن اب اس بات کو کیا کیا جائے کہ امام بخاری نے جن راویوں پر خود دوسری کتابوں میں جرح کی ہے" "صحیح بخاری" میں ان سے بھی روایات لے آئے ہیں۔اس قسم کے متعدد شواہد موجود ہیں ہم ان میں سے آپ کے سامنے چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔

"باب الاستنجاء بالماء" کے تحت امام بخاری نے ایک روایت اس سند کے ساتھ ذکر کی ہے: "**حدثنا ابو سعید هشام بن عبدالملک قال حدثنا شعبة عن ابی معاذ واسمه عطاء بن ابی میمونة قال سمعت انس بن مالک یقول کان النبی ﷺ اذاخرج لحاجته الحدیث**". (محمد بن اسماعیل بخاری' متوفی ۲۵۶ھ' صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۷)

اس حدیث کی سند میں ایک راوی ہے عطاء بن ابی میمونہ اس کے بارے میں امام بخاری فرماتے ہیں: "**عطاء بن ابی میمونة ابومعاذ مولی انس' وقال یزید بن هارون مولی عمران بن حصین و کان یری القدر**" (یعنی یہ شخص عقائد قدریہ کا حامل تھا)۔

(محمد بن اسماعیل بخاری' متوفی ۲۵۶ھ' کتاب الضعفاء الصغیر ص ۱۷۲)

اسی طرح انہوں نے "کتاب المغازی" میں ایک حدیث ذکر کی ہے:

"**حدثنی عباس والوحید قال حدثنا عبدالواحد عن ایوب بن عائذ قال حدثنا قیس بن مسلم قال سمعت طارق بن شهاب یقول حدثنی ابو موسیٰ**

الاشعری قال بعثنی رسول اللہ ﷺ الحدیث"۔

(محمد بن اسماعیل بخاری' متوفی ۲۵۶ھ' صحیح بخاری ج ۲ص ۶۲۳)

اس حدیث میں ایک راوی ہے ایوب بن عائذ اس کو بھی انہوں نے "کتاب الضعفاء" میں درج کیا ہے اور فرماتے ہیں: "ایوب بن عائذ الطائی کان یری الارجاء" (یہ شخص مرجئہ عقائد کا حامل تھا)۔ (محمد بن اسماعیل بخاری' متوفی ۲۵۶ھ' کتاب الضعفاء الصغیر ص ۲۵۲

حافظ ذہبی ایوب بن عائذ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

وکان من المرجئة قال له البخاری واورده فی الضعفاء لارجائه والعجب من البخاری یغمزه وقد احتج به. (محمد بن اسماعیل بخاری' متوفی ۲۵۶ھ' کتاب الضعفاء الصغیر ص ۲۵۲)

امام بخاری نے ایوب بن عائذ کو مرجئہ قرار دے کر اس کا ضعفاء میں شمار کیا ہے اور حیرت ہے کہ اس کو ضعیف قرار دے کر پھر اس سے استدلال کرتے ہیں۔

اسماعیل بن ابان کوفی ایک راوی ہے اس کے بارے میں امام بخاری فرماتے ہیں:

اسماعیل بن ابان عن هشام بن عروة متروک الحدیث کنیته ابو اسحاق کوفی. (حافظ ابن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ ہدی الساری ج ۲ص ۱۵۱)

اسماعیل بن ابان جو ہشام بن عروہ سے روایت کرتا ہے متروک الحدیث ہے۔ اس کی کنیت ابو اسحاق کوفی ہے۔

اس متروک الحدیث راوی سے امام بخاری نے اپنی "صحیح" میں متعدد احادیث روایت کی ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: "اسماعیل بن ابان الوراق الکوفی احد شیوخ البخاری ولم یکثر عنه" (اسماعیل بن ابان امام بخاری کے استاذ ہیں اور امام بخاری نے ان سے بہت زیادہ احادیث روایت نہیں کی ہیں)۔

(محمد بن اسماعیل بخاری' متوفی ۲۵۶ھ' کتاب الضعفاء الصغیر ص ۲۷۲)

ان کے علاوہ زبیر محمد التیمی' سعید بن عروہ' عبداللہ بن ابی لبید' عبدالملک بن امین' عبدالوارث بن سعید' عطاء بن السائب بن یزید' کہمس بن منہال یہ تمام ضعیف راوی ہیں اور "کتاب الضعفاء" میں امام بخاری نے ان کے ضعف کی تصریح کی ہے۔ اس کے باوجود "صحیح

بخاری" میں ان لوگوں کی روایات کو درج کیا ہے۔

بیان سند میں تسامح

ضعیف لوگوں سے روایت کے علاوہ کبھی امام بخاری سے سند میں راویوں کے نام کے سلسلے میں بھی خطا واقع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ امام بخاری نے "اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبہ" کے تحت ایک حدیث اس سند کے ساتھ وارد کی ہے:

حدثنا عبدالعزیز بن عبداللہ قال حدثنا ابراھیم بن سعد عن ابیہ عن حفص بن عاصم عن عبداللہ بن مالک بن بجینۃ قال.

(امام محمد بن اسماعیل البخاری، متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ا ص ۹۱)

اس سند کے بیان میں امام بخاری سے دو غلطیاں واقع ہوئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ بحینہ عبداللہ کی والدہ کا نام ہے نہ کہ مالک کی اور امام بخاری نے اس کو مالک کی والدہ قرار دیا ہے۔ دوسری یہ کہ آگے چل کر فرماتے ہیں: "سمعت رجلاً من الازد یقال لہ مالک بن بجینۃ ان رسول اللہ ﷺ رای رجلاً الحدیث" اس حدیث کو انہوں نے مالک سے روایت کیا ہے، حالانکہ یہ حدیث مالک کے بیٹے عبداللہ بن مالک سے مروی ہے۔ مالک تو مشرف بہ اسلام بھی نہیں ہوئے تھے، مسلم، نسائی اور ابنِ ماجہ نے بھی اس سند کو بیان کیا ہے لیکن ان کی سند میں یہ غلطیاں نہیں ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

الوھم موضعین احدھما ان بجینۃ والدۃ عبد اللہ لا مالک وثانیھا ان الصحبۃ والروایۃ لعبد اللہ لالمالک. (فتح الباری ج ص ۲۹)	اس روایت میں دو جگہ وہم ہے۔ اوّل: یہ کہ بحینہ عبداللہ کی والدہ ہے نہ کہ مالک کی ثانی: یہ کہ صحابی اور راوی عبداللہ ہیں نہ کہ مالک۔

متن حدیث میں تسامح

سند حدیث کے علاوہ نفس حدیث کے متن میں بھی امام بخاری سے کافی تسامح واقع ہوئے۔ سطور ذیل میں ان میں سے بعض غلطیوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

"کتاب الزکوٰۃ" میں امام بخاری نے ایک حدیث وارد کی ہے:

عـن عـائشة ان بـعـض ازواج النبی ﷺ قـلـن للنبی ﷺ اینـا اسرع بک لـحوقا قال اطولکن یدافاخذوا قـصبة یـذرعـونهـا فـکـانـت سودة اطـولهـن یـدا فعلمنا بعد انما کانت طـول یـدهـا الصدقة وکانت اسرعنا لحوقا بہ ﷺ وکانت تحب الصدقة.

(محمد بن اسماعیل البخاری' متوفی ۲۵۶ھ' صحیح بخاری ج اص ۱۹۱)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کی بعض ازواج نے آپ سے عرض کیا کہ حضور! آپ کی ازواج میں سے کون سب سے پہلے آپ کے ساتھ واصل ہو گی؟ فرمایا: جس کے ہاتھ لمبے ہوں گے' یہ سن کر سب اپنے ہاتھ ماپنے لگیں اور ان میں لمبے ہاتھ سودہ کے تھے۔ اور بعد میں ہم کو معلوم ہوا کہ لمبے ہاتھوں کی لمبائی سے صدقہ مراد ہے اور سودہ کا سب سے پہلے انتقال ہوا اور وہ صدقہ سے محبت رکھتی تھی۔

اس حدیث کے جملہ ''کـانـت اسـرعـنـا لحوقابہ'' میں ''کـانـت'' کی ضمیر سودہ کی طرف راجع ہے جس کا مفاد یہی ہے کہ آپ کے بعد ازواج میں سب سے پہلے سودہ کا وصال ہوا اور یہ بات تمام اصحاب سیر اور اربابِ تاریخ کی شہادت سے قطعاً باطل ہے' کیونکہ آپ کے بعد سب سے پہلے حضرت زینب بنت جحش کا ۲۰ھ میں وصال ہوا اور حضرت سودہ کا وصال تو اس کے بہت بعد ۵۴ھ میں ہوا ہے۔ (علامہ بدرالدین عینی متوفی' ۸۵۵ھ' عمدۃ القاری ج ۸ ص ۲۸۲)

اس حدیث میں راوی سے ''زینب'' کا لفظ چھوٹ گیا ہے۔ عبارت یوں ہونی چاہیے تھی: ''وکـانـت زینب اسرع لحوقابہ''. صحیح مسلم میں یہ جملہ اس طرح ہے: ''وکانت زیـنـب اطول یدالانها کانت تعمل وتتصدق''. بہرحال یہ امام بخاری کا کام تھا کہ وہ اس راوی کی روایت کو اپنی ''صحیح'' میں درج کرتے جس کی روایت میں یہ تاریخی غلطی نہیں ہوئی جیسا کہ امام مسلم نے کیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی ایک طویل بحث کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس روایت میں ابوعوانہ کو وہم ہوا ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۳۰)

(۲) ''بـاب احداد المراة علی غیر زوجها'' کے تحت امام بخاری نے یہ حدیث وارد کی ہے:

عن زینب بنت ابی سلمة قالت لما جاء نعی ابی سفیان من الشام دعت ام حبیبة بصفرة فی یوم الثالث دعت عارضیها وذراعیها الحدیث.

زینب بن سلمہ کا بیان ہے کہ جب شام سے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی موت کی خبر آئی تو حضرت ام حبیبہ نے تین دن کے بعد سوگ ختم کر دیا۔

(محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح البخاری ج ا ص ۱۷۰)

اس حدیث میں امام بخاری نے یہ بیان کیا ہے کہ ابوسفیان کی وفات کی اطلاع شام سے آئی تھی، حالانکہ یہ بات تاریخی طور پر قطعاً غلط ہے کیونکہ بہ اتفاق مؤرخین ابوسفیان کا انتقال مدینہ منورہ میں ہوا تھا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

وفی قوله من الشام نظر لان اباسفیان مات بالمدینة بلا خلاف بین اهل العلم بالاخبار والجمهور علی انه مات اثنتین و ثلاثین وقیل سنة ثلاث ولد فی شیی من طرق هذا الحدیث تقبیده بذالک الا فی روایة سفیان بن عیینة هذه واظنها وهما. (حافظ ابن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ فتح الباری ج ۳ ص ۳۷۷)

اس روایت میں ''من الشام'' کے لفظ پر اعتراض ہے کیونکہ مؤرخین میں سے کسی کا اس بات پر اختلاف نہیں ہے کہ ابوسفیان کا انتقال مدینہ میں ۳۲ھ یا ۳۳ھ میں ہوا تھا۔ اور اس واقعہ میں ''شام'' کی قید میں نے سفیان بن عیینہ کی روایت کے سوا اور کہیں نہیں دیکھی اور میرا گمان یہ ہے کہ یہ راوی کا وہم ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت کو درج کرنے میں امام بخاری نے کامل غور و خوض اور تحقیق و تتبع سے کام نہیں لیا۔

(۳) ''فضل من شهدبدرا او غزوة الرجیع'' میں امام بخاری نے ایک طویل حدیث میں فرمایا:

''وقتل خبیب هو قتل الحارث بن عامر بن نوفل یوم بدر''۔

یعنی خبیب نے جنگ بدر میں حارث بن عامر کو قتل کیا تھا۔ اس جگہ بھی امام بخاری نے سخت مغالطہ کھایا ہے کیونکہ خبیب نام کے دو شخص ہیں خبیب بن عدی اور خبیب بن اساف اور تمام

تر اہل مغازی کا اتفاق ہے کہ جس شخص نے جنگ بدر میں حارث بن عامر کو قتل کیا تھا وہ خبیب بن اساف ہیں اور امام بخاری نے حدیث میں جس خبیب کا واقعہ ذکر کیا ہے جن کو مشرکین نے گرفتار کر کے مکہ میں سولی دے دی تھی وہ خبیب بن عدی ہیں اور خبیب بن عدی نہ تو غزوہ بدر میں شریک ہوئے نہ انہوں نے حارث کو قتل کیا۔ لہٰذا ان کے بارے میں امام بخاری کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ خبیب نے حارث کو قتل کیا تھا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

ان اهل المغازی لم یذکر احدمنهم ان خبیب بن عدی شهد بدرا ولا قتل الحارث بن عامر وانما ذکروا ان الذی قتل الحارث بن عامر ببدر خبیب بن اساف وهو خبیب بن عدی وهو خزرجی' وخبیب بن عدی اوسی. (حافظ ابن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ فتح الباری ج ۸ ص ۳۸۴)

اہل مغازی میں سے کسی نے یہ ذکر نہیں کیا کہ خبیب بن عدی جنگ بدر میں حاضر ہوئے اور نہ ہی انہوں نے حارث کو قتل کیا تھا۔ انہوں نے یہ ذکر کیا ہے کہ جس شخص نے حارث کو قتل کیا وہ خبیب بن اساف تھے اور اس واقعہ میں جس کا ذکر ہے وہ خبیب بن عدی ہیں اور خبیب بن عدی قبیلہ خزرج کے ہیں اور خبیب بن اساف قبیلہ اوس کے۔

یہی اعتراض علامہ بدرالدین عینی نے بھی ''عمدۃ القاری شرح بخاری'' ج ۱۷ ص ۱۰۰ پر ذکر کیا ہے۔

(۴) ''باب مناقب عثمان'' میں امام بخاری نے ایک حدیث وارد کی ہے جس میں ذکر ہے۔

ثم دعا علیا فامره ان یجلد فجلده ثمانین. (محمد بن اسماعیل بخاری' متوفی ۲۵۶ھ صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۲۲)

پھر حضرت عثمان نے حضرت علی کو بلا کر کوڑے لگانے کا حکم دیا تو انہوں نے اس کو اسّی کوڑے لگائے۔

امام بخاری نے اس روایت میں اسّی کوڑے مارنے کا ذکر کیا ہے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ حضرت علی نے چالیس کوڑے مارے تھے چنانچہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

فی روایة معمر فجلد الولید اربعین جلدة وهذه الروایة اصح من

معمر کی روایت میں ہے کہ ولید کو چالیس کوڑے لگائے گئے اور صحیح تر روایت

روایۃ یونس والوھم فیہ من الراوی. یہی ہے اور اس روایت میں راوی کو وہم لاحق ہوا ہے۔
(حافظ ابنِ حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ فتح الباری ج۸ص ۵۷)

حافظ بدرالدین عینی بھی یہی فرماتے ہیں۔(عمدۃ القاری ج۱۶ص ۲۰۴ میں)

(۵) "باب ماذکر فی الاسواق" کے تحت امام بخاری نے مذکورذیل حدیث وارد کی ہے:

عن ابی ھریرہ الدوسی قال خرج النبی ﷺ فی طائفۃ النھار لا یکلمنی ولا اکلمہ حتی اتی سوق بنی قینقاع فجلس بفنا بیت فاطمۃ الحدیث. (امام محمد بن اسماعیل بخاری' متوفی ۲۶۵ھ' صحیح بخاری ج۱ص ۲۸۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ دن کے وقت باہر نکلے میں اور آپ دونوں خاموش تھے یہاں تک کہ آپ بنوقینقاع کے بازار میں آئے اور حضرت فاطمہ کے گھر صحن میں جاکر بیٹھ گئے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ کا گھر بنی قینقاع کے بازار میں تھا۔ حالانکہ فی الواقع ایسا نہیں تھا بلکہ ان کا مکان حضور ﷺ کی ازواج مطہرات کے مکانوں کے درمیان تھا۔ ناقل کو اس روایت میں وہم ہوا ہے۔ "صحیح مسلم" کی روایت میں یہ وہم نہیں ہے اس میں اس طرح ہے: "حتی جاء سوق بنی قینقاع ثم انصرف حتی اتی فناء فاطمۃ" یعنی حضور بنوقینقاع کے بازار تشریف لائے پھر واپس تشریف لے گئے۔ حتیٰ کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے صحن میں داخل ہوئے چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

قال الداؤدی' سقط بعض الحدیث عن الناقل او ادخل حدیثا فی حدیث لان بیت فاطمۃ لیس فی سوق بنی قینقاع انتھی وما ذکرہ اولاً احتما لا ھوالواقع.
(فتح الباری ج۵ص ۲۴۴)

داؤدی نے کہا کہ ناقل سے حدیث کے بعض الفاظ ساقط ہوگئے یا اس نے ایک حدیث کو دوسری میں داخل کر دیا۔ کیونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مکان بنوقینقاع کے بازار میں نہیں تھا۔(علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ) راوی نے جو پہلا احتمال ذکر کیا ہے

(یعنی ناقل سے بعض الفاظ ساقط ہو گئے ہیں)

اصل میں وہی واقعہ ہے۔

مزید تفصیل کے لیے ''عمدۃ القاری ج ۱۱ص ۲۳۹'' ملاحظہ فرمائیں۔

استنباطِ مسائل میں تسامح

شروع میں ہم نے ذکر کیا تھا کہ اس کتاب کی تدوین سے امام بخاری کا مقصد صرف احادیث کو جمع کرنا نہیں ہے بلکہ تراجم ابواب پر استدلال کرنا بھی ان کے مقصد میں شامل ہے اور بشری تقاضا سے مسائل کے استنباط میں بھی امام بخاری سے غلطیاں واقع ہوئیں ہیں۔ ہم یہاں پر بعض مثالیں پیش کر کے ان کی نشاندہی کر دیتے ہیں۔

(۱) امام بخاری نے ''تقضی الحائض المناسک کلها الا الطواف'' کے عنوان سے ایک باب ذکر کیا ہے اور اس کے تحت تعلیقاً یہ حدیث لائے ہیں:

کان النبی ﷺ یذکر الله علی کل احیانه. (امام محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ص ۴۴)

حضور ﷺ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے۔

اس حدیث کے لانے سے امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ جنبی شخص اور حائضہ عورت ''قرآن کریم'' کی تلاوت کر سکتے ہیں، حالانکہ یہ بات شرعاً ممنوع ہے چنانچہ علامہ عینی لکھتے ہیں:

اراد البخاری بما یرادها و بما ذکره فی هذا الباب الاستدال علی جواز قرأة الجنب والحائض لان الذکر اعم من ان یکون بالقرآن او بغیره. (حافظ بدر الدین عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۳ص ۸۲۴)

اس حدیث کو لانے سے امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ جنبی شخص اور حائضہ عورت ''قرآن مجید'' کی تلاوت کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ذکر عام ہے اور ''قرآن'' اور غیر قرآن دونوں کو شامل ہے۔

اور حافظ ابنِ حجر اس باب کے تحت لکھتے ہیں:

ان مراده الاستدال علی جواز قرأة الحائض والجنب. (حافظ ابنِ حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' فتح الباری ج ا ص ۴۲۳)

اس حدیث سے امام بخاری کی مراد حائض اور جنبی کی قرأت ''قرآن'' پر استدلال ہے۔

(۲) ''اذا شرب الکلب فی الاناء ''۔ اس عنوان کے تحت امام بخاری نے متعدد احادیث ذکر کی ہیں ایک حدیث یہ ہے:

عن النبی ﷺ ان رجلا رأی کلبا یاکل الثری من العطش فاخذ الرجل خفه فجعل یغرف له به حتی ارواه فشکر الله له فادخله الله الجنة. (امام محمد بن اسماعیل بخاری' المتوفی ۲۵۶ھ' صحیح بخاری ج ا ص ۲۹)

حضور ﷺ نے بیان فرمایا کہ ایک شخص نے دیکھا کہ ایک باؤلا کتا کیچڑ چاٹ رہا ہے اس نے اپنے موزہ میں پانی بھر کر اس کو چلو سے پانی پلایا۔ حتیٰ کہ اس کو سیراب کر دیا۔ پس اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو جنت میں داخل کر دیا۔

اس حدیث میں امام بخاری نے ثابت کیا ہے کہ کتے کا جوٹھا پاک ہے چنانچہ حافظ ابنِ حجر لکھتے ہیں:

استدل به المصنف علی طهارة سؤر الکلب. (حافظ ابنِ حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' فتح الباری ج ا ص ۲۸۹)

مصنف نے اس حدیث سے کتے کے جوٹھے کی طہارت پر استدلال کیا ہے۔

اسی باب میں ایک اور حدیث ذکر کی ہے:

کانت الکلاب تبول وتقبل و تدبر فی المسجد فی زمان رسول الله ﷺ فلم یکونوا یرشون من ذالک. (امام محمد بن اسماعیل بخاری' متوفی ۲۵۶ھ' صحیح بخاری ج ا ص ۲۹)

عہد رسالت میں کتے مسجد میں آجایا کرتے تھے اور بسااوقات وہ مسجد میں پیشاب بھی کر دیا کرتے تھے اور صحابہ اس پر پانی نہیں ڈالتے تھے۔

حافظ ابنِ حجر عسقلانی فرماتے ہیں: یہ ابتدائی دور کی بات ہے جب مسجد میں دروازے نہ تھے اور بعد میں مسجد کی تطہیر وتکریم کا حکم وارد ہوا اور مسجد میں دروازے لگائے گئے۔ تاہم زمین

پر اگر پیشاب گر جائے اور دھوپ سے وہ خشک ہو جائے تو زمین پاک ہو جاتی ہے اور ان کے نہ دھونے سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ زمین کی پاکیزگی کے لیے دھونا ضروری نہیں ہے۔ زمین خشک ہونے سے بھی پاک ہو جاتی ہے اور یہی احناف کا مذہب ہے۔ لیکن امام بخاری نے اس حدیث سے کیا ثابت کیا اور کون سا فقہی مسئلہ مستنبط کیا ہے؟ یہ حافظ بدرالدین عینی سے سنیے فرماتے ہیں:

احتج به البخاری علی طهارة بول الکلب. (حافظ بدرالدین عینی متوفی ۸۵۵ھ عمدۃ القاری ج ۳ ص ۴۴)

اس حدیث سے امام بخاری نے کتے کے پیشاب کی طہارت پر استدلال کیا ہے۔

اعتذار

ہم نے اپنے اس مقالہ میں امام بخاری کے مسامحات پر جو بحث کی ہے اس سے ہرگز ہمارا یہ مقصد نہیں ہے کہ امام بخاری کے مرتبہ اور مقام کو کم کیا جائے بلکہ ہم ان لوگوں کو حقیقت کی طرف لانا چاہتے ہیں جو امام بخاری کو امام اعظم سے زیادہ گردانتے ہیں اور جو احادیث بخاری کو حرفِ آخر قرار دیتے ہیں۔

احادیث کے پرکھنے میں امام بخاری کا مقام سب سے اونچا ہے۔ چند مسامحات سے قطع نظر کوئی بشر اس سے خالی نہیں۔ امام بخاری کی فن حدیث میں انتہائی عظیم حیثیت ہے انہیں ''امیر المومنین فی الحدیث'' کہنا بجا ہے۔ لیکن اس کے باوجود بشری تقاضا سے ان سے بہرحال کچھ تسامح ہوئے ہیں جن کی ائمہ فن نے نشاندہی کی ہے۔ مجموعی طور پر ''صحیح بخاری'' کو مدون کر کے امام بخاری نے اسلام کی ایک عظیم خدمت سرانجام دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو بے پناہ مقبولیت عطا فرمائی ہے اور امت کی عظیم اکثریت ''قرآن کریم'' کے بعد ''صحیح بخاری'' کو تواتر کے ساتھ بطور رحجت مانتی چلی آ رہی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے مصنف کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں احادیث ''بخاری'' کے انوار اور فیوض و برکات سے بہرہ مند فرمائے۔ (آمین)

امام مسلم

تیسری صدی کے جن محدثین اور علماء راسخین نے علمِ حدیث کی تنقیح اور توضیع کے لیے متعدد فنون ایجاد کیے اور اس علم کی توسیع اور اشاعت میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں ان میں امام مسلم بن حجاج القشیری کا نام نمایاں طور پر سامنے آتا ہے۔

امام مسلم فنِ حدیث کے اکابر ائمہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ابوزرعہ رازی اور ابوحاتم رازی نے ان کی امامت حدیث پر شہادت دی۔ امام ترمذی اور ابوبکر خزیمہ جیسے مشاہیر نے ان سے روایت حدیث کو باعث شرف سمجھا اور ابوقریش نے کہا کہ دنیا میں صرف چار حفاظ ہیں اور امام مسلم ان میں سے ایک ہیں۔

ولادت اور سلسلہ نسب

عساکرالملت والدین ابوالحسین امام مسلم بن الحجاج بن مسلم بن ورد بن کرشاد القشیری ''خراسان'' کے ایک وسیع اور خوبصورت شہر ''نیشاپور'' میں ''بنوقشیر'' کے خاندان میں پیدا ہوئے۔ امام مسلم کی ولادت کے سال میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔ شاہ عبدالعزیز نے ان کا سال ولادت ۲۰۲ھ لکھا ہے۔ امام ذہبی نے ۲۰۴ھ بیان کیا ہے اور ابنِ اثیر نے ۲۰۶ھ کو اختیار کیا ہے۔

تحصیلِ علم حدیث

ابتدائی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد اٹھارہ سال کی عمر میں امام مسلم نے علمِ حدیث کی تعلیم شروع کی۔ فن حدیث کو انہوں نے انتہائی لگن اور محنت سے حاصل کیا اور بہت جلد نیشاپور کے عظیم محدثین میں ان کا شمار ہونے لگا۔

شخصیت

امام مسلم سرخ وسفید رنگ' بلند قامت اور وجیہہ شخصیت کے مالک تھے۔ سر پر عمامہ باندھتے تھے اور شملہ کندھوں کے درمیان لٹکایا کرتے تھے' انہوں نے علم کو ذریعہ معاش نہیں

بنایا' کپڑوں کی تجارت کر کے اپنی نجی ضرورت پوری کیا کرتے تھے۔ (حافظ ابن حجر عسقلانی' المتوفی ۸۵۲ھ تہذیب التہذیب ج ۱۰ص ۱۲۷) شاہ عبدالعزیز لکھتے ہیں امام مسلم کے عجائبات میں سے یہ ہے کہ انہوں نے عمر بھر نہ کسی کی غیبت کی نہ کسی کو مارا اور نہ کسی کے ساتھ درشت کلامی کی۔

اساتذہ اور مشائخ

علمِ حدیث کی طلب میں امام مسلم نے متعدد شہروں کا سفر اختیار کیا۔ ''نیشاپور'' کے اساتذہ سے اکتساب فیض کے بعد وہ حجاز' شام' عراق اور مصر گئے اور ان گنت بار ''بغداد'' کا سفر کیا' انہوں نے ان تمام شہروں کے مشاہیر اساتذہ کے سامنے زانوء تلمذ تہ کیا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی اور دیگر مؤرخین نے ان کے اساتذہ میں یحیٰی بن یحیٰی' محمد بن یحیٰی ذہلی' احمد بن حنبل' اسحاق بن راہویہ' عبداللہ بن مسلمہ القعنبی' احمد بن یونس یربوعی' اسماعیل بن ابی اویس' سعید بن منصور' عون بن سلام' داؤد بن عمرو الضبی' ہیثم بن خارجہ' شیبان ابن فروخ اور امام بخاری کا تذکرہ لکھا ہے۔ (امام عبداللہ شمس الدین ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ص ۵۵۸)

تلامذہ

امام مسلم سے بے حساب لوگوں نے سماع حدیث کیا ہے ان سے روایت کرنے والے تمام حضرات کے اسماء کا شمار تو مشکل ہے چند اسماء یہ ہیں: ابوالفضل احمد بن سلمہ' ابراہیم بن ابی طالب' ابوعمرو خناف' حسین بن محمد قبانی' ابوعمرو مستملی' حافظ صالح بن محمد علی بن حسن' محمد بن عبدالوہاب' علی بن حسین بن جنید' ابن خزیمہ' ابن صاعد' سراج' محمد بن عبد بن حمید' ابوحامد ابنِ الشرقی' عبداللہ ابن الشرقی' علی بن اسماعیل الصغار' ابومحمد بن ابی حاتم رازی' ابراہیم بن محمد بن سفیان' محمد بن مخلد دوری' ابراہیم بن محمد بن حمزہ' ابوعوانۃ السفرائنی' محمد بن اسحاق فاکہی' ابوحامد اعمشی' ابوحامد بن حسنویہ اور امام ترمذی۔

(شہاب الدین ابن حجر عسقلانی' المتوفی ۸۵۲ھ تہذیب التہذیب ج ۱۰ص ۱۲۶)

امام ترمذی نے اپنی ''جامع صحیح'' میں امام مسلم سے صرف ایک روایت ذکر کی ہے اور وہ یہ ہے: ''عن یحیی بن یحیی عن ابی معاویة عن محمد بن عمرو عن ابی سلمة عن ابی هریرة ' احصوا هلال شعبان برمضان''۔

کلمات الثناء

امام مسلم کی خدمات اوران کے کمالات کوان کے اساتذہ اور معاصرین نے بے حد سراہا ہے۔ابوعمرو مستملی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہمیں اسحاق بن منصور احادیث لکھوار ہے تھے اور امام مسلم ان احادیث میں سے انتخاب کر رہے تھے۔ اچانک اسحاق بن منصور نے نگاہ اوپر اٹھائی اور کہا: ہم اس وقت تک کبھی خیر سے محروم نہیں ہوں گے جب تک ہمارے درمیان مسلم بن حجاج موجود ہیں۔ان کے ایک اور استاذ محمد بن عبدالوہاب فراد نے کہا کہ مسلم علم کا خزانہ ہے اور مَیں نے ان میں خیر کے سوا اور کچھ نہیں پایا۔ ابنِ اخرم نے کہا: ''نیشا پور'' نے تین محدث پیدا کیے۔محمد بن یحییٰ' ابراہیم بن ابی طالب اور مسلم' ابن عقدہ نے کہا: امام مسلم بالمشافہ سماع کے بغیر روایت نہیں کرتے تھے۔ابوبکر جارودی نے کہا کہ مسلم علم کے محافظ تھے۔مسلمہ بن قاسم نے کہا کہ وہ جلیل القدر امام تھے۔ بندار نے کہا: دنیا میں صرف چار حافظ ہیں ابوزرعہ' محمد بن اسماعیل' دارمی اور مسلم بن حجاج۔

(شہاب الدین ابنِ حجر العسقلانی' التوفی ۸۵۲ھ' تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۱۲۸)

علمی شکوہ

امام مسلم فنِ حدیث میں عظیم صلاحیتوں کے مالک تھے۔حدیث صحیح اور سقیم کی پہچان میں وہ اپنے زمانہ کے اکثر محدثین پر فوقیت رکھتے تھے۔حتیٰ کہ بعض امور میں ان کو امام بخاری پر بھی فضیلت حاصل تھی۔کیونکہ امام بخاری نے اہلِ شام کی اکثر روایات ان کی کتابوں سے بہ طریق مناولہ حاصل کی ہیں۔خود ان کے مؤلفین سے سماع نہیں کیا۔اس لیے ان کے راویوں میں امام بخاری سے بسا اوقات غلطی واقع ہو جاتی ہے۔کیونکہ ایک ہی راوی کا کبھی نام ذکر کیا جاتا ہے اور کبھی کنیت' ایسی صورت میں بعض دفعہ امام بخاری ان کو دو راوی خیال کر لیتے تھے اور امام مسلم نے براہِ راست سماع کیا ہے اس لیے وہ اس قسم کا مغالطہ نہیں کھاتے۔

(شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی متوفی ۱۲۲۹ھ' بستان المحدثین ص ۲۸۰)

امام بخاری سے تعلقِ خاطر

جس طرح امام بخاری ایمان کے مرکب ہونے کے مسئلہ میں متشدد تھے اور اس شخص سے روایت نہیں لیتے تھے جو بساطت ایمان کا قائل ہو' اسی طرح امام محمد بن یحییٰ ذہلی ''قدم قرآن''

کے مسئلہ میں متشدد تھے۔ اور اس شخص سے سخت بیزار تھے جو "الفاظ قرآن" کو مخلوق مانتا ہو۔
جب امام بخاری اور امام محمد بن یحییٰ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہوا تو ان میں اور امام بخاری میں سخت منافرت پیدا ہو گئی حتیٰ کہ ایک دن محمد بن یحییٰ ذہلی نے اپنی مجلس میں اعلان کر دیا کہ جو شخص الفاظ قرآن کے مخلوق ہونے کا قائل ہو وہ ہماری مجلس سے چلا جائے یہ سن کر امام مسلم نے اپنا عمامہ سنبھالا اور امام ذہلی کی مجلس سے اٹھ کر چلے گئے اور امام ذہلی سے جس قدر انہوں نے احادیث ضبط کی تھیں وہ سب انہیں واپس بھجوادیں۔

امام محمد بن یحییٰ ذہلی اور امام محمد بن اسماعیل دونوں امام مسلم کے استاذ تھے۔ اس مناقشہ کے باعث امام مسلم نے اپنی "صحیح" میں دونوں میں سے کسی کی روایت کو بھی درج نہیں کیا۔

تصانیف

امام مسلم کی عمر کا اکثر حصہ روایت حدیث کے حصول کے لیے مختلف شہروں میں سفر کرتے ہوئے گزرا ہے اس کے ساتھ ساتھ وہ درس و تدریس میں بھی بے حد مشغول رہے۔ اس کے باوجود ان سے مندرجہ ذیل تصانیف یادگار ہیں۔

(۱) الجامع الصحیح (۲) المسند الکبیر (۳) کتاب الاسماء والکنیٰ (۴) کتاب الجامع علی الباب (۵) کتاب العلل (۶) کتاب الوحدان (۷) کتاب الافراد (۸) کتاب سوالات احمد بن حنبل (۹) کتاب حدیث عمرو بن شعیب (۱۰) کتاب الانتفاع باہاب السباع (۱۱) کتاب مشائخ مالک (۱۲) کتاب مشائخ ثوری (۱۳) کتاب مشائخ شعبہ (۱۴) کتاب من لیس لہ الاراو واحد (۱۵) کتاب المخضرمین (۱۶) کتاب اولاد الصحابۃ (۱۷) کتاب اوہام المحدثین (۱۸) کتاب الطبقات (۱۹) کتاب افراد الشامین (امام عبداللہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵۹۰) (۲۰) مسند امام مالک (۲۱) مسند الصحابۃ۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ امام مسلم نے "مسند الصحابۃ" بڑی تفصیل سے لکھنی شروع کی تھی مگر وہ مکمل نہ ہو سکی اور امام مسلم وفات پا گئے اور اگر وہ اس کو پورا کر لیتے تو وہ ایک ضخیم تصنیف ہوتی۔

وصال

امام مسلم کے وصال کا سبب بھی نہایت عجیب وغریب بیان کیا گیا ہے۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ ایک دن مجلس مذاکرہ میں امام مسلم سے ایک حدیث کے بارے میں استفسار کیا گیا' اس وقت آپ اس حدیث کے بارے میں کچھ نہ بتا سکے۔ گھر آ کر اپنی کتابوں میں اس حدیث کی تلاش شروع کردی۔ قریب ہی کھجوروں کا ایک ٹکڑا بھی رکھا ہوا تھا امام مسلم کے استغراق اور انہماک کا یہ عالم تھا کہ کھجوروں کی مقدار کی طرف آپ کی توجہ نہ ہو سکی اور حدیث ملنے تک کھجوروں کا سارا ٹوکرا خالی ہو گیا اور غیر ارادی طور پر کھجوروں کا زیادہ کھا لینا ہی ان کی موت کا سبب بن گیا اور اس طرح ۲۴ رجب ۲۶۱ھ اتوار کے دن شام کے وقت علمِ حدیث کا یہ درخشندہ آفتاب غروب ہو گیا اور اگلے روز پیر کے دن ''خراسان'' کے عظیم محدث کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔

حسن عاقبت

امام مسلم سادہ دل درویش تھے اور علم وعمل کی بہترین خوبیوں کے جامع تھے' اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی خدمات کا بہترین صلہ عطا فرمایا۔ ابو حاتم رازی بیان کرتے ہیں: مَیں نے امام مسلم کو خواب میں دیکھا اور ان کا حال دریافت کیا تو انہوں نے جواب میں کہا: اللہ تعالیٰ نے اپنی جنت کو میرے لیے مباح کر دیا ہے اور مَیں اس میں جہاں چاہتا ہوں رہتا ہوں۔

(شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی' متوفی ۱۲۲۹ھ' بستان المحدثین ص ۲۸۱)

صحیح مسلم

''صحیح مسلم'' کتب صحاح ستہ میں دوسرے درجہ کی کتاب ہے۔ امام مسلم بن حجاج نے اس کی احادیث کو انتہائی محنت اور کاوش سے ترتیب دیا ہے۔ حسن ترتیب اور تدوین کی عمدگی کے لحاظ سے یہ ''صحیح بخاری'' پر بھی فوقیت رکھتی ہے اور زمانہ تصنیف سے لے کر آج تک اس کو قبولیت عامہ کا شرف حاصل رہا ہے۔

متقدین میں سے بعض مغاربہ اور محققین نے ''صحیح مسلم'' کو بے حد پسند کیا ہے اور اس کو ''صحیح بخاری'' پر بھی ترجیح دی ہے۔ چنانچہ ابوعلی حاکم نیشاپوری اور حافظ ابوبکر اسماعیلی صاحب ''مدخل'' کا یہی قول ہے اور امام عبدالرحمٰن نسائی نے کہا کہ امام مسلم کی ''صحیح'' امام بخاری کی ''صحیح'' سے عمدہ ہے۔ (الشیخ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی' متوفی ۶۷۶ھ' مقدمہ شرح مسلم ص ۱۳) اور مسلم بن قاسم قرطبی معاصر دارقطنی نے کہا کہ امام مسلم کی ''صحیح'' کی مثل کوئی شخص نہیں پیش کر سکتا۔

ابن حزم میں بھی ''صحیح مسلم'' کو ''صحیح بخاری'' پر ترجیح دیتے تھے۔ (شہاب الدین ابن حجر العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ' ھدی الساری ج ا ص ۲۴) اور خود امام مسلم نے اپنی کتاب کے بارے میں فرمایا تھا کہ اگر محدثین دو سو سال بھی احادیث لکھتے رہیں پھر بھی ان کا مدار اسی کتاب پر ہوگا۔ (شیخ محی الدین ابوزکریا نووی' مقدمہ شرح مسلم ص ۱۳) اور اب تو دو سو برس چھوڑ کر گیارہ سو برس ہونے کو آئے لیکن اس مردِ خدا کے قول کی صداقت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اور شاہ عبدالعزیز بیان کرتے ہیں کہ ابوعلی زعفرانی کو کسی شخص نے وفات کے بعد خواب میں دیکھا اور ان سے پوچھا کہ تمہاری بخشش کس سبب سے ہوئی؟ تو انہوں نے ''صحیح مسلم'' کے چند اجزاء کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ان اجزاء کے سبب اللہ تعالیٰ نے مجھے بخش دیا۔

(شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی' متوفی ۱۲۲۹ھ' بستان المحدثین' ص ۲۸۱)

اس خواب سے معلوم ہوا کہ ''صحیح مسلم'' اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی شرفِ قبولیت حاصل کر چکی ہے۔

سبب تالیف اور مدت

امام مسلم نے اپنی "صحیح" کی تالیف کا سبب خود بیان فرمایا ہے' وہ لکھتے ہیں کہ مجھ سے میرے بعض تلامذہ نے درخواست کی کہ میں احادیث صحیحہ کا ایک ایسا مجموعہ تیار کروں جس میں بلا تکرار احادیث کو جمع کیا جائے۔ چنانچہ ان کی درخواست پر میں نے اپنی "صحیح" کی تالیف کی۔ امام مسلم نے تین لاکھ احادیث میں سے اپنی "جامع صحیح" کا انتخاب فرمایا اور جن مشائخ کی احادیث کو انہوں نے اپنی "صحیح" میں روایت کیا ہے ان سب سے انہوں نے بالمشافہ اور براہِ راست سماع کیا ہے اور اس تصنیف میں انہوں نے صرف اپنی ذاتی تحقیق پر ہی اکتفاء نہیں کیا بلکہ مزید احتیاط کے پیشِ نظر اس مجموعہ میں صرف ان احادیث کو لائے ہیں جن کی صحت پر اس وقت کے اکابرین کا اتفاق تھا اور پھر اسی پر بس نہیں کی بلکہ تحقیق مزید کے لیے کتاب کی تکمیل کے بعد اسے حافظ عصر ابوزرعہ کی خدمت میں پیش کیا جو اس زمانہ میں علل حدیث اور جرح و تعدیل کے فن میں امام گردانے جاتے تھے اور جس روایت کے بارے میں انہوں نے کسی علت کی نشاندہی کی' امام مسلم نے اس کو کتاب سے خارج کر دیا' اس طرح پندرہ سال کی لگاتار جدوجہد اور شدید مشقت کے بعد "صحیح مسلم" کی صورت میں یہ مجموعہ احادیث تیار ہو گیا۔

(حافظ شمس الدین الذہبی' المتوفی ۷۴۸ھ' تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵۹۰)

تسمیہ

حاجی خلیفہ اور دیگر مؤرخین نے "صحیح مسلم" کا نام "الجامع الصحیح" بیان کیا ہے مگر اس نام پر بعض حضرات نے یہ اعتراض کیا ہے کہ جامع حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں تفسیر بھی ہو اور "صحیح مسلم" میں تفسیر کا لانا شرط ہے قلت یا کثرت ملحوظ نہیں ہے۔ چنانچہ متقدمین میں سے سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ کی جو تصانیف جامع کے نام سے مشہور ہیں ان میں بھی تفسیر بہت کم ہے۔

"صحیح مسلم" میں تفسیر اس قدر کم لانے کا سبب یہ ہے کہ تفسیر سے متعلق اکثر روایات امام مسلم کتاب کے شروع میں لے آئے ہیں اور چونکہ اس کتاب میں انہوں نے حتی الامکان تکرار سے گریز کیا ہے اس لیے "کتاب التفسیر" میں ان روایات کو دوبارہ نہیں لائے۔

اسلوب

امام مسلم نے اپنی ''صحیح'' کی تالیف اور ترتیب میں انتہائی حزم واحتیاط اور کامل ورع اور تقویٰ سے کام لیا ہے۔ امام ابنِ شہاب زہری' امام مالک اور امام بخاری ''حدثنا'' اور ''اخبرنا'' کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ابنِ جریج' اوزاعی' امام شافعی' امام احمد بن حنبل' یحییٰ بن یحییٰ' عبداللہ بن مبارک اور دیگر تمام محدثین ''حدثنا'' اور ''اخبرنا'' میں فرق کرتے ہیں۔ ''حدثنا'' کا استعمال اس وقت کرتے ہیں' جب استاذ حدیث کی قرأت کرے اور شاگرد سن رہے ہوں اور ''اخبرنا'' کا استعمال اس وقت کرتے ہیں جب شاگرد پڑھے اور استاذ سن رہا ہو۔ چونکہ اکثر محدثین ''اخبرنا'' اور ''حدثنا'' میں ایک کا استعمال دوسرے کی جگہ جائز نہیں رکھتے اس لیے احتیاط کے پیشِ نظر امام مسلم نے اپنی ''صحیح'' میں یہی طریقہ اختیار کیا ہے اور ''حدثنا'' او ''اخبرنا'' کے فرق کو قائم رکھا ہے۔

امام مسلم نے سندِ حدیث میں راویوں کے اسماء کے ضبط کا بھی بڑا خیال رکھا ہے جس راوی کا اصل سند میں صرف نام ذکر کیا گیا ہو اور نسب کا ذکر نہ ہو جس کے سبب ابہام پیدا ہو تو وہ اس کی وضاحت کرتے ہیں' مگر اس احتیاط کے ساتھ کہ استاذ کے بیان کیے ہوئے الفاظ میں خلل نہ آئے۔ مثلاً انہوں نے ایک سند ذکر کی: ''حدثنا سلیمان یعنی ابن بلال عن یحییٰ وھو ابن سعید ''اس مقام پر استاذ نے سلیمان بن بلال کا نام صرف سلیمان اور یحییٰ بن سعید کا نام صرف یحییٰ ذکر کیا تھا اور ان کے نسب کو ظاہر نہیں کیا تھا۔ امام مسلم چاہتے تو اس کو سلیمان بن بلال اور یحییٰ بن سعید کے نام سے ذکر کر سکتے تھے لیکن اس صورت میں یہ وہم ہوتا ہے کہ شاید استاذ نے اپنی سند میں ان کا اسی طرح ذکر کیا ہے' اس لیے احتیاطاً امام مسلم نے ایک کے نام کے ساتھ ''یعنی ابنَ بلال ''اور دوسرے نام کے ساتھ ''وھو ابن سعید'' لکھا۔

اسی طرح راوی کے اسم' صفت' کنیت یا نسب میں اختلاف ہو تو امام مسلم اس کا بھی بیان کر دیتے ہیں۔ نیز جس اسناد میں کوئی علت خفیہ ہو اس کو بھی ظاہر کر دیتے ہیں۔ سند میں اگر اتصال یا ارسال اور متن میں زیادتی یا کمی کا اختلاف ہو تو اس کو بھی واضح کر دیتے ہیں۔ الفاظ حدیث کے اختلاف کو ''واللفظ لفلاں ''کے ساتھ اسی جگہ بیان کر دیتے ہیں۔ ''صحیح مسلم'' ان خوبیوں میں منفرد ہے امام بخاری کی ''صحیح'' میں یہ خوبیاں نہیں ہیں۔

ایک متن حدیث جب اسانید متعدد سے مروی ہو تو امام مسلم ان تمام اسانید کو ان کی احادیث کے ساتھ ایک جگہ ذکر کر دیتے ہیں۔ وہ نہ ان احادیث کو متعدد ابواب میں متفرق کرتے ہیں نہ ایک حدیث کی مختلف ابواب میں تقطیع کرتے ہیں' حدیث کو اس کے اصل الفاظ کے ساتھ وارد کرتے ہیں نہ روایت بالمعنی کرتے ہیں اور نہ حدیث کا اختصار کرتے ہیں۔ نیز باب کے تحت صرف احادیث لاتے ہیں' آثار صحابہ اور اقوال تابعین کے ساتھ احادیث کو مختلط نہیں کرتے۔

اگر ایک سند کے ساتھ متعدد احادیث مروی ہوں تو اس بات میں محدثین کا اختلاف ہے کہ ایک سند کے ساتھ ہی تمام روایات کو ذکر کر دیا جائے یا ہر حدیث کے ساتھ اسناد کا اعادہ کیا جائے' استاذ ابواسحاق الاسفرائنی ایک اسناد کے ساتھ اس کی تمام روایات کے ذکر کو جائز نہیں رکھتے اور ہر حدیث کے ساتھ اسناد کا اعادہ ضروری قرار دیتے تھے۔ اس کے برعکس دوسرے محدثین ان تمام احادیث کے بیان کے لیے سند کا ایک بار ذکر ہی کافی سمجھتے ہیں' چنانچہ ایک سند کے ساتھ دو حدیثیں مروی ہوں تو امام بخاری صرف ایک بار سند کا ذکر کرتے ہیں اور اس اختلاف کی رعایت نہیں کرتے۔ امام بخاری فرماتے ہیں:

حدثنا ابوالیمان قال انا شعیب قال انا ابوالزناد انا عبدالرحمن بن ھرمز الاعرج حدثه انه سمع اباھریرة انه سمع رسول ﷺ یقول نحن الاخرون السابقون و باسناده قال لا یبولن احدکم فی الماء الدائم الذی لا یجری ثم یغتسل فیه. (امام محمد بن اسماعیل البخاری' المتوفی ۲۵۶ھ' الجامع الصحیح ج ا ص ۳۷)

اس کے برخلاف امام مسلم نے انتہائی محتاط روش اختیار کی ہے۔ وہ اس اختلاف کی رعایت کرتے ہوئے ہر حدیث کے ذکر کے ساتھ اسناد کا بھی اعادہ کر دیتے ہیں۔ مثلاً ''کتاب الطہارۃ'' میں ایک جگہ ذکر کرتے ہیں:

حدثنا محمد بن رافع قال انا عبدالرزاق بن ھمام قال نا معمر بن راشد عن ھمام بن منبه اخی وھب بن منبه قال ھذا ماحد ثنا به ابوھریرة عن محمد رسول الله فذکر احادیث منھا وقال رسول الله ﷺ لا تقبل صلوة احدکم اذا احدث حتی یتوضأ. (امام مسلم بن حجاج' متوفی ۲۶۱ھ' الجامع الصحیح ج ا ص ۱۱۹) اور

دوسری بار جب حدیث لائے تو پھر ذکر کرتے ہیں۔

حدثنا محمد بن رافع قال نا عبدالرزاق بن همام قال نا معمر بن عن همام بن منبه قال هذا حدثنا به ابوهريرة عن محمد رسول الله ﷺ فذكر احاديث منها وقال رسول الله ﷺ اذا توضأ احد كم فليستنشق بمنخريه من الماء. (امام مسلم بن حجاج، متوفی ۲۶۱ھ الجامع الصحیح ج ۱ ص ۱۲۴)

امام مسلم نے اپنی ''صحیح'' میں احادیث کو ترتیب وار ابواب کے لحاظ سے وارد کیا ہے۔ لیکن تراجم اور عنوانین مقرر نہیں کیے امام نووی فرماتے ہیں: اس کا سبب یا تو اختصار تھا یا کوئی اور امر جس کو امام مسلم ہی بہتر طور پر جانتے تھے۔ بہرحال بعد کے لوگوں نے ان ابواب کے تراجم مقرر کر دیے ہیں جن کو ''صحیح مسلم'' کے حواشی میں ذکر کر دیا گیا ہے۔ ان تراجم میں بعض بہت عمدہ ہیں اور بعض میں رکاکت اور تقصیر ہے۔

شرائط

امام مسلم نے اپنی ''جامع صحیح'' میں احادیث وارد کرنے کی یہ شرط مقرر کی ہے کہ حدیث کو نقل کرنے والے تمام راوی مسلم، عادل، ثقہ، متصل، غیر شاذ اور غیر معلل ہوں۔ ثقہ کا معیار امام مسلم کے نزدیک یہ ہے کہ وہ راوی طبقہ اولیٰ اور ثانیہ سے ہوں یعنی کامل الضبط والاتقان اور کثیر الملازمۃ مع الشیخ ہوں، یہ طبقہ اولی ہے یا کامل الضبط اور قلیل الملازمۃ ہوں، یہ طبقہ ثانیہ ہے رہا طبقہ ثالثہ یعنی ناقص الضبط اور کثیر الملازمۃ تو ان کی روایات سے امام مسلم انتخاب کرتے ہیں اور استیعاب فقط پہلے دو طبقوں سے کرتے ہیں اور اتصال کا معیار ان کے نزدیک یہ ہے کہ راوی اور مروی عنہ کے درمیان معاصرت کا ثبوت ہو۔

(طاہر بن صلاح الجزائری الدمشقی، توجیہ النظر ص ۸۶)

امام مسلم نے رواۃِ حدیث کے تین طبقات مقرر کیے ہیں۔ اول: جو ضبط اور اتقان میں اعلیٰ درجہ پر ہیں، ثانی: متوسطین اور ثالث: متروکین جو متہم بالکذب ہوں اور امام مسلم نے اس کتاب میں حدیث لانے کی شرط یہ مقرر کی ہے کہ وہ راوی پہلے دو طبقوں میں سے ہوں اور ان دونوں میں پہلے طبقہ کی روایات مقدم ہوں گی اور تیسرے طبقہ کے بارے میں انہوں نے تصریح کر دی ہے کہ وہ اس طبقہ کی احادیث کی تخریج نہیں کریں گے۔ (امام مسلم بن حجاج قشیری،

متوفی ۲۶۱ھ مقدمہ صحیح مسلم ص ۳ تا ۵) اس کے باوجود ''صحیح مسلم'' میں تیسرے طبقہ کی روایات بھی موجود ہیں اس کی توجیہ میں یہ کہا گیا ہے کہ امام مسلم نے اس طبقہ کی روایات اصالۃً وارد نہیں کیں بلکہ ان کو بالتبع تائید کے مرتبہ میں لائے ہیں یا اس طبقہ کی روایات کو اس وقت لائے ہیں جب وہ کسی زائد خوبی مثلاً علو اسناد پر مشتمل تھیں۔ نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس ضعف کی وجہ سے ان راویوں کو طبقہ ثالثہ میں شمار کیا گیا ہے ان میں وہ ضعف مثلاً نسیان یا اختلال وغیرہ ''صحیح مسلم'' میں ان کی احادیث کے اندراج کے بعد لاحق ہوا ہے۔

امام مسلم نے اپنی ''صحیح'' میں احادیث وارد کرنے کے لیے ایک شرط یہ بھی عائد کی ہے کہ اس حدیث کی صحت پر اجماع ہو چکا ہو۔ کیونکہ جب ان سے حدیث ابوہریرہ ''فاذا قرأ فانصتوا'' کے بارے میں سوال کیا گیا کہ آپ نے اس کو اپنی ''صحیح'' میں درج کیوں نہیں کیا؟ تو آپ نے جواب دیا کہ میں نے ہر اس حدیث کو کتاب میں درج نہیں کیا جو صرف میرے نزدیک صحیح تھی بلکہ اس حدیث کو درج کیا ہے جس کی صحت پر اتفاق ہو چکا ہو۔

(امام مسلم بن حجاج قشیری' متوفی ۲۶۱ھ' صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۷۴)

امام مسلم کی اس شرط پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ''صحیح مسلم'' میں بہت سی ایسی احادیث ہیں جن کی صحت پر سب کا اتفاق نہیں ہے۔ امام نووی نے ''شرح مسلم'' میں اس کا جواب دیا ہے کہ جن احادیث کو امام مسلم نے اپنی ''صحیح'' میں درج کیا ہے ان کے خیال میں ان کی صحت پر سب کا اتفاق ہو چکا تھا خواہ فی الواقع ایسا نہ ہوا ہو۔ اور حافظ ابن صلاح نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ جو احادیث مجمع علیہ نہیں ہیں ممکن ہے ان کو وارد کرتے وقت امام مسلم کو یہ شرط یاد نہ رہی ہو اور علامہ سیوطی نے اس کے جواب میں فرمایا ہے کہ اس اجماع سے اجماع اضافی مراد ہے یعنی امام احمد بن حنبل' یحییٰ بن معین' عثمان بن ابی شیبہ اور سعید بن منصور کا اجماع اور امام مسلم کی لائی ہوئی احادیث اس قسم کے اجماع سے بہرحال خالی نہیں ہیں۔

امام بخاری اور علی بن مدینی اتصال کے لیے صرف راوی اور مروی عنہ کی معاصرت کو کافی نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان میں باہم ملاقات کی بھی شرط لگاتے تھے۔ اس لیے امام مسلم نے ''مقدمہ صحیح'' میں ان لوگوں پر انتہائی شدید اور تند و تیز رد کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

''ہمارے زمانے کے بعض ان لوگوں نے جو بہ زعم خویش محدث ہیں اسانید کی صحت اور

سقم کے بارے میں ایک ایسی بات کہی ہے کہ اگر ہم اس سے درگزر لیتے تو عین مناسب ہوتا کیونکہ قول باطل سے اغماض میں ہی مصلحت ہے لیکن اس خیال سے کہ کہیں ناواقف لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو کر ان اقوال ساقطہ اور شرائط محدثہ کو حق خیال نہ کرلیں اور قول صحیح کو خطاء پر نہ محمول کرنے لگیں، ہم نے مناسب سمجھا کہ ہم اس قول کے فساد اور بطلان کو واضح کردیں۔"

چنانچہ ان بہ زعم خویش محدثین نے بیان کیا ہے کہ ہر وہ حدیث حجت نہیں ہوتی جس میں "فلاں عن فلاں" ہو اور راوی اور مروی عنہ کے درمیان ملاقات ثابت نہ ہو اگرچہ ان کے درمیان معاصرت ہو۔ لیکن ان کا یہ قول سراسر من گھڑت اور خود ساختہ ہے۔ اہل علم میں سے کسی نے اس سے پہلے نہ یہ قول کیا اور نہ اس کی موافقت کی اور جس چیز پر اب تک اگلے اور پچھلے تمام لوگوں کا اتفاق رہا ہے وہ صرف یہی ہے کہ جب ایک ثقہ راوی اپنے معاصر ثقہ سے روایت کرے تو وہ روایت مقبول ہوتی ہے۔ اب ہم اس شرط کے گھڑنے والوں سے پوچھتے ہیں کہ کیا علماء سلف میں سے کسی نے اس شرط کا قول کیا ہے؟ اور جب وہ اس شرط کی تائید میں کوئی قول پیش نہیں کرسکتا تو پھر اس نے کس برتے پر یہ شرط عائد کی ہے؟ اگر وہ یہ کہے کہ جب راوی اور مروی عنہ میں ملاقات کا ثبوت نہ ہوگا تو وہ حدیث مرسل ہوگی اور ارسال صحت کے منافی ہے تو میں یہ کہوں گا کہ جب ہم "عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة" روایت کرتے ہیں اور ہمیں معلوم ہے کہ ہشام نے عروہ سے اور عروہ نے حضرت عائشہ سے سماع کیا ہے پھر بھی تو یہ احتمال ہے کہ جس حدیث کو عروہ حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں وہ انہوں نے بلاواسطہ حضرت عائشہ سے نہ سنی ہو اور درمیان کے واسطہ کو چھوڑ دیا ہے۔ اب جب کہ یقینی سماع کی صورت میں بھی ارسال کا احتمال موجود ہے اور تم صرف ایک بار ملاقات کی صورت میں صرف امکان سماع پر اتصال کا مدار رکھتے ہو تو معلوم ہوا کہ اتصال کی علت امکان سماع ہے اور وہ معاصرت میں بھی حاصل ہے تو پھر ثبوت معاصرت سے اتصال کیونکر ثابت نہیں ہوگا؟ اور اگر امکان سماع یہاں معتبر نہیں ہے تو وہاں بھی نہ ہونا چاہیے (امام مسلم کی اس دلیل کا جواب شرائط بخاری میں گزر چکا ہے)۔

(امام مسلم بن الحجاج قشیری، متوفی ۲۶۱ھ، مقدمہ صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۱)

تعلیقات

امام بخاری کی طرح امام مسلم نے اپنی ''صحیح'' میں تعلیقات کی کثرت نہیں کی' حافظ ابنِ صلاح نے ''صحیح مسلم'' کے صرف چودہ مقامات گنوائے ہیں جہاں امام مسلم نے سند معلق کے ساتھ احادیث وارد کی ہیں۔ تفصیل یہ ہے: (۱) حدیث ابی جہم باب تیمّم (۲) حدیث ابی العلاء باب صلوٰۃ النبی (۳) حدیث یحیٰ بن عسان باب سکوت بین التکبیر والقرأۃ (۴) حدیث عائشہ کتاب الجنائز (۵) حدیث عائشہ باب الجوائح (۶) حدیث جعفر بن ربیعہ باب الجوائح (۷) حدیث کعب بن مالک فی تقاضی ابن حدرد (۸) حدیث معمر باب احتکار الطعام (۹) حدیث ابی اسامہ باب فقہ النبی ﷺ (۱۰) حدیث ابنِ عمر آخر باب الفضائل (۱۱) حدیث ابی سعید خدری آخر کتاب القدر (۱۲) حدیث براء بن عاذب فی الصلوٰۃ الوسطیٰ (۱۳) حدیث ابو ہریرہ باب الرجم (۱۴) حدیث عوف بن مالک کتاب الامارۃ۔ حافظ ابن صلاح لکھتے ہیں کہ یہ چودہ احادیث اگرچہ سند منقطع سے وارد ہیں۔ لیکن یہ احادیث دوسرے طرق سے جہات صحیحہ سے سند موصول کے ساتھ بھی مروی ہیں اس لیے یہ روایات بھی حکماً صحیح ہی ہیں۔

(شیخ محی الدین یحیٰ بن شرف نووی' متوفی ۶۷۶ھ' مقدمہ شرح مسلم ج ا ص ۱۴)

عددِ مرویات

''صحیح مسلم'' کی کل احادیث کی تعداد میں بھی اختلاف ہے ابوالفضل احمد بن سلمہ نے بیان کیا ہے کہ ''صحیح مسلم'' کی کل احادیث بارہ ہزار ہیں اور ابو حفص نے بیان کیا ہے کہ آٹھ ہزار ہیں۔ الجزائری نے اسی کی توثیق کی ہے اور حذف مکررات کے بعد ''صحیح مسلم'' میں بالاتفاق چار ہزار احادیث ہیں۔ (جدید نمبرنگ کے مطابق ''صحیح مسلم'' کی کل احادیث کی تعداد: ۷۴۲۸ اور بلا تکرار ۳۰۳۳ ہے۔) (شیخ طاہر بن صلاح الجزائری' توجیہ النظر ص ۹۳)

حافظ ابنِ صلاح لکھتے ہیں کہ حافظ ابوقریش بیان کرتے ہیں کہ ہم شیخ ابوزرعہ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ امام مسلم آئے اور سلام کر کے مجلس میں بیٹھ گئے۔ پھر اپنی ''صحیح'' کو پیش کر کے کہا: یہ چار ہزار احادیث صحیحہ کا مجموعہ ہے۔ شیخ ابوزرعہ نے سن کر کہا: باقی احادیث کس کے لیے چھوڑ دیں۔ حافظ ابن صلاح لکھتے ہیں کہ چار ہزار احادیث سے امام مسلم کی مراد وہ احادیث تھیں جو غیر مکرر ہیں۔

مستخرجات

اصطلاح حدیث میں مستخرج حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں کسی کتاب کی احادیث کو دیگر اسانید کے ساتھ اس کے مصنف کی شرائط پر جمع کیا جائے۔ "صحیح مسلم" کی احادیث کی تخریج میں بہت سی کتب تصنیف کی گئی ہیں چند ازاں یہ ہیں:

(۱) المسند الصحیح علی مسلم:

یہ حافظ ابوبکر بن محمد النیشاپوری الاسفرائنی التوفی ۲۸۶ھ کی تصنیف ہے۔ حافظ السفرائنی اکثر شیوخ میں امام مسلم کے شریک ہیں۔

(۲) التخریج علی صحیح مسلم:

یہ ابوجعفر احمد بن حمدان علی النیشاپوری التوفی ۳۱۱ھ کی تالیف ہے۔

(۳) مختصر المسند الصحیح علی مسلم:

یہ حافظ ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق الاسفرائنی التوفی ۳۱۶ھ کی تصنیف ہے۔ انہوں نے یونس بن عبدالاعلی اور دوسرے شیوخ مسلم سے روایت کی ہے۔

(۴) التخریج علی مسلم:

یہ ابونصر محمد بن محمد الطوسی الشافعی التوفی ۳۴۴ھ کی تالیف ہے۔

(۵) التخریج علی مسلم:

یہ ابوحامہ احمد بن محمد الشازکی الشافعی الہروی التوفی ۳۵۵ھ کی تالیف ہے۔

(۶) المسند الصحیح علی مسلم:

یہ ابوبکر محمد بن عبداللہ الجوزقی النیشاپوری التوفی ۳۸۸ھ کی تالیف ہے۔

(۷) المسند المستخرج علی مسلم:

یہ حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصفہانی التوفی ۴۳۰ھ کی تالیف ہے۔

(۸) المخرج علی صحیح مسلم:

یہ ابوالولید حسان بن محمد القرشی التوفی ۴۳۹ھ کی تصنیف ہے۔ [1]

[1] ان تمام تصانیف کا ذکر حاجی خلیفہ التوفی ۱۰۶۷ھ نے کشف الظنون ج اص ۵۵۶ تا ۵۵۷ میں کیا ہے۔

شروحات صحیح مسلم

''صحیح مسلم'' پر متعدد حواشی لکھے گئے اور بہت سی شروحات تصنیف کی گئی ہیں اور تقریباً ہر زمانہ میں علماء راسخین اور جلیل القدر محدثین ''صحیح مسلم'' کی احادیث کے اسرار و رموز اور حقائق و دقائق بیان کرتے رہے ہیں۔ سطور ذیل میں چند شروح کے اسماء ذکر کیے جاتے ہیں:

(۱) المفهم في شرح غريب مسلم:

یہ امام عبدالغافر بن اسماعیل الفارسی المتوفی ۵۲۹ھ کی تالیف ہے۔

(۲) شرح مسلم:

یہ امام ابوالقاسم اسماعیل بن محمد اصفہانی المتوفی ۵۳۵ھ کی تالیف ہے۔

(۳) المعلم بفوائد كتاب مسلم:

یہ ابوعبداللہ محمد بن علی المازری المتوفی ۵۳۶ھ کی تالیف ہے۔

(۴) الاكمال في شرح مسلم:

یہ قاضی عیاض بن موسیٰ المالکی المتوفی ۵۴۴ھ کی تالیف ہے۔

(۵) شرح مسلم:

یہ عماد الدین عبدالرحمٰن بن عبدالعلی المصری المتوفی ۶۲۴ھ کی تصنیف ہے۔

(۶) المفهم لما اشكل من تلخيص كتاب مسلم:

یہ شرح ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المتوفی ۶۵۶ھ کی تالیف ہے۔ اس شرح میں الفاظ عربیہ کے معانی، اعاریب اور احادیث سے مسائل مستنبط اور نکات کو بیان کیا گیا ہے۔

(۷) المنهاج في شرح مسلم بن الحجاج:

یہ شرح حافظ ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی الشافعی المتوفی ۶۷۶ھ کی تالیف ہے۔ امام نووی نے فرمایا کہ اگر مجھے لوگوں کی پست ہمتی اور قلت رغبت کا خیال نہ ہوتا تو میں سو جلدوں میں اس کی شرح کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس شرح کو بے حد مقبولیت عطا فرمائی۔ عام طور پر برصغیر کے علماء کے پاس یہی شرح ہے جسے ''صحیح مسلم'' کے ساتھ چھاپ دیا گیا ہے۔ حافظ شمس الدین القونوی المتوفی ۷۸۸ھ نے اس شرح کا اختصار بھی کیا ہے۔

(۸) شرح مسلم:
یہ شرح ابوالفرج عیسٰی بن مسعود الزواوی المتوفی ۷۴۴ھ کی تالیف ہے۔ پانچ جلدوں پر مشتمل یہ ایک ضخیم شرح ہے۔

(۹) شرح زوائد مسلم علی البخاری:
یہ شرح سراج الدین عمر بن علی المتوفی ۸۰۴ھ کی تالیف ہے۔ چار جلدوں پر مشتمل ہے۔

(۱۰) اکمال اکمال المعلم:
یہ شرح امام عبداللہ محمد بن خلیفہ المالکی المتوفی ۸۲۷ھ کی تالیف ہے۔ چار جلدوں پر مشتمل ایک ضخیم شرح ہے۔

(۱۱) شرح مسلم:
یہ شرح شیخ تقی الدین ابوبکر بن محمد الدمشقی المتوفی ۸۲۹ھ کی تالیف ہے۔

(۱۲) الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج:
یہ حافظ جلال الدین عبدالرحمان بن ابی بکر السیوطی المتوفی ۹۱۱ھ کی تالیف ہے۔

(۱۳) شرح مسلم:
یہ شرح قاضی زین الدین زکریا بن محمد الانصاری المتوفی ۹۲۶ھ کی تالیف ہے۔

(۱۴) منہاج الابتہاج بشرح مسلم بن الحجاج:
یہ شرح شیخ شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی المتوفی ۹۲۳ھ کی تالیف ہے۔ آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ تقریباً نصف کتاب کی شرح ہے۔

(۱۵) شرح مسلم:
یہ شرح ملا علی قاری المتوفی ۱۰۱۴ھ کی تالیف ہے۔ چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔[۱]

مختصرات صحیح مسلم اور ان کی شروح

صحیح مسلم کا خلاصہ کر کے مختصرات کی بھی تالیف کی گئی ہے اور بعض لوگوں نے ان کی

[۱] ان تمام شروح کی تفصیل حاجی خلیفہ المتوفی ۱۰۶۷ھ کی کشف الظنون ج ۱ ص ۵۵۷ تا ۵۵۸ سے لی گئی ہے۔

شروح بھی لکھی ہیں۔

(۱) مختصر صحیح مسلم:

یہ شرح ابوالفضل محمد بن عبداللہ المریسی المتوفی ۶۵۵ھ کی تالیف ہے۔

(۲) مختصر صحیح مسلم:

حافظ ذکی الدین عبدالعظیم المتوفی ۶۵۶ھ کی تالیف ہے۔

(۱) شرح مختصر صحیح مسلم:

یہ عثمان بن عبدالملک الکردی المصری المتوفی ۷۳۰ھ کی تالیف ہے۔

(۲) شرح مختصر صحیح مسلم:

یہ محمد بن احمد الاسنوی المتوفی ۷۶۳ھ کی تالیف ہے۔

شروح، مختصرات اور مستخرجات کے علاوہ ''مسلم'' کے اسماء رجال پر بھی کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں ابوبکر احمد بن علی الاصفہانی المتوفی ۶۷۹ھ کی تالیف بہت مشہور ہے۔[۱]

۞۞۞۞۞

[۱] ان تمام شروح کی تفصیل حاجی خلیفہ المتوفی ۱۰۶۷ھ کی کشف الظنون ج ۱ ص ۵۵۷ تا ۵۵۸ سے لی گئی ہے۔

امام ترمذی

امام ابوعیسیٰ ترمذی عابد و زاہد' بے مثال حافظہ کے مالک اور یگانہ روزگار محدث تھے۔
ادریسی نے کہا: ابوعیسیٰ ترمذی ان ائمہ میں سے ہیں جن کی علم حدیث میں پیروی کی جاتی ہے۔
انہوں نے جامع تواریخ اور علل کی تصنیف کی۔ وہ ایک ثقہ عالم تھے اور ایسا حافظہ رکھتے تھے کہ لوگ حفظ میں ان کی مثال دیا کرتے تھے۔ (شہاب الدین ابن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ تہذیب التہذیب ج۹ص ۳۸۸) امام ترمذی بے حد عبادت گزار اور پُر سوز دل کے مالک تھے۔ یوسف بن احمد بغدادی بیان کرتے ہیں کہ کثرت گریہ وزاری کے سبب وہ اخیر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔
امام ترمذی امام بخاری کے شاگرد تھے۔ نصر بن محمد خود امام ترمذی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن امام بخاری نے ان سے کہا کہ تم نے مجھ سے اس قدر استفادہ نہیں کیا جتنا استفادہ مَیں نے تم سے کیا ہے اور عمران بن علان نے کہا کہ امام محمد بن اسماعیل بخاری نے فوت ہونے کے بعد اہلِ ''خراسان'' کے لیے علم و عمل میں امام ترمذی جیسا کوئی شخص نہیں چھوڑا۔
(شہاب الدین ابنِ حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ تہذیب التہذیب ج۹ص ۳۸۹)

ولادت اور سلسلہ نسب

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ بن موسیٰ بن الضحاک ابن السکن سلمی ترمذی ۲۰۹ھ میں ''بلخ'' کے شہر ''ترمذ'' میں پیدا ہوئے جو دریائے ''جیحون'' کے قریب واقع ہے۔

کنیت ابوعیسےٰ

امام ترمذی کا نام محمد اور کنیت ابوعیسیٰ ہے'' جامع ترمذی'' میں انہوں نے اپنے نام کی بجائے کنیت کو اختیار کیا ہے اور جہاں اپنا ذکر کرتے ہیں ''قال ابو عیسیٰ'' کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ اس جگہ یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ امام ابن ابی شیبہ نے پوری سند کے ساتھ اپنی مصنف میں روایت کیا ہے کہ ایک شخص کی کنیت ابوعیسیٰ تھی حضور ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: عیسیٰ کا کوئی باپ نہیں تھا۔ اس روایت کے سبب بعض علماء نے ابوعیسیٰ کنیت رکھنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے کنیت ابو عیسیٰ سے نہ منع فرمایا ہے نہ اس کو ناپسند کیا ہے بلکہ صرف ایک امر واقعی کا بیان فرمایا ہے کہ واقعہ میں حضرت عیسیٰ کا کوئی باپ نہیں تھا۔ ثانیاً: یہ کہ حضور کا یہ فرمان مزاح کے قبیل سے تھا جیسا کہ ایک شخص نے ایک مرتبہ حضور ﷺ سے سواری کے لیے اونٹ مانگا تو آپ نے فرمایا: میں تمہیں اونٹ کے بچے پر سوار کروں گا وہ کہنے لگا: حضور! اونٹ کا بچہ تو مجھے گرا دے گا آپ ﷺ نے فرمایا: ہر اونٹ کسی نہ کسی اونٹ کا بچہ ہی ہوتا ہے۔

کنیت ابو عیسیٰ کے سلسلہ میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ کی کنیت بھی ابو عیسیٰ تھی۔ جب حضرت عمر کو اس کنیت کا علم ہوا تو انہوں نے اس کنیت کو ناپسند فرمایا حضرت مغیرہ بن شعبہ نے بتلایا کہ ان کی کنیت حضور نے رکھی تھی تو حضرت عمر نے اس کو حضور کی خصوصیت قرار دیا اور اس کنیت سے بدستور منع کرتے رہے۔ لیکن اس استدلال میں بھی کچھ جان نہیں ہے کیونکہ حضرت مغیرہ بن شعبہ کی یہ کنیت خود حضور نے رکھی تھی اور حضرت عمر کا اس کو حضور کی خصوصیت قرار دینا اس وقت معتبر ہوتا جب حضور نے اس کنیت سے منع فرمایا ہوتا۔ نیز یہاں ''اب'' کا لفظ ''ابوت'' کے معنی میں ہے ہی نہیں بلکہ اشتغال اور لزوم کے معنی ہے جیسے ابوتراب، ابوہریرہ اور ابوبکر وغیرہ کنیتوں میں بھی یہی معنی ہے۔

امام ترمذی کے ہم نام

امام ترمذی کے ایک ہم نام حکیم ترمذی ہیں اور بسا اوقات بعض ناواقف لوگ حکیم ترمذی کی روایات کو امام ترمذی کی روایات خیال کر لیتے ہیں، حالانکہ حکیم ترمذی نے ''نوادر الاصول'' میں اکثر ضعیف اور غیر معتبر روایات جمع کر دی ہیں اور امام ترمذی کی ''جامع صحیح'' میں اکثر صحیح اور معتبر روایات ہیں۔

تحقیق یہ ہے کہ ترمذی نام کے تین مشاہیر اعلام گزرے ہیں۔

(۱) امام ابو عیسیٰ الترمذی صاحب ''الجامع الصحیح'' المتوفی ۲۷۹ھ۔

(۲) ابوالحسن احمد بن الحسن بن جنید الترمذی المتوفی ۲۴۵ھ یہ ترمذی کبیر کے نام سے مشہور تھے اور امام بخاری اور امام ترمذی کے استاذ تھے۔

(امام عبداللہ شمس الدین الذہبی متوفی ۷۴۸ھ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵۳۶)

(۳) ابو عبداللہ محمد بن علی بن الحسن الحکیم الترمذی المتوفی ۲۵۵ھ۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ یہ

نبوت پر ولایت کی فضیلت کے قائل تھے۔اس عقیدہ کے سبب ان کو" ترمذ" سے نکال دیا گیا۔پھر یہ" بلخ" چلے گئے جہاں ان کو ان کے ہمنوا مل گئے۔(امام عبداللہ شمس الدین الذہبی متوفی ۷۴۸ھ' تذکرۃ الحفاظ ج۲ص ۶۵) ان کی کتاب" نوادر الاصول فی معرفۃ اخبار الرسول" بہت مشہور ہے' جس میں ۲۸۸ احادیث ذکر کی گئی ہیں' حافظ سیوطی نے ان پر زیادتی بھی کی ہے۔(حاجی خلیفہ متوفی ۱۰۶۷ھ کشف الظنون ج۲ص ۱۹۷۹)

اساتذہ

امام ترمذی نے حصولِ علم کی خاطر خراسان' عراق اور حجاز کے متعدد شہروں کا سفر کیا اور اپنے وقت کے بہترین افاضل' علوم حدیث کے ماہرین اور جید اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ان کے اساتذہ میں سے چند حضرات کے اسماء یہ ہیں: قتیبہ بن سعید' ابومصعب' ابراہیم بن عبداللہ ہروی' اسماعیل بن موسیٰ اسدی' سوید بن نصر' علی بن حجر' محمد بن عبدالمالک بن ابی شوارب' عبداللہ بن معاویہ' محمد بن اسماعیل البخاری' مسلم بن الحجاج القشیری' اور امام ابوداؤد۔(امام ذہبی متوفی ۷۴۸ھ' تذکرۃ الحفاظ ج۲ص ۶۳۴)

تلامذہ

امام ترمذی کے تلامذہ کی بھی ایک طویل فہرست ہے اور بے شمار لوگوں نے ان سے احادیث کا سماع کیا ہے۔حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان میں سے بعض حضرات کا ذکر کیا ہے۔جن کی تفصیل یہ ہے: ابوحامد احمد بن عبداللہ بن داؤد مروزی' ہیثم بن کلیب شامی' محمد بن محبوب ابوالعباس محبوبی مروزی' احمد بن یوسف نسفی' ابوالحارث اسد بن حمودیہ' داؤد بن نصر بن سہیل بزدوی' عبد بن محمد بن محمود نسفی' محمد بن نمیر' محمد بن محمود' محمد بن مکی بن فوج' ابوجعفر محمد بن سفیان بن نضر نسفی' محمد بن منذر ابن سعید ہروی اور امام بخاری۔

(حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ' تہذیب التہذیب ج۹ص ۳۸۷)

امام ترمذی نے اپنی" جامع صحیح" میں دو ایسی روایتیں ذکر کی ہیں جن کا امام بخاری نے امام ترمذی سے سماع کیا ہے جن کی تفصیل یہ ہے:

(۱) **حدثنا** الحسن بن محمد الزعفرانی ناعفان ناحفص بن غیاث بن حبیب بن ابی جمرۃ عن سعید بن جبیر عن ابن عباس فی قول اللہ عزوجل ما

قطعتم من لينة وتركتموها قائمة على اصولها قال اللينة النخلة وليخزى الفاسقين قال استنزلوهم من حصونهم قال وامروا بقطع النخل فحك في صدورهم فقال المسلمون قد قطعنا بعضا وتركنا بعضا فلنسئلن رسول الله ﷺ هل لنا فيما قطعنا من اجر وهل علينا فيما تركنا من وزر فانزل الله ما قطعتم من لينة او تركتموها قائمة على اصولها الاية هذا حديث حسن غريب وروى بعضهم هذا الحديث عن حفص بن غياث عن حبيب بن ابى عمرة عن سعيد بن جبير عن النبى ﷺ مرسلا قال ابو عيسىٰ سمع منى محمد بن اسماعيل هذا الحديث. (ابوعیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ الجامع الصحیح ص ۴۷۴)

(۲) **حدثنا** على بن المنذرنا ابن فضيل عن سالم بن ابى حفصة عن عطية عن ابى سعيد قال قال رسول الله ﷺ لعلى يا على لا يحل لاحد ان يجنب فى هذا المسجد غيرى و غيرك قال على بن المنذر قلت لضرار بن صرد ما معنى هذا الحديث قال لا يحل لاحد يستطرقه جنبا غيرى وغيرك هذا حديث غريب لا نعرفه الامن هذا الوجه و قد سمع محمد بن اسماعيل منى هذا الحديث و استغربه. (ابوعیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ الجامع الصحیح ص ۵۳۵)

بے مثل حافظہ

امام ترمذی غضب کا حافظہ رکھتے تھے۔ ان کی قوت حفظ سے متعلق ایک واقعہ عام تذکرہ نگاروں نے نقل کیا ہے۔ خود امام ترمذی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک شیخ سے ان کی احادیث کے دو جز نقل کیے تھے۔ ایک مرتبہ مکہ کے سفر میں وہ میرے ہمراہ تھے۔ مجھے اب تک ان اجزاء کی دوبارہ جانچ پڑتال کا موقعہ نہیں ملا تھا۔ میں نے شیخ سے درخواست کی کہ آپ ان احادیث کی قرأت کریں اور میں سن کر ان کا مقابلہ کرتا جاؤں شیخ نے منظور فرما لیا۔ پھر میں نے ان اجزاء کو اپنے سامان میں تلاش کیا مگر وہ نہ مل سکے۔ بالآخر میں نے ان اجزاء کی مثل سادہ کاغذ اپنے ہاتھوں میں پکڑ لیے اور شیخ سے قرأت کی درخواست کی۔ شیخ قرأت کرتے رہے اور میں اپنے ذہن میں ان احادیث کو محفوظ کرتا رہا۔ اتفاقاً شیخ کی نظر ان سادہ کاغذوں پر پڑ گئی اور وہ ناراض ہو کر کہنے لگے: تم کو شرم نہیں آتی مجھ سے مذاق کرتے ہو پھر میں نے سارا ماجرا سنا

کر اپنا عذر پیش کیا اور کہا کہ آپ کی سنائی ہوئی تمام احادیث مجھے محفوظ ہو گئی ہیں۔ شیخ نے کہا: سناؤ اور میں نے وہ تمام احادیث من وعن سنا دیں۔ شیخ نے دوبارہ امتحان لینے کے لیے چالیس ایسی احادیث پڑھیں جو صرف ان سے روایت کی جاتی تھیں۔ امام ترمذی نے ان احادیث کو بھی اسی طرح ترتیب وار سنا دیا۔ اس پر شیخ نے انہیں تحسین و آفرین کرتے ہوئے بے اختیار کہا: ''ما رایت مثلک'' میں نے تمہاری مثل آج تک کسی کو نہیں دیکھا۔

(حافظ ابن حجر عسقلانی ۸۵۲ھ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۸۸)

ابن حزم کا انکار

ابو محمد ابن حزم المتوفی ۴۵۶ھ نے ''ایصال'' میں امام ترمذی کو مجہول قرار دیا ہے۔ کیونکہ غیر مقلدین حضرات کے لیے ابن حزم امام اور پیشوا کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لیے انہیں اس انکار پر تعجب ہوا اور انہوں نے ابنِ حزم کے قول کی تاویلات اور توجیہات کرنی شروع کر دیں۔ لیکن ہمارے لیے یہ امر چنداں باعثِ حیرت نہیں ہے۔ کیونکہ ابنِ حزم نے ''محلی'' میں امام ابوحنیفہ امام مالک اور امام شافعی وغیرہم مجتہدین کرام کے لیے جگہ جگہ کذب اور سفاہت کے الفاظ استعمال کیے ہے۔ پس جو شخص ان جیسے صلحا امت اور ائمہ دین کے لیے کذب اور سفاہت کے الفاظ لا سکتا ہے ایسے زبان دراز شخص کے لیے امام ترمذی کو مجہول کہہ دینا کیا بڑی بات ہوگی؟

تصانیف

درس و تدریس کی بے پناہ مصروفیات اور کثرت مشاغل کے باوجود امام ترمذی سے مندرجہ ذیل تصانیف یادگار ہیں: (۱) جامع ترمذی (۲) کتاب العلل (۳) کتاب التاریخ (۴) کتاب الزہد (۵) کتاب الاسماء والکنی (۶) کتاب الشمائل النبویہ۔

وفات

۱۳ رجب ۲۷۹ھ کو مقام ''ترمذ'' میں امام ترمذی کا انتقال ہو گیا اور وہیں آپ کو دفن کر دیا گیا۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ اس سال جن اور مشاہیر محدثین کا وصال ہوا ان کے اسماء یہ ہیں: محدث ابنِ خلیل بن ثابت، ابو جعفر برجلانی، ابراہیم بن عبداللہ العبسی الکوفی، محدث مکہ ابو یحییٰ عبداللہ بن احمد بن مسرۃ، محدث جعفر بن محمد بن شاکر۔

(شمس الدین الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۶۳۵)

جامع ترمذی

امام ابوعیسیٰ ترمذی کی ''جامع صحیح'' ترتیب صحاح کے لحاظ سے نسائی اور ابوداؤد کے بعد آتی ہے۔ لیکن اس کو اپنی جودت ترتیب' افادیت اور جامعیت کی وجہ سے جو شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی اس کے سبب اس کو عام طور پر بخاری اور مسلم کے بعد شمار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ حاجی خلیفہ اس کا ''ثالث الکتب الستہ'' کے عنوان سے ''کشف الظنون'' میں ذکر کرتے ہیں۔

حافظ ابن اثیر ''جامع الاصول'' میں لکھتے ہیں کہ ''جامع ترمذی'' کتب صحاح میں سب سے زیادہ احسن ہے۔ کیونکہ اس کی افادیت سب سے زیادہ اور ترتیب سب سے عمدہ ہے۔ نیز اس میں تکرار سب سے کم ہے' مذاہب ائمہ اور وجوہ استدلال کے ذکر اور انواع حدیث اور احوال رواۃ کے بیان میں یہ کتاب سب سے منفرد ہے۔

شیخ ابواسماعیل ہروی نے کہا کہ میرے نزدیک ابوعیسیٰ ترمذی کی کتاب بخاری اور مسلم کی کتابوں سے زیادہ مفید ہے۔ انہوں نے اس کا سبب بتلاتے ہوئے کہا کہ ''صحیح بخاری'' اور ''صحیح مسلم'' سے سوا ماہرین علوم حدیث کے اور کوئی شخص استفادہ نہیں کرسکتا۔ بہ خلاف ''صحیح ترمذی'' کے۔ کیونکہ یہ کتاب فقہاء محدثین اور عام علماء کے لیے یکساں مفید ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے اس کتاب کو تصنیف کے بعد علماء حجاز پر پیش کیا تو انہوں نے اس کو پسند کیا۔ پھر علماء ''خراسان'' پر پیش کیا تو انہوں نے بھی اس کو تحسین کی نظر سے دیکھا۔ امام ترمذی کہتے ہیں: جس شخص کے گھر میں یہ کتاب ہو یوں سمجھے گویا اس کے گھر میں نبی کلام کررہا ہے۔ (حافظ شمس الدین الذہبی' المتوفی ۷۴۸ھ' تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۶۳۴)

تسمیہ

''صحیح ترمذی'' کے نام میں اختلاف ہے۔ حاجی خلیفہ ''کشف الظنون'' میں لکھتے ہیں کہ بعض لوگ اس کو ''سنن ترمذی'' کہتے ہیں لیکن اس کا زیادہ مشہور نام ''الجامع الصحیح'' ہی ہے۔ سنن اصطلاح حدیث میں حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں' جس کی ترتیب ابواب فقہیہ کی طرز پر کی گئی ہو اور چونکہ ''ترمذی'' کی ترتیب اسی طور پر ہے اس لیے اس کو سنن کہنا بھی درست

ہے۔رہا ''الجامع الصحیح'' کہنا تو ''ترمذی'' کے جامع ہونے میں تو کوئی کلام نہیں البتہ صحیح کہنے پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ اس میں حسن اور ضعیف روایات بھی کافی تعداد میں موجود ہیں پھر اس کو صحیح کہنا کیونکر درست ہوگا؟ جواب یہ ہے کہ اس کو صحیح تغلیباً کہا گیا ہے۔

اسلوب

امام ترمذی نے اپنی ''جامع'' کی ترتیب میں جو اسلوب اختیار کیا ہے وہ اس قدر عمدہ اور مفید ہے جس کی وجہ سے اس کتاب کو تمام کتب صحاح میں نمایاں حیثیت حاصل ہے۔سطور ذیل میں ہم ''جامع ترمذی'' کی چند خصوصیات بمع امثلہ پیش کر رہے ہیں:

(۱) امام ترمذی حدیث ذکر کرنے کے بعد ائمہ مذاہب کے اقوال اور ان کا اختلاف ذکر کرتے ہیں۔مثلاً انہوں نے سلمہ بن قیس سے ایک روایت ذکر کی: ''اذا توضأت فانتثر واذ استجمرت فاوتر'' اس کے بعد امام ترمذی لکھتے ہیں:

واختلف اهل العلم فيمن ترک المضمضة والاستنشاق فقال طائفة منهم اذا ترکهما في الوضوء حتى صلى اعاد ورأوا ذالک في الوضوء والجنابة سواء وبه يقول ابن ابی ليلى وعبدالله بن مبارک و احمد واسحاق وقال احمد الاستنشاق اوکد من المضمضة قال ابوعيسى طائفة من اهل العلم يعيد في الجنابة ولا يعيد في الوضوء وهو قول سفيان الثوری وبعض اهل الکوفة وقالت طائفة لا يعيد في الوضوء ولا في الجنابة لانهما سنة من النبی ﷺ فلا تجب الاعادة على من ترکهما في الوضوء ولا في الجنابة وهو قول مالک وشافعی. (ابوعیسیٰ الترمذی المتوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۳۰)

(۲) امام ترمذی نے اپنی ''جامع صحیح'' میں یہ التزام کیا ہے کہ اس کتاب میں صرف ان احادیث کو درج کیا جائے جو کسی نہ کسی امام کا مذہب ہوں۔البتہ دو حدیثیں ایسی ہیں جن کے بارے میں امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ کسی امام کا مذہب نہیں ہے پہلی حدیث یہ ہے:

''عن ابن عباس قال جمع رسول الله ﷺ بين الظهر والعصر و بين المغرب والعشاء بالمدينة من غير خوف ولا مطر''. (ابوعیسیٰ الترمذی المتوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۲۷) لیکن اس حدیث کو اگر جمع صوری پر محمول کر دیا جائے یعنی حضور ﷺ نے ظہر

کو اس کے آخری وقت میں اور عصر کو اس کے ابتدائی وقت میں اسی طرح مغرب کو اس کے آخری وقت میں اور عشاء کو اس کے ابتدائی وقت میں پڑھا تو یہ حدیث ائمہ مذاہب میں سے کسی کے خلاف نہیں رہتی۔ دوسری حدیث یہ ہے: ''**عن معاویة قال قال رسول الله ﷺ من شرب الخمر فاجلدوه فان عاد في الرابعة فاقتلوه**''۔ (ابوعیسیٰ الترمذی المتوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۲۲۷) چوتھی بار شراب پینے پر کسی شخص کو بطور حد قتل کر دینا' بے شک کسی امام کا مذہب نہیں ہے۔ لیکن اگر اس قتل کو تعزیر پر محمول کر دیا جائے تو یہ ائمہ مذاہب میں سے کسی کے خلاف نہیں ہے۔ اس تحقیق سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ'' جامع ترمذی'' کی تمام احادیث معمول بہا ہیں اور انہوں نے اس کتاب میں کوئی حدیث ایسی ذکر نہیں کی جو کسی نہ کسی امام کا مذہب نہ ہو۔

(۳) جب ایک حدیث کئی صحابہ سے مروی ہو تو جس صحابی سے اس حدیث کی روایت مشہور ہو امام ترمذی اس صحابی کی روایت ذکر کرتے ہیں اور باقی صحابہ کی روایات کی طرف ''**وفی الباب عن فلان وعن فلان**'' کہہ کر اشارہ کر دیتے ہیں۔ مثلاً امام ترمذی روایت کرتے ہیں: ''**عن انس بن مالک قال کان النبی ﷺ اذا دخل الخلاء قال اللھم انی اعوذبک من الخبث والخبائث**''۔ اس کے بعد امام ترمذی لکھتے ہیں: ''**وفی الباب عن علی وزید بن ارقم وجابر و ابن مسعود**'' پھر اپنی روایت کی وجہ ترجیح ذکر کرتے ہیں: ''**قال ابوعیسی حدیث انس اصح شیئی فی ھذا الباب واحسن**''۔ (ابوعیسیٰ الترمذی المتوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۳۲۱) امام ترمذی کے اس طریقہ سے تین فائدے حاصل ہوتے ہیں: اول یہ کہ باب کی غیر مشہور روایات بھی علم میں آجاتی ہیں' ثانی یہ کہ بسا اوقات بعض غیر مشہور روایات کی کسی علت کا بھی بیان کر دیتے ہیں مثلاً یہی حدیث جس کو انہوں نے حضرت انس سے روایت کیا ہے اور جس کے بعد فرماتے ہیں کہ'' **وفی الباب عن علی وزید بن ارقم وجابر بن مسعود**'' اس میں زید بن ارقم کے بارے میں لکھتے ہیں: ''**وحدیث زید بن ارقم فی اسنادہ اضطراب**'' اور پھر تفصیل سے وجہ اضطراب بیان کر دی ہے' ثالث یہ کہ بعض اوقات غیر مشہور روایات کے متن میں کوئی زیادتی یا کمی ہو تو اس کا بھی ذکر کر دیتے ہیں مثلاً وہ حضرت جابر سے روایت کرتے ہیں: ''**عن جابر بن عبدالله قال نهی النبی ﷺ ان نستقبل القبلة ببول فرأیته قبل ان یقبض بعام یستقبلها**''۔ (ابوعیسیٰ الترمذی المتوفی

۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۳۲۱) پھر لکھتے ہیں: "وفی الباب عن ابی قتادہ و عائشۃ و عمار". اس کے بعد انہوں نے ابی قتادہ کی روایت ذکر کی ہے جس کے متن میں کمی ہے، لکھتے ہیں: "عن ابی قتادہ انہ رأی النبی ﷺ یبول مستقبل القبلۃ اخبرنا بذالک قتیبۃ قال نا بذالک ابن لھیعۃ" اس کے بعد مشہور روایت کی وجہ ترجیح بیان کرتے ہیں: "وحدیث جابر عن النبی ﷺ اصح من حدیث ابن لھیعۃ و ابن لھیعۃ ضعیف عند اھل الحدیث".

(۴) امام ترمذی کا عام طریقہ یہ ہے کہ کسی صحابی کی روایت ذکر کرنے کے بعد "وفی الباب عن فلاں" کہتے ہیں تو "فی الباب" کے تحت اس صحابی کا نام ذکر نہیں کرتے جس کی روایت اصالۃً باب کے تحت لاتے ہیں۔ لیکن بعض جگہ انہوں نے اس طریقہ کے خلاف بھی کیا ہے مثلاً وہ روایت کرتے ہیں: "عن ابی سعید الخدری عن النبی ﷺ قال فی الجنۃ شجر یسیر الراکب فی ظلھا مآۃ عام الحدیث". (الحافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ موارد الظمان زوائد ابن حبان ص ۶۵۲) اس کے بعد وہ لکھتے ہیں: "وفی الباب عن ابی سعید" لیکن اس جگہ ابو سعید کی روایت سے وہ روایت مراد نہیں ہے جس کا امام ترمذی پہلے ذکر کر چکے ہیں بلکہ ایک اور روایت ہے: "عن ابی سعید الخدری عن رسول اللہ ﷺ انہ قال لہ رجل یا رسول اللہ ما طوبٰی قال شجرۃ مسیرۃ مآۃ الحدیث". (یہ روایت "موارد الظمان" میں ہے)۔ (ابو عیسیٰ الترمذی، المتوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۴۷)

(۵) امام ترمذی مکمل سند بیان کرنے کے بعد انواع حدیث میں سے اس حدیث کی نوع کا بیان کر دیتے ہیں کہ آیا یہ حدیث صحیح ہے، حسن ہے یا ضعیف ہے مثلاً روایت کرتے ہیں:

حدثنا بندار حدثنا ابو احمد نا سفیان عن معمر عن قتادۃ عن انس ان رسول اللہ ﷺ کان یطوف علی نسائہ فی غسل واحد.

اس کے بعد وہ لکھتے ہیں: "قال ابو عیسٰی حدیث انس حدیث صحیح". (ابو عیسیٰ الترمذی، المتوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۴۱) اور حسن کی مثال یہ ہے: حدثنا علی بن حجر نا عبد الرحمٰن بن ابی الزناد عن ابیہ عن عروۃ بن الزبیر عن المغیرۃ بن شعبۃ قال رأیت النبی ﷺ یمسح علی الخفین علی ظاھرھما قال ابو عیسٰی حدیث

المغيرة حديث حسن. (ابوعیسیٰ الترمذی المتوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۳۴) اور ضعیف کی مثال یہ ہے: **حدثنا قتيبة قال ثنا رشدين بن سعد عن عبدالرحمٰن بن زياد بن انعم عن عتبة بن حميد عن عبادة بن نسي عن عبدالرحمان بن غنم عن معاذ بن جبل قال رايت النبي ﷺ اذا توضأ مسح وجهه بطرف ثوبه قال ابوعيسىٰ هذا حديث غريب واسناده ضعيف ورشدين بن سعد وعبدالرحمان بن زياد بن انعم الافريقي يضعفان في الحديث.** (ابوعیسیٰ الترمذی المتوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۳۴)

(۶) اگر کوئی حدیث مضطرب ہو تو تعیین کر دیتے ہیں کہ اضطراب سند میں ہے یا متن میں اور بسا اوقات وجہ اضطراب بھی بیان کر دیتے ہیں مثلاً امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حدثنا جعفر بن محمد بن عمران الثعلبي الكوفي نازيدبن حباب عن معاوية بن صالح عن ربيعة بن يزيد الدمشقي عن ابي ادريس الخولاني وابي عثمان بن عمر بن الخطاب قال قال رسول الله ﷺ من توضأفا حسن الوضوء ثم قال اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريک له واشهد ان محمدا عبده ورسوله الحديث.

اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی لکھتے ہیں: **وهذا حديث في اسناده اضطراب** اور وجہ اضطراب میں لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن صالح وغیرہ نے زید بن حباب کی مخالفت کی ہے اور سند یوں ذکر کی ہے: "**عن معاوية بن صالح عن ربيعة بن يزيد عن ابي ادريس عن عقبة بن عامر عن عمر**". اور بعض کا یوں ذکر کیا ہے: "**عن ابي عثمان عن جبير بن نفير عن عمر**". (ابوعیسیٰ الترمذی المتوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۳۴) خلاصہ یہ ہے کہ زید بن حباب کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ ابو ادریس اور ابوعثمان ان دونوں اور حضرت عمر کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے اور عبداللہ بن صالح وغیرہ کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ ابو ادریس اور حضرت عمر کے درمیان عقبہ بن عامر کا اور ابوعثمان اور حضرت عمر کے درمیان جبیر بن نفیر کا واسطہ ہے۔ اس وجہ سے یہ حدیث مضطرب السند ہوگی۔

(۷) جو حدیث معلول ہو امام ترمذی اس کی تصریح کر دیتے ہیں اور بسا اوقات اس کی علت خفیہ بھی بیان کر دیتے ہیں: مثلاً امام ترمذی روایت کرتے ہیں: **حدثنا ابو الوليد الدمشقي**

نا ولید بن مسلم اخبرنا ثور بن یزید عن رجاء بن حیوۃ عن کاتب المغیرۃ عن المغیرۃ بن شعبۃ ان النبی ﷺ مسح اعلی الخف و اسفلہ. (ابوعیسیٰ ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۳۴) اس حدیث کے ذکر کے بعد امام ترمذی لکھتے ہیں: "ھذا حدیث معلول" اور وجہ اعلال کے بارے میں فرماتے ہیں:

"لم یسندہ عن ثور بن یزید غیر الولید بن مسلم"۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ حدیث دراصل مرسل ہے۔ کیونکہ اس حدیث کی مرسلا روایت کرتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ اصل میں یہ حدیث مرسل ہے اس کے برخلاف ثور بن یزید کے صرف ایک شاگرد ولید بن مسلم اس حدیث کو "عن کاتب المغیرۃ عن المغیرۃ عن رسول اللہ ﷺ"۔ موصولا روایت کرتے ہیں اور حدیث مرسل کو موصول بیان کرنا یہی وہ علت خفیہ ہے جس کی وجہ سے یہ حدیث معلل قرار پائی۔

(۸) اگر کوئی حدیث منقطع ہو تو امام ترمذی اس کے انقطاع کی تصریح کر دیتے ہیں اور بعض اوقات انقطاع کی وجہ بھی بیان کر دیتے ہیں۔ مثلاً وہ روایت کرتے ہیں: **حدثنا** علی بن حجر نا اسماعیل بن ابراھیم عن لیث عن عبداللہ بن الحسن عن امہ فاطمۃ بنت الحسین عن جدتھما فاطمۃ الکبریٰ قالت کان رسول اللہ ﷺ اذا دخل المسجد صلی علی محمد وقال رب اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک الحدیث. اس کے بعد امام ترمذی لکھتے ہیں: "قال ابوعیسیٰ حدیث فاطمۃ حدیث حسن ولیس اسنادہ بمتصل". (ابوعیسیٰ ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۴۷) اور اس کا سبب بیان کرتے ہیں کہ فاطمہ بنت الحسن نے حضرت سیدتنا فاطمۃ الکبریٰ کو نہیں پایا تھا کیونکہ حضور ﷺ کے وصال کے صرف چند ماہ بعد آپ کا وصال ہو گیا تھا۔

(۹) جو حدیث غیر محفوظ اور شاذ ہو امام ترمذی اس کی بھی تصریح کر دیتے ہیں اور بسا اوقات وجہ شذوذ بھی بیان کر دیتے ہیں۔ مثلاً وہ روایت کرتے ہیں: **حدثنا** عبداللہ ابن ابی زیاد نا زید بن حباب عن سفیان عن جعفر بن محمد عن ابیہ عن جابر بن عبداللہ ان النبی ﷺ حج ثلث حجج حجتین قبل ان یھاجر وحجۃ بعد ما ھاجر الحدیث. اس کے بعد امام ترمذی لکھتے ہیں: "ھذا حدیث غریب من حدیث سفیان

لا نعرفه الا من حدیث زید بن حباب الی ان قال وسالت محمدا عن هذا فلم یعرفه من حدیث الثوری عن جعفر عن ابیه عن جابر عن النبی ﷺ رایته لا یعد هذا الحدیث محفوظا". (ابوعیسیٰ ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۱۴۰) خلاصہ یہ ہے کہ حدیث شاذ اور غیر محفوظ وہ ہوتی ہے جس میں ثقہ راوی اوثق کی مخالفت کرے یا ایک ثقہ شخص متعدد ثقہ لوگوں کی مخالفت کرے۔ اس حدیث کی وجہ شذوذ امام ترمذی نے امام بخاری سے یہ نقل کی ہے کہ اس حدیث کو دوسرے ثقہ راویوں نے سفیان ثوری سے مرسلا روایت کیا ہے اور صرف زید بن حباب نے اس کو سفیان سے موصولا روایت کیا ہے۔

(۱۰) جو حدیث منکر ہو امام ترمذی اس کی تصریح کر دیتے ہیں اور بسا اوقات وجہ بھی بیان کر دیتے ہیں اس کی مثال یہ ہے: **حدثنا بشر بن معاذ العقدی البصری نا ایوب بن واقد الکوفی عن هشام بن عروة عن ابیه عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ من نزل علی قوم فلا یصومن تطوعا الا باذنهم.** اس حدیث کے بعد امام ترمذی لکھتے ہیں: "**قال ابوعیسیٰ هذا حدیث منکر لا نعرف احدا من الثقات روی هذا الحدیث عن هشام بن عروة"**. (ابوعیسیٰ ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۱۳۶) خلاصہ یہ ہے کہ منکر اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں غیر ثقہ راوی ثقہ راویوں کی مخالفت کرے اور یہاں ایسا ہی ہے کیونکہ اس سند کے راوی ضعیف ہیں اور ہشام بن عروہ سے اس حدیث کی روایت میں کوئی ثقہ راوی ان کا ساتھ نہیں دیتا۔

(۱۱) بعض دفعہ امام ترمذی ایک اسناد سے ایک صحیح حدیث ذکر کرتے ہیں اور وہی حدیث بعض دوسری اسانید سے مدرج ہوتی ہے تو امام ترمذی اس کا بھی ذکر کر دیتے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے: **حدثنا قتیبة نا اللیث عن ابن شهاب عن عبید الله بن عبدالله ان ابن عباس اخبره ان الصعب بن جثامة اخبره ان رسول الله ﷺ مر به بالابواء اوبودان فاهدی له حمارا وحشیا فرده علیه فلما رای رسول الله ﷺ الکراهیة قال انه لیس بنارد علیک وانا حرم.** اس کے بعد امام ترمذی لکھتے ہیں: "**وقد روی بعض اصحاب الزهری عن الزهری هذا الحدیث وقال اهدی له لحم حما روحش وهو غیر محفوظ"**. حدیث مدرج اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے

متن میں راوی اپنے پاس سے کچھ الفاظ داخل کردے اور اصحاب زہری کی روایت میں ایسا ہی ہے۔ کیونکہ صحیح حدیث میں "فاھدی له حمارا وحشیا" کے الفاظ ہیں اور اصحاب زہری نے "لحم" کا لفظ زیادہ کر کے "اھدی له لحم حمار وحش" روایت کیا ہے۔

(۱۲) بعض دفعہ امام ترمذی کثرت طرق کا اظہار کرنے کے لیے حدیث ایک سند کے ساتھ مرفوعاً ذکر کرتے ہیں۔ لیکن درحقیقت وہ موقوف ہوتی ہے تو امام ترمذی اس کے وقف کی تصریح کر دیتے ہیں مثلاً وہ روایت کرتے ہیں: عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال من مات وعلیه صیام شهر فلیطعم عنه مکان کل یوم مسکینا. اس کے بعد وہ لکھتے ہیں: "قال ابو عیسٰی حدیث ابن عمر لا نعرفه مرفوعا الا من هذا الوجه والصحیح عن ابن عمر موقوف قوله". (ابو عیسیٰ ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۱۲۷)

(۱۳) اگر حدیث بعض طرق کے لحاظ سے غریب اور بعض کے لحاظ سے مشہور ہو تو اس کا بیان بھی کر دیتے ہیں۔ مثلاً روایت کرتے ہیں۔ عن حمید عن انس ان النبی ﷺ کان یتوضوء لکل صلوٰة طاهرا و غیر طاهر قال قلت لانس فکیف کنتم تضعون انتم قال کنا نتوضوء وضوءً احدا. اس حدیث کے بعد لکھتے ہیں: "قال ابو عیسی حدیث انس حدیث حسن غریب والمشهور عند اهل الحدیث عمرو بن عامر". (ابو عیسیٰ ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۳۴)

(۱۴) امام ترمذی عام طور پر حدیث ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: هذا حدیث حسن صحیح یا هذا حدیث حسن غریب یا هذا حدیث حسن صحیح غریب. پہلی صورت میں یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ حسن اور صحیح دو مستقل قسمیں ہیں اور اقسام آپس میں متبائن ہوتی ہیں تو ایک حدیث حسن اور صحیح کیسے ہو سکتی ہے؟ بعض لوگوں نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ صحیح اور حسن کے جمع ہونے میں کوئی تردد نہیں، اس لیے کہ حدیث کا حسن لذاتہ اور صحیح لغیرہ ہونا عین ممکن ہے۔ (محمد عبدہ الفلاح فیروز پوری وعبدالرحمان مبارکپوری، صحاح ستہ اور ان کے مؤلفین، ص ۱۴۵ ومقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۲۱۲) لیکن یہ جواب قطعاً باطل اور مردود ہے۔ کیونکہ صحیح لذاتہ، صحیح لغیرہ، حسن لذاتہ، حسن لغیرہ اور ضعیف ایک مقسم کے اعتبار سے متعدد اقسام ہیں اور اقسام آپس میں متبائن ہوتی ہیں۔ ان میں سے کوئی سی بھی دو قسمیں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ اس کی مزید وضاحت اس

طرح ہے کہ صحیح لغیرہ اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے راویوں کے ضبط میں کچھ کمی ہو اور تعدد طرق روایت سے اس کمی کو پورا کر لیا جائے اور حسن لذاتہ اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں تعدد طرق روایت سے اس کمی کو پورا نہ کیا جائے اس تقدیر پر ایک روایت کے صحیح لغیرہ اور حسن لذاتہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کے تعدد طرق ہوں اور نہ ہوں اور یہ اجتماع نقیضین ہونے کی وجہ سے محال ہے۔

حافظ ابنِ حجر عسقلانی نے اس اشکال کے دو جواب دیئے ہیں۔اوّل یہ کہ اس حدیث کے راویوں کے اوصاف میں ائمہ حدیث کے مختلف اقوال ہیں۔بعض اقوال کے لحاظ سے وہ حدیث حسن اور بعض کے لحاظ سے صحیح ہے۔اس صورت میں یہاں حرف عطف ''او'' محذوف ہے۔ثانی یہ کہ یہ حدیث دو سندوں سے مروی اور ایک سند کے لحاظ سے حسن اور دوسری کے لحاظ سے صحیح ہے اس صورت میں یہاں حرف عطف ''واؤ'' محذوف ہے۔

اس سوال کے چند اور جواب بھی منقول ہیں۔حافظ عماد الدین نے کہا کہ یہ حدیث حسن اور صحیح کے درمیان توسط ہے اس لیے ان دونوں قسموں کا ذکر کر دیا۔شمس الدین جذری نے کہا: اس حدیث سے مراد وہ حدیث ہے جو صحیح کے مشابہ ہو اس لیے اس پر دونوں وصفوں کا اطلاق جائز ہے۔ابن دقیق العید نے کہا: حسن سے مراد راوی کی صفت عدالت ہے اور صحیح سے مراد اس کی صفت ضبط ہے۔بعض لوگوں نے کہا: یہ دونوں الفاظ مترادف ہیں اور حسن کے بعد صحیح باعتبار تاکید کے لائے ہیں اور بعض نے کہا: حسن اسناد کا وصف ہے اور صحیح اس کا حکم ہے۔

امام ترمذی جس حدیث کے بعد ''**ھذا حدیث حسن غریب**'' کہتے ہیں، وہاں یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ امام ترمذی کے نزدیک حدیث حسن وہ ہوتی ہے جو طرق متعددہ سے مروی ہو۔کیونکہ وہ خود ''کتاب العلل'' میں لکھتے ہیں: ''**وما قلنا فی کتابنا حدیث حسن فانما اردنا به حسن اسناده عندنا اذ کل حدیث یروی لا یکون راویه متهما بالکذب ویروی من غیر وجه نحو ذالک ولا یکون شاذا فهو عندنا حسن**''. (ابو عیسیٰ ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۵۶۵) اور حدیث غریب صرف ایک طریقہ سے مروی ہوتی ہے۔پس ایک حدیث حسن اور غریب دو متضاد وصفوں کی حامل کیسے ہو سکتی ہے؟ حافظ ابنِ حجر عسقلانی نے اس اشکال کے جواب میں فرمایا کہ حدیث حسن میں دو

اصطلاحیں ہیں ایک جمہور کی جس میں تعدد طرق کی شرط نہیں ہے اور ایک امام ترمذی کی جس میں تعدد طرق مشروط ہے۔ امام ترمذی جس جگہ "ھذا حدیث حسن غریب" کہتے ہیں وہاں "حسن" کا لفظ جمہور کی اصطلاح پر ہے۔ لہٰذا غرابت اس کے منافی نہیں ہے اور جس جگہ فقط "ھذا حدیث حسن" کہتے ہیں وہ ان کی اپنی اصطلاح پر ہے۔

(۱۵) بسا اوقات ترمذی سند کے بعض راویوں پر جرح کرتے ہیں۔ مثلاً انہوں نے ایک روایت ذکر کی: **حدثنا** محمود بن غیلان حدثنا المقری قالانا یحییٰ بن ایوب عن زید بن جبیرۃ عن داؤد بن حصین عن نافع عن ابن عمران النبی ﷺ نھی ان یصلی فی سبع مواطن الحدیث. اس کے بعد ذکر کرتے ہیں: "قال ابوعیسیٰ حدیث ابن عمر اسنادہ لیس بذاک القوی وقد تکلم فی زید بن جبیرۃ من قبل حفظہ". (ابوعیسیٰ ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۷۷) اس حدیث میں امام ترمذی نے زید بن جبیرہ کے حافظہ پر جرح کی ہے۔

(۱۶) اگر کسی حدیث کی سند میں کوئی راوی مجہول ہو تو امام ترمذی اس کی تعیین کر دیتے ہیں۔ مثلاً امام ترمذی روایت کرتے ہیں: **حدثنا** ھناد ناشریک عن ابی فزارۃ عن ابی زید عن عبداللہ بن مسعود قال سألنی النبی ﷺ ما فی اداوتک فقلت نبیذ فقال ثمرۃ طیبۃ وماء طھور قال فتوضأمنہ. اس حدیث کی سند میں ایک راوی ہے ابوزید' امام ترمذی اس کے بارے میں فرماتے ہیں: "وابوزید رجل مجھول عند اھل الحدیث"۔ (ابوعیسیٰ ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۳۹)

(۱۷) اور اگر کسی حدیث کی سند میں کوئی راوی منکر الحدیث ہو تو اس کی بھی تعیین کر دیتے ہیں مثلاً امام ترمذی راویت کرتے ہیں: **حدثنا** نصر بن علی واحمد بن عبید اللہ اسلمی البصری قالانا ابوقتیبۃ مسلم بن قتیبۃ عن الحسن بن علی الھاشمی عن عبدالرحمان عن ابی ھریرۃ ان النبی ﷺ قال جاءنی جبرئیل فقال یا محمد اذا توضأت فانتضح. اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد امام ترمذی لکھتے ہیں: "وسمعت محمدا یقول الحسن بن علی الھاشمی منکر الحدیث".

(ابوعیسیٰ ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۳۳)

(۱۸) عام طور پر جو راوی کنیت یا نسبت کے ساتھ مشہور ہوتے ہیں ان کے اسماء اور کُنی کی وضاحت خاص اہتمام سے کرتے ہیں: مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں: ''ابو صالح والد سهيل هو ابو صالح السمان واسمه ذكوان''. (ابوعیسیٰ ترمذی التوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۲۶) ایک اور جگہ لکھتے ہیں: ''والزهری اسمه محمد بن مسلم بن عبيد الله بن شهاب الزهری وكنيته ابوبكر''. (ابوعیسیٰ ترمذی التوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۲۷)

(۱۹) اگر کسی راوی کے اسم میں اختلاف ہو تو اس کا بھی بیان کر دیتے ہیں۔ مثلاً لکھتے ہیں: ''ابو المليح بن اسامة اسمه عامر ويقال زيد بن اسامة بن عميرا لهذلی'' اسی طرح لکھتے ہیں: ''ابو هريرة اختلفوا فی اسمه فقالوا عبد شمس وقالوا عبد الله بن عمر''. (ابوعیسیٰ ترمذی التوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۲۶)

(۲۰) اگر ایک وصف کے ساتھ دو راوی مشہور ہوں تو امام ترمذی ان کے اسماء اور مراتب کا فرق بیان کر دیتے ہیں۔ مثلاً وصف صنابحی کے ساتھ دو راوی مشہور ہیں ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

والصنابحی الذی روی عن ابی بكر الصديق ليس له سماع من النبی ﷺ واسمه عبدالرحمان بن عسلة ويكنى ابا عبدالله رحل الى النبی ﷺ فقبض النبی ﷺ وهو فی الطريق وقد روی عن النبی ﷺ احاديث والصنابح بن الاعسر الاحمسی صاحب النبی ﷺ يقال له الصنابحی ايضا وانما حديثه قال سمعت النبی ﷺ يقول انی مكاثربكم الامم فلا تقتلن بعدی.

(ابوعیسیٰ ترمذی التوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۳۴)

یعنی ایک صنابحی تابعی ہیں جن کا نام عبدالرحمان ہے اور دوسرے صنابحی صحابی ہیں جن کا نام صنابح ہے یہ دونوں حضور سے روایت کرتے ہیں مگر ایک کی روایت مرسل اور دوسرے کی روایت متصل ہے۔

(۲۱) بسا اوقات امام ترمذی کسی حدیث کے بارے میں مختلف اساتذہ اور ائمہ حدیث کے اقوال بھی پیش کرتے ہیں۔ مثلاً امام ترمذی روایت کرتے ہیں: **حدثنا** قتيبة وهناد وابو كريب واحمد بن منيع ومحمود بن غيلان وابو عمار قالوانا وكيع عن

الاعمش عن حبیب بن ابی ثابت عن عروۃ عن عائشۃ ان النبی ﷺ قبل بعض نسائہ ثم خرج الی الصلوٰۃ ولم یتوضأ قال قلت من ھی الا انت فضحکت.

اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد امام ترمذی لکھتے ہیں: "سمعت ابابکر العطار البصری یذکر عن علی بن المدینی قال ضعف یحیی بن سعید القطان ھذا الحدیث وقال ھو شبہ لا شیئ قال وسمعت محمد بن اسماعیل یضعف ھذا الحدیث و قال حبیب بن ابی ثابت لم یسمع من عروۃ". (ابوعیسیٰ ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۳۴) اس حدیث کے تحت امام ترمذی نے علی بن المدینی اور امام بخاری کی آراء پیش کی ہیں اور بتلایا کہ ان دونوں کے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہے۔ ان کے علاوہ امام ترمذی، امام ابوزرعہ، امام احمد بن حنبل اور عبدالرحمٰن دارمی کی آراء بھی پیش کرتے ہیں۔

(۲۲) بعض جگہ امام ترمذی اپنے اساتذہ سے اختلاف بھی کرتے ہیں۔ مثلاً انہوں نے ایک روایت ذکر کی: **حدثنا** ھناد و قتیبۃ قالانا وکیع عن اسرائیل عن ابی اسحاق عن ابی عبیدۃ عن عبداللہ قال خرج النبی ﷺ لحاجتہ فقال التمس لی ثلثۃ احجار قال فاتیتہ بحجرین وروثۃ فاخذ الحجرین والقی الروثۃ وقال انھا رکس. اس حدیث کو ابواسحاق سے اسرائیل نے بھی روایت کیا ہے اور زبیر نے بھی۔ امام بخاری نے زبیر کی روایت کو مناسب خیال کیا ہے اور اسی کی روایت کو اپنی "صحیح" میں ذکر کیا ہے۔ لیکن امام ترمذی کہتے ہیں: "واصح شیئ فی ھذا عندی حدیث اسرائیل وقیس عن ابی اسحاق عن ابی عبیدۃ عن عبد اللہ لان اسرائیل اثبت واحفظ لحدیث ابی اسحاق". امام ترمذی کہتے ہیں کہ اسرائیل کی حدیث زبیر سے بہتر ہے۔ کیونکہ زبیر نے اخیر عمر میں ابواسحاق سے سماع کیا ہے اور اس وقت ابواسحاق کا ذہن مختل ہو چکا تھا۔ اس کے بعد امام ترمذی امام احمد بن حنبل کے قول سے اس بات پر شہادت لاتے ہیں کہ زبیر کی روایت ابواسحاق سے ساقط الاعتبار ہے چنانچہ لکھتے ہیں: "سمعت احمد بن الحسن یقول سمعت احمد بن حنبل یقول اذا سمعت الحدیث عن زائدۃ و زبیر فلا تبال ان لا تسمع من غیرھما الا حدیث ابی اسحاق".

(ابوعیسیٰ ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۲۹)

(۲۳)امام ترمذی اپنی کتاب میں عنوان قائم کرتے ہوئے بسا اوقات لفظ''ابواب'' کے بعد''عن رسول الله ﷺ'' لکھتے اوراس کے تحت عام طور پراحادیث مرفوعہ ذکر کرتے ہیں اور بعض اوقات لفظ''ابواب'' کے بعد''عن رسول الله''نہیں لکھتے۔لہٰذا وہاں مرفوع روایات کا التزام نہیں کرتے۔

(۲۴) کسی حدیث میں مرفوع اور موقوف کا اختلاف ہوتو اس کو بیان کردیتے ہیں مثلاً امام ترمذی روایت کرتے ہیں:عن زید بن ثابت عن النبی ﷺ قال افضل صلاتکم فی بیوتکم الا المکتوبة. اس حدیث کوذکر کرنے کے بعد امام ترمذی لکھتے ہیں:''وقد اختلفوا فی روایة هذا الحدیث فرواه موسٰی بن عقبة وابراهیم بن ابی النضر مرفوعا واوقفهم بعضهم''. (ابوعیسیٰ ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص۹۱)

(۲۵) بعض اوقات حدیث میں کوئی مشکل لفظ ہوتو امام ترمذی اس کا آسان لفظ سے معنی بیان کردیتے ہیں۔مثلاً ایک حدیث کے الفاظ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے کہتے ہیں:''اخبرنی بها ولا تضنن بها علی''امام ترمذی حدیث ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:''ومعنی قوله ولا تضنن بها علی یقول لا تبخل بها علی والضنین والبخیل والضنین المتهم''. (ابوعیسیٰ ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص۹۷)

(۲۶) بسا اوقات امام ترمذی کسی حدیث کا اختصار کرتے ہیں اور اس کے آخر میں لکھ دیتے ہیں:''وفی الحدیث قصة یاوفی الحدیث قصة طویلة''. اس کی مثال یہ ہے''عن ابی هریره قال قال رسول الله ﷺ خیر یوم طلعت فیه الشمس یوم الجمعه فیه خلق آدم و فیه ادخل الجنة وفیه اهبط منها وفیه ساعة لا یوافقها عبد مسلم یصلی فیسأل الله فیهاشیأ الااعطاه ایاه قال ابوهریرة فلقیت عبدالله بن سلام فذکرت له هذا الحدیث فقال انا اعلم بتلک الساعة فقلت اخبرنی بها ولا تضنن بها علی قال هی بعدالعصر الی ان تغرب الشمس فقلت فکیف تکون بعد العصر وقد قال رسول الله ﷺ لا یوافقها عبد مسلم وهو یصلی وتلک الساعة لا یصلی فیها فقال عبدالله بن سلام الیس قد قال رسول الله ﷺ من جلس مجلسا ینتظر الصلوٰة فهو فی الصلوٰة قلت بلی قال فهو

ذاک. اس کے بعد امام ترمذی لکھتے ہیں: "وفی الحدیث قصة طویلة"۔
(ابوعیسیٰ ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۹۷)

"سنن ابوداؤد" میں یہ حدیث مفصل بیان کی گئی ہے جس کی تفصیل یہ ہے: عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ خير يوم طلعت فيه الشمس يوم الجمعة. فيه خلق آدم وفيه اهبط وفيه تيب عليه وفيه مات وفيه تقوم الساعة وما من دابة الا وهي مصيحة يوم الجمعة من حين تصبح حتى تطلع الشمس شفقا عن الساعة الا الجن والانس وفيها ساعة لا يصادفها عبد مسلم وهو يصلي يسأل الله عزوجل حاجة الا اعطاه اياها قال كعب ذالك في كل سنة يوم بل في كل جمعة قال فقرأ كعب التوراة فقال صدق رسول الله ﷺ قال ابوهريرة ثم لقيت عبدالله بن سلام فحدثته بمجلسي مع كعب فقال عبدالله بن سلام هي آخر ساعة من يوم الجمعة فقلت كيف هي آخر ساعة من يوم الجمعة وقد قال رسول الله ﷺ لا يصادفها عبد مسلم وهو يصلي وتلك الساعة لا يصلي فيها قال عبدالله بن سلام الم يقل رسول الله ﷺ من جلس مجلسا ينتظر الصلوٰة فهو في صلوٰة حتى يصلي قال فقلت بلى قال هو ذاک. (ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی المتوفی ۲۷۵ھ سنن ابوداؤد ص ۱۴۹)

(۲۷) اگر دو حدیثوں میں تعارض ہو تو بسا اوقات امام ترمذی اس تعارض کو اٹھانے کے لیے کوئی توجیہ اور تأویل پیش کرتے ہیں۔ مثلاً: حضرت عائشہ نے ایک حدیث روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ فجر کی نماز منہ اندھیرے پڑھا کرتے تھے۔ انصاری حضرات کہتے ہیں کہ عورتیں چادروں میں لپٹی ہوئی چلی جاتی تھیں اور اندھیرے کی وجہ سے وہ پہچانی نہیں جاتی تھیں اس کے بعد دوسری حدیث انہوں نے رافع بن خدیج سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر" "فجر روشن ہونے کے بعد نماز پڑھو کیونکہ اس سے زیادہ اجر ملتا ہے"۔ پہلی حدیث کا مفاد یہ ہے کہ فجر کی نماز جلد پڑھنی چاہیے اور دوسری کا تقاضا یہ ہے کہ تاخیر سے پڑھنی چاہیے۔ امام ترمذی ان دو متعارض حدیثوں میں تطبیق دینے کے لیے امام شافعی کی طرف سے دوسری حدیث کی توجیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "معنی الاسفار

ان یتضح الفجر فلا یشک فیہ ولم یرد ان معنی الاسفار تاخیر الصلوٰۃ ''۔
(ابو عیسیٰ ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۵۰) یعنی ''اسفار'' کا مطلب یہ ہے کہ جب صبح یقینی طور پر متحقق ہو جائے اور اس کا وجود مشکوک نہ رہے' نہ یہ کہ نماز کو مؤخر کر کے پڑھا جائے۔

ہمارے نزدیک یہ توجیہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس توجیہ کے اعتبار سے معنی یہ ہوگا کہ جب فجر غیر مشکوک ہو تو زیادہ اجر ملے گا جس کو لازم ہے کہ اگر مشکوک وقت فجر پڑھی گئی تو نفس اجر پھر بھی ملے گا اور یہ بداہتہً باطل ہے۔ ان متعارض روایتوں میں اصل تطبیق یہ ہے کہ پہلی حدیث میں نفس جواز بیان کیا گیا ہے اور دوسری حدیث میں استحباب بتلایا گیا ہے۔ نیز پہلی حدیث میں عمل کا بیان ہے اور دوسری میں قول کا اور چونکہ قول' عمل پر راجح ہوتا ہے اس لیے تعارض نہ رہا۔

(۲۸) اور کبھی امام ترمذی رفع تعارض کے لیے دو متعارض حدیثوں میں سے کسی ایک کا منسوخ ہونا بیان کر دیتے ہیں۔ مثلاً انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کی ہے جس چیز کو آگ نے چھوا ہو اس کو کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ دوسری حدیث حضرت جابر سے روایت کی کہ حضور ﷺ نے بکری کا گوشت کھانے کے بعد عصر کی نماز پڑھی اور تازہ وضو نہیں کیا۔ اس حدیث کے اخیر میں امام ترمذی لکھتے ہیں: ''**وھذا آخر الامرین من رسول اللہ ﷺ وکان ھذا الحدیث ناسخ للحدیث الاول مما مست النار**''۔ یعنی یہ حدیث پہلی حدیث کے لیے ناسخ ہے۔

جامع ترمذی کے علوم

جامع ترمذی میں امام ترمذی نے احادیث کے ذیل میں جو مباحث ذکر کیے ہیں وہ اپنے اندر متعدد علوم وفنون کو سموئے ہوئے ہیں۔ حافظ ابو بکر بن العربی نے ''عارضۃ الاحوذی شرح ترمذی'' میں ان میں سے چودہ علوم کی نشاندہی کی ہے' ہم نے مزید غور وفکر کر کے یہ عدد چوبیس تک پہنچا دیا ہے۔ اس کے باوجود اس عدد کو ''جامع ترمذی'' کے علوم کا آخری ہندسہ نہیں قرار دیا جا سکتا۔ ''جامع ترمذی'' میں مذکور علوم کی فہرس حسب ذیل ہے:

(۱) بیان مذاہب فقہاء (۲) متروک العمل روایات کی توضیح (۳) ایک حدیث کی

روایات کرنے والے تمام صحابہ کا بیان (۴) متن حدیث میں زیادتی اور کمی کا بیان (۵) حدیث کی تصحیح، تحسین اور تضعیف (۶) حدیث مضطرب (۷) حدیث معلول (۸) حدیث مرسل (۹) متصل اور منقطع (۱۰) شاذ اور محفوظ (۱۱) منکر اور معروف (۱۲) حدیث مدرج (۱۳) اختصارِ حدیث (۱۴) مرفوع اور موقوف (۱۵) حدیث مشہور اور غریب (۱۶) بیان اسناد (۱۷) اختلاف اسماء (۱۸) اسماء مشترکہ میں امتیاز (۱۹) جرح و تعدیل (۲۰) اسماء، کنیت اور نسبت کی وضاحت (۲۱) ائمہ حدیث کی آراء (۲۲) ائمہ حدیث کا اختلاف (۲۳) تطبیق بین الروایات (۲۴) ناسخ اور منسوخ کا بیان اور یہ وہ علوم وفنون ہیں کہ ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ مستقل حیثیت رکھتا ہے۔

رموز واصطلاحات

امام ترمذی نے اپنی ''جامع'' میں بعض خاص اصطلاحات کا استعمال کیا ہے، جن کا وہ اکثر ابواب میں ذکر کرتے ہیں۔ سطور ذیل میں ہم ان اصطلاحات کی وضاحت کر رہے ہیں۔

(۱) فلان ذاهب الحديث:

اس کا مطلب ہے کہ اس شخص کو حدیث یاد نہیں رہتی۔

(۲) فلان مقارب الحديث:

ابن السید کی رائے ہے کہ اگر مقارب بالکسر ہو تو یہ الفاظ تعدیل سے ہے اور اگر بالفتح ہو تو الفاظ جرح سے ہے۔ لیکن حافظ سیوطی اور حافظ ذہبی کی تحقیق یہ ہے کہ مقارب الحدیث ہر حال میں الفاظ تعدیل میں سے ہے اور یہ لفظ اگر بالکسر ہو تو اس کا معنی ہے: ''حديثه مقارب غيره'' اور بالفتح کی تقدیر پر اس کا معنی ہے: ''ان حديثه يقاربه حديث غيره''۔ بہر حال مقاربت مشارکت کا تقاضا کرتا ہے اور حاصل یہ ہے کہ اس کی حدیث دوسرے راوی کی حدیث کے قریب ہے۔

(۳) شيخ ليس بذاک:

ای ليس بذالک المقام الذی يوثق به یعنی اس کی روایت نامقبول ہے۔ اس اصطلاح پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ ''شیخ'' الفاظ تعدیل میں سے ہے اور ''لیس بذاک''

الفاظ جرح میں سے ہے اور یہ ترکیب تضاد کو مستلزم ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ جائز ہے کہ ایک شخص عدالت کے لحاظ سے کامل ہو اور حافظہ کے لحاظ سے ناقص ہو۔ پس ''شیخ'' کا لفظ اس کے کمال عدالت اور ''لیس بذاک'' اس کے نقصان ضبط کی طرف راجع ہو اور طیبی نے یہ بھی کہا ہے کہ ''شیخ'' کا لفظ اس ترکیب میں لغوی معنی میں مستعمل ہے یعنی بوڑھا آدمی اور اس لحاظ سے اس ترکیب پر کوئی اشکال نہیں ہے۔

(۴) اسنادہ لیس بذاک:

''ذاک'' کا اشارہ مشتغل بالحدیث کے ذہن کی طرف ہے یعنی اس کے ذہن میں جو قوت اسناد کا تصور ہے وہ یہاں مفقود ہے۔

(۵) ھذا حدیث جید:

حافظ ابن صلاح جید اور صحیح کو مساوی قرار دیتے ہیں۔لیکن بلقینی کہتے ہیں کہ امام ترمذی جید یا قوی کے ساتھ حدیث کو اس وقت موصوف کرتے ہیں' جب حدیث حسن کے درجہ سے ترقی کر لے مگر صحیح تک نہ پہنچ سکے اور یہی بات صحیح ہے۔

(۶) ھذا اصح من ذالک:

اس قسم کے مقامات پر ''اصح'' عموماً ''ارجح'' کے معنی میں ہوتا ہے یعنی دونوں حدیثیں صحیح ہیں اور یہ ان میں اصح ہے یا دونوں حسن ہیں اور یہ ان میں زیادہ قوی ہے یا دونوں ضعیف ہیں اور یہ ان میں کم درجہ کی ضعیف ہے۔اسی طرح جب ''ھذا اصح شئی فی ھذا الباب'' کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس باب کی سب احادیث صحیح ہیں' بلکہ بسا اوقات باب کی تمام احادیث ضعیف ہوتی ہیں اور جس حدیث کو امام ترمذی ترجمۃ الباب کے اثبات کے لیے وارد کرتے ہیں وہ ان سب میں کم درجہ ضعیف ہوتی ہے اس لیے کہتے ہیں: ''ھذا اصح شئی فی ھذا الباب''.

(۷) ھذا حدیث غریب:

امام ترمذی نے ''کتاب العلل'' میں غرابت حدیث کی تین وجہیں بیان کی ہیں:

اول: یہ کہ سند حدیث میں ایک راوی اپنے شیخ سے اس حدیث کی روایت میں منفرد ہوتا ہے

اگر چہ دوسرے طرق کے لحاظ سے وہ حدیث مشہور ہوتی ہے۔اس کی مثال یہ ہے: **عن حماد بن سلمة عن ابی العشراء عن ابیه قال قلت یا رسول الله اما تکون الزکاة الافی الحلق فقال لو طعنت فی فخرها اجزأ عنک.** حماد بن سلمہ کے علاوہ اور کوئی شخص ابوالعشر اء سے اس حدیث کی روایت نہیں کرتا اس وجہ سے یہ حدیث غریب قرار پائی۔

ثانی: یہ کہ ایک متن حدیث متعدد طرق سے مروی ہے مگر صرف ایک راوی متن حدیث میں دوسروں کی بہ نسبت کچھ زیادتی بیان کرتا ہے' تب بھی وہ حدیث غریب کہلاتی ہے' بشرطیکہ وہ راوی ایسا ہو جس کے حافظہ پر اعتماد ہو (ورنہ وہ حدیث مدرج ہو گی) اس کی مثال یہ ہے: **عن مالک بن انس عن نافع عن ابن عمر قال فرض رسول اللهﷺ زکوة الفطر من رمضان علی کل حر او عبد ذکر او انثی من المسلمین صاعا من تمرا وصاعا من شعیر.** امام مالک کے علاوہ دوسرے طرق سے جو حدیث مروی ہے اس میں ''**من المسلمین**'' کے الفاظ نہیں ہیں۔یہ زیادتی صرف امام مالک کی روایت میں ہے اس لیے یہ حدیث غریب کہلائی۔

ثالث: یہ کہ عام ائمہ حدیث کے نزدیک وہ حدیث کسی خاص سند سے معروف ہو اور اس کے سوا کسی اور طریقہ سے اس حدیث کی روایت کی جائے' پھر بھی وہ غریب ہو گی۔اس کی مثال یہ ہے: **حدثنا ابو هشام و ابو السائب والحسین بن الاسود قالوا نا ابو اسامة عن برید بن عبدالله بن ابی بردة عن جده ابی بردة عن ابی موسیٰ عن النبیﷺ قال الکافر یاکل فی سبعة امعاء والمومن یاکل فی معا واحد.** اس حدیث کی جو سند محمود بن غیلان اور امام بخاری اور دوسرے ائمہ حدیث کے نزدیک معروف ہے وہ یہ ہے: ''**عن ابی اسامة عن برید بن عبدالله الخ**''. اور امام ترمذی کی سند چونکہ اس سند معروف کے خلاف ہے' لہٰذا اس سند کے ساتھ یہ حدیث غریب ہو گی۔امام ترمذی کہتے ہیں کہ جب میں نے امام بخاری کو بتلایا کہ ابو کریب کے علاوہ ابو ہشام' ابو السائب اور حسین بن اسود بھی اس حدیث کی روایت کرتے ہیں تو وہ حیران رہ گئے اور کہنے لگے: مَیں نہیں جانتا تھا کہ اس حدیث کو ابو کریب کے علاوہ بھی اور کوئی روایت کرتا ہے۔

(۸) هذا حديث حسن:

جب امام ترمذی کسی حدیث کے ساتھ صرف ''حسن'' لکھتے ہیں یعنی صحیح یا غریب کے الفاظ اس کے ساتھ نہیں ہوتے' اس وقت ان کی مراد اس حدیث سے وہ حدیث ہوتی ہے جو شاذ ہو اس کے راوی متہم بالکذب نہ ہوں اور وہ طرق متعددہ سے مروی ہو۔

کتاب العلل

(۹) اهل الرای:

اس لقب سے عام طور پر امام ترمذی احناف کا ارادہ کرتے ہیں۔ رہا یہ کہ احناف کو اہل الرای کس وجہ سے کہتے ہیں؟ تو امام ترمذی کے ساتھ حسن ظن یہی ہے کہ وہ احناف کو ان کی دقت رائے اور اصابت فکر کی وجہ سے ''اهل الرای'' کہتے ہیں۔

(۱۰) بعض اهل الكوفة:

عام طور پر ان الفاظ سے امام ابوحنیفہ کا اور کہیں کہیں سفیان ثوری کا ارادہ کرتے ہیں۔ امام ترمذی نے یہ التزام کیا ہے کہ ''جامع ترمذی'' میں دنیا بھر کے مجتہدین کا ذکر کیا۔ لیکن ایک جگہ کے سوا اس کتاب میں کسی جگہ بھی امام الائمہ' سراج الامۃ ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام نہیں لیا[1] البتہ ''کتاب العلل'' میں جابر جعفی سے متعلق امام ابوحنیفہ کی ایک روایت ذکر کی ہے اور وہ یہ ہے:

حدثنا محمود بن غيلان حدثنا ابويحيى الحما نى قال سمعت ابا حنيفة يقول مارايت احدا اكذب من جابر الجعفى ولا افضل من عطاء بن ابى رباح. ہم اس طرزِ عمل پر اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں؟ ''**يغفر الله لنا وله وسائر المسلمين**''۔

شرائط

حافظ ابوالفضل بن طاہر حازمی شروط ائمہ میں ذکر کرتے ہیں کہ امام ترمذی نے اپنی

---

[1] ''باب فی اشعار البدن'' میں امام ترمذی نے ''ويقول ابو حنيفه هو مثلة'' کہہ کر امام اعظم کا مذہب ذکر کیا ہے۔ (جامع ترمذی ص ۱۵۲)

"جامع" میں پہلے چار طبقات کے راویوں سے استیعاب کیا ہے: (۱) کامل الضبط والاتقان و کثیر الملازمۃ مع الشیخ (۲) کامل الضبط والاتقان وقلیل الملازمۃ مع الشیخ (۳) ناقص الضبط والاتقان وکثیر الملازمۃ مع الشیخ (۴) ناقص الضبط والاتقان وقلیل الملازمۃ مع الشیخ۔ ان چار طبقوں کے علاوہ ایک پانچواں طبقہ بھی ہے "ناقص الضبط و قلیل الملازمۃ مع غوائل الجرح" جس کو ضعفاء اور مجہولین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ امام ترمذی نے حسب ضرورت اس طبقہ سے بھی روایات کا انتخاب کیا ہے۔

حافظ شمس الدین ذہبی لکھتے ہیں کہ "جامع ترمذی" کی احادیث کی چار قسمیں ہیں۔

(۱) وہ احادیث جو امام بخاری اور امام مسلم کی شرائط پر صحیح ہیں۔

(۲) وہ احادیث جو امام نسائی اور امام ابوداؤد کی شرائط کے مطابق صحیح ہیں۔

(۳) وہ احادیث جن کا ابوداؤد اور نسائی نے اخراج کیا اور ان کی علت ظاہر کر دی۔

(۴) وہ احادیث جن کا خود امام ترمذی نے اخراج کیا اور ان کی علت بیان کر دی۔

(حافظ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۶۳۴)

تساہل

احادیث پر کوئی حکم لگانے میں اور ان کی قسم متعین کرنے میں بعض اوقات امام ترمذی سے تساہل بھی واقع ہوا ہے، مثلاً امام ترمذی روایت کرتے ہیں: "حدثنا زیاد بن ایوب البغدادی نا ابو عامر البغدادی نا کثیر بن عبد الله بن عمرو بن عوف المزنی عن ابیه عن جده عن النبی ﷺ قال ان فی اطعمة ساعة لا یسأل الله العبد فیها شیئا الا اعطاه الله ایاه قالوا یا رسول الله ایة ساعة هی قال حین تقام الصلوة الی الصراف منها" اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی لکھتے ہیں: "قال ابو عیسی حدیث عمرو بن عوف حدیث حسن غریب"۔

(ابوعیسیٰ ترمذی، متوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۹۷)

امام ترمذی نے کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف مزنی کی اس حدیث کو حسن قرار دیا حالانکہ کثیر بن عبداللہ مزنی وہ شخص ہے جس کے بارے میں امام شافعی اور امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ یہ کذاب ہے امام ابوزرعہ اس کو "واهی الحدیث" اور "لیس بالقوی" لکھتے ہیں۔

ابوحاتم ''لیس بالمتین'' کہتے ہیں۔ نسائی اور دارقطنی لکھتے ہیں کہ یہ متروک الحدیث ہے ابراہیم بن منذر نے کہا کہ یہ شخص سخت جھگڑالو تھا اور ہم میں سے کوئی شخص اس سے روایت نہیں کرتا تھا۔ علی بن مدینی' احمد بن حنبل اور ابونعیم نے اس کو ضعیف قرار دیا۔ ابنِ سعد اس کو ضعیف اور قلیل الحدیث کہتے ہیں۔ ابنِ سکن نے کہا: اس کا جو نسخہ ''عن ابیہ عن جدہ'' مروی ہے اس میں نظر ہے حاکم نے کہا: اس نسخہ میں ضعاف اور مناکیر ہیں اور ابن حبان نے کہا: اس نسخہ میں موضوع روایات ہیں اس شخص کا نام اپنی کتاب میں لینا اور اس سے حدیث کی روایت کرنا جائز نہیں ہے۔ (شہاب الدین ابنِ حجر العسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۴۴۲) خیال رہے کہ امام ترمذی نے کثیر بن عبداللہ کی جس روایت کو یہاں حسن قرار دیا ہے وہ ''عن ابیہ عن جدہ'' ہی ہے۔

کثیر بن عبداللہ مزنی کی روایت کو حسن قرار دینا تو ایک تسامح تھا ہی اس سے بڑا تسامح یہ ہے کہ امام ترمذی نے اس کی ایک روایت کو صحیح بھی قرار دیا ہے اور وہ روایت بھی ''عن ابیہ عن جدہ'' ہے جس کو ابن حبان موضوعات میں سے اور حاکم ضعاف اور مناکیر میں سے شمار کرتے ہیں' روایت ملاحظہ ہو:

حدثنا الحسن بن علی الخلال ثنا ابوعامر العقدی ثنا کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف المزنی عن ابیہ عن جدہ ان رسول اللہ ﷺ قال الصلح جائز بین المسلمین لا صلحا حرم حلالا او احل حراما و المسلمون علی شروطھم الا شرطا حرم حلالا او احل حراما. اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی لکھتے ہیں: ''ھذا حدیث حسن صحیح''۔

(ابوعیسیٰ ترمذی' متوفی ۲۷۹ھ' جامع ترمذی ص ۲۱۳)

اسی طرح ایک اور حدیث امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حدثنا ابو کریب و محمد بن عمرو السواق قالا نا یحیی بن الیمان عن المنھال بن خلیفة عن الحجاج بن ارطاة عن عطاء عن ابن عباس ان النبی ﷺ دخل قبرا لیلا فاسرج له سراج فاخذہ من قبل القبلة وقال رحمک اللہ ان کنت لا واھا تلاء للقران و کبر علیه اربعا.

(ابو عیسیٰ ترمذی، متوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۱۷۱)

اس حدیث کی سند میں ایک راوی ہے یحییٰ بن یمان اس کو امام احمد بن حنبل ضعیف قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں: ''لیس بحجة'' ابن معین لکھتے ہیں کہ یہ شخص اس کی پرواہ نہیں کرتا تھا کہ کون سی حدیث بیان کر رہا ہے؟ احادیث میں اس کو وہم لاحق ہوتے تھے اور یہ ثقہ نہ تھا۔ عبداللہ بن علی بن مدینی کہتے ہیں کہ اس کا حافظہ بگڑ گیا تھا۔ یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں کہ یہ شخص کثیر الغلط تھا اور احادیث میں اس سے خطا ہوتی تھی۔ ابوداؤد لکھتے ہیں کہ یہ احادیث مقلوب کر دیا کرتا تھا اور اس سے احادیث میں خطا ہوتی تھی۔ امام نسائی اس کو کہتے ہیں: ''لیس بالقوی'' اور ابن عدی کہتے ہیں کہ اس کی عام روایات غیر محفوظ ہیں۔ (شہاب الدین ابن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۰۶) اور اسی شخص کی حدیث کے بارے میں امام ترمذی لکھتے ہیں: ''هذا حديث حسن''۔

اسی طرح بعض دفعہ ایک حدیث منکر ہوتی ہے اور امام ترمذی اس کو شاذ قرار دیتے ہیں خیال رہے کہ منکر وہ حدیث ہے جس میں ضعیف ثقہ کی مخالفت کرے اس کو غیر محفوظ بھی کہتے ہیں۔ بہر حال امام ترمذی نے جس منکر حدیث کو غیر محفوظ کہا ہے اس کی مثال یہ ہے:

حدثنا محمد بن عبيد المحاربی نا عبدالرحمان بن زيد بن اسلم عن ابيه عن عطاء بن يسار عن ابی سعيد الخدری قال قال رسول الله ﷺ ثلاث لا يفطرن الصائم الحجامة والقيئی والاحتلام. اس کے بعد امام ترمذی لکھتے ہیں:

''قال ابو عيسیٰ حديث ابی سعيد الخدری غير محفوظ''۔

(ابو عیسیٰ ترمذی، متوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۱۲۷)

اس کی وجہ امام ترمذی نے یہ بیان کی ہے کہ اس سند کا ایک راوی عبدالرحمان بن زید اس حدیث کو ابوسعید خدری سے موصولاً روایت کرتا ہے، جب کہ دوسرے ثقہ راوی عبداللہ بن زید، عبدالعزیز بن محمد اور دوسرے ثقات اس کو مرسلاً روایت کرتے ہیں اور ابوسعید خدری کا ذکر نہیں کرتے اور عبدالرحمان بن زید جو ان ثقہ راویوں کی مخالفت کر رہا ہے خود ضعیف راوی ہے۔ امام ترمذی نے امام احمد بن حنبل اور امام بخاری کی شہادتوں سے اس کا ضعف ثابت کیا ہے۔ لہٰذا یہ حدیث منکر ہوئی اور امام ترمذی کا اس کو غیر محفوظ کہنا محض تساہل ہے۔

بعض اوقات ایک حدیث متصل ہوتی ہے اور امام ترمذی اس کو منقطع قرار دیتے ہیں۔اس کی مثال یہ ہے امام ترمذی روایت کرتے ہیں: **حدثنا** هنادنا هيثم عن ابی الزبير عن نافع بن جبير بن مطعم عن ابی عبيدة بن عبدالله بن مسعود قال قال عبدالله ان المشركين شغلوا رسول الله ﷺ عن اربع صلوات يوم الخندق حتى ذهب من الليل ماشاء الله فامر بلا لا فاذن ثم اقام فصلى العصر ثم اقام فصلى المغرب ثم اقام فصلى العشاء. اس حدیث کے بعد امام ترمذی لکھتے ہیں: حديث عبدالله ليس باسناده باس الا ان ابا عبيدة لم يسمع من عبد الله. (ابوعیسیٰ ترمذی، متوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۵۲)

امام ترمذی کا یہ کہنا کہ ابوعبیدہ نے عبداللہ بن مسعود سے سماع نہیں کیا صحیح نہیں ہے۔ عبداللہ بن مسعود کی وفات کے وقت ابوعبیدہ کی عمر سات سال تھی۔ (حافظ بدرالدین العینی، التوفی ۸۵۵ھ عمدۃ القاری ج ۲ ص ۳۰۳) اور جب پانچ سال کی عمر میں سنی ہوئی احادیث کی روایت جائز ہے جیسا کہ محمود بن ربیع نے پانچ سال کی عمر میں حضور ﷺ سے سنی ہوئی احادیث کی روایت کی ہے۔ (امام محمد بن اسماعیل بخاری، التوفی ۲۵۶ھ صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷) اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے چھ سال کی عمر میں حضور ﷺ سے سنی ہوئی احادیث کی روایت کی ہے۔ (شہاب الدین ابن حجر العسقلانی، التوفی ۸۵۲ھ تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۴۵) تو یہ کیوں نہیں جائز کہ ابوعبیدہ نے سات سال کی عمر میں اپنے والد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنی ہوئی احادیث کی روایت کی ہو؟ علامہ عینی لکھتے ہیں کہ محدثین نے غیر معروف راویوں کا سات سال کی عمر میں سماع تسلیم کیا ہے تو ابوعبیدہ جیسے معروف تابعی کا عبداللہ بن مسعود جیسے معروف صحابی سے سات سال کی عمر میں سماع کا کیونکر انکار ہوسکتا ہے؟ کرابیسی نے ''کتاب المدلسین'' میں اور حاکم نے ''مستدرک'' میں ابوعبیدہ کی عبداللہ بن مسعود سے روایت کا ذکر کیا ہے اور طبرانی نے ''معجم اوسط'' میں سند صحیح کے ساتھ ابوعبیدہ سے عبداللہ بن مسعود سے سماع کی تصریح کی ہے اور وہ سند یہ ہے: عن زياد بن سعد عن ابی الزبير قال حدثنی يونس بن عتاب الكوفی قال سمعت ابا عبيدة بن عبدالله يذكر انه سمع اباه يقول كنت مع النبی عليه الصلوة والسلام فی سفر الحديث. اور جب سند صحیح کے ساتھ خود ابوعبیدہ

کی عبداللہ بن مسعود سے سماع کی تصریح موجود ہے۔ (الشیخ الحافظ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی المتوفی د د ۸ھ عمدۃ القاری ج ۲ ص ۳۰۲) تو امام ترمذی کا نفی سماع کا قول کرنا تساہل کے سوا اور کچھ نہیں۔

امام ترمذی کے تساہل کی بحث میں یہ بات پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ حدیث ضعیف کو حسن یا صحیح کہنے میں انہوں نے ضرور تساہل کیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ ایک یقینی امر ہے کہ "جامع ترمذی" میں انہوں نے کوئی موضوع حدیث شامل نہیں کی۔ محدث ابن جوزی نے "جامع ترمذی" کی تیئیس احادیث کو موضوع قرار دیا ہے۔ لیکن یہ ابنِ جوزی کا تشدد ہے اور اس باب میں ان کی عادت مشہور ہے۔ حافظ جلال الدین سیوطی نے "الذب عن السنن" میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ ان میں سے کوئی روایت موضوع نہیں ہے۔

تعداد احادیث

شیخ محمد فواد مصری نے "جامع ترمذی" کی کل احادیث مقصودہ کی تعداد ۱۳۸۵ بتلائی ہے اور توابع اور شواہد کو شامل کر کے شیخ ابراہیم مصری نے جملہ احادیث کی تعداد ۳۹۵۶ بتائی ہے (یہ جدید نمبرنگ کے مطابق ہے)۔

اعلیٰ اسانید

امام ترمذی کی جو حدیث اعلیٰ اسانید پر مشتمل ہے وہ "ثلاثی" ہے یعنی اس میں امام ترمذی اور حضور ﷺ کے درمیان صرف تین واسطے ہیں۔ "جامع ترمذی" میں صرف ایک ثلاثی ہے اور وہ یہ ہے:

حدثنا اسماعیل بن موسی الفزاری ابن ابنة اسدی الکوفی ناعمر بن شاکر عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ ﷺ یاتی علی الناس زمان الصابر فیھم علی دینه کالقابض علی الجمر.

(امام ابوعیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۳۲۹)

ملا علی قاری رحمہ الباری کو اس جگہ ایک تسامح لاحق ہوا ہے اور انہوں نے امام ترمذی کی اس حدیث کو "ثنائی" قرار دیا ہے۔ (ملا علی القاری الحنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ مرقاۃ المفاتیح ج ۱ ص ۲۳) یعنی اس حدیث میں امام ترمذی اور حضور ﷺ کے درمیان صرف دو واسطے ہیں حالانکہ سند حدیث

سے ظاہر ہے کہ یہاں امام ترمذی اور حضور ﷺ کے درمیان تین راوی ہیں۔ اسماعیل بن موسیٰ، عمر بن شاکر اور انس بن مالک۔

کتب صحاح میں ''جامع ترمذی'' کا مقام

صحت احادیث اور قوت سند کے اعتبار سے ''جامع ترمذی'' کا مرتبہ نسائی اور ابوداؤد کے بعد ہے اور کتب صحاح میں یہ پانچویں درجہ پر آتی ہے۔ کیونکہ امام ترمذی طبقہ رابعہ سے اصالۃ احادیث روایت کرتے ہیں جب کہ نسائی اور ابوداؤد اس طبقہ سے صرف انتخاب کرتے ہیں۔ نیز امام ترمذی ضعفاء اور مجہولین کے پانچویں طبقہ سے بھی روایت قبول کر لیتے ہیں جب کہ نسائی اور ابوداؤد اس طبقہ سے اصلاً روایت نہیں کرتے۔ اسی سبب سے حافظ جلال الدین سیوطی امام ذہبی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ''جامع ترمذی'' کا مقام ''سنن نسائی'' اور ''ابوداؤد'' کے بعد ہے۔ کیونکہ امام ترمذی مصلوب اور کلبی کی روایات کا بھی اخراج کر لیتے ہیں۔

(الحافظ جلال الدین السیوطی، المتوفی ۹۱۱ھ، تدریب الراوی ص ۵۶)

البتہ حسن ترتیب، حدیث اور فقہ کے متعدد علوم کے شمول اور افادیت کے لحاظ سے ''جامع ترمذی'' نسائی اور ابوداؤد پر مقدم ہے۔ شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں کہ ''جامع ترمذی'' کے بارے میں یہ بجا طور پر کہا جاتا ہے کہ یہ مجتہد کے لیے کافی ہے اور مقلد کے لیے مغنی ہے اور غالباً اسی وجہ سے حاجی خلیفہ نے ''کشف الظنون'' میں اس کو ''ثالث الکتب الستہ'' سے تعبیر کیا ہے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی شاید اسی وجہ سے ''بخاری'' اور ''مسلم'' کے بعد اسی کو ذکر کرتے ہیں۔

شروح

''جامع ترمذی'' کی شروح بھی بہ کثرت تصنیف کی گئی ہیں۔ لیکن بعض نامکمل رہیں۔ بعض طبع نہ ہو سکیں اور اکثر نایاب ہیں خصوصاً برصغیر میں تو ''جامع ترمذی'' کی کوئی معتد بہ اور مشہور شرح دستیاب نہیں ہے۔ سطور ذیل میں چند شروح کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(۱) عارضۃ الاحوذی:

یہ شرح الحافظ ابوبکر محمد بن عبداللہ الاشبیلی المالکی المتوفی ۵۴۶ھ کی تالیف ہے۔ جو ابن العربی کے نام سے مشہور ہیں۔

(۲) المنقح الشذی:

یہ شرح حافظ ابوالفتح محمد بن محمد الشافعی المتوفی ۷۳۴ھ کی تالیف ہے۔ یہ ایک مبسوط کتاب ہے"ترمذی" کے دوثلث سے کم کی شرح دس جلدوں میں کی گئی ہے۔ مصنف اس شرح کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکے۔ بعد میں حافظ زین الدین عراقی نے اس کو مکمل کرنا شروع کیا۔ لیکن وہ بھی پوری نہ کر سکے۔

(۳) شرح الزوائد علی الصحیحین وابی داؤد:

یہ شرح سراج الدین عمر بن علی ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ کی تصنیف ہے۔

(۴) العرف الشذی:

یہ سراج الدین عمر ابن رسلان البلقینی المتوفی ۸۰۵ھ کی تالیف ہے اور نامکمل ہے۔

(۵) شرح الجامع:

یہ شرح حافظ زین الدین عراقی متوفی ۸۰۶ھ کی تالیف ہے اور ناتمام ہے۔

(۶) شرح الترمذی:

یہ شرح حافظ زین الدین عبدالرحمان بن احمد بن نقیب الحنبلی کی تالیف ہے۔ یہ شرح بیس جلدوں پر مشتمل تھی مگر ایک فتنہ میں جل کر ضائع ہوگئی۔

(۷) شرح الترمذی:

یہ شرح الحافظ زین الدین عبدالرحمان بن احمد بن رجب الحنبلی المتوفی ۷۹۵ھ کی تالیف ہے۔

(۸) قوت المقتدی:

یہ شرح الحافظ جلال الدین السیوطی المتوفی ۹۱۱ھ کی تصنیف ہے۔

(۹) شرح ترمذی:

یہ شرح علامہ محمد طاہر گجراتی صاحب "مجمع البحار" المتوفی ۹۸۶ھ کی تالیف ہے۔

(۱۰) نفع قوت المقتذی:

یہ شرح علامہ سیّد علی بن سلیمان المالکی المتوفی ۱۲۹۸ھ کی تالیف ہے۔ [۱]

مختصرات

شروع کے علاوہ ''جامع ترمذی'' کی مختصرات بھی تصنیف کی گئی ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱) مختصر الجامع:

یہ نجم الدین سلیمان بن عبدالقوی الحنبلی المتوفی ۷۱۰ھ کی تالیف ہے۔

(۲) مختصر الجامع:

یہ نجم الدین محمد ابن عقیل الشافعی المتوفی ۷۲۹ھ کی تالیف ہے۔

(حاجی خلیفہ متوفی ۱۰۶۷ھ کشف الظنون ج ۱ ص ۵۵۶)

۱۔ (ان شروح میں سے اکثر کا تذکرہ حاجی خلیفہ متوفی ۱۰۶۷ھ نے ''کشف الظنون'' ج ۱ ص ۵۵۶ میں کیا ہے۔

امام ابوداؤد

امام بخاری اور مسلم کے بعد جو امام حدیث سب سے زیادہ مرتبہ اور مقام کے مالک ہیں وہ امام ابوداؤد بحستانی ہیں۔ جس زمانہ میں امام ابوداؤد نے تصنیف و تالیف کا آغاز کیا اس وقت عام طور پر علم حدیث میں جوامع اور مسانید کی تالیف کی جاتی تھی۔ انہوں نے سب سے پہلے ''کتاب السنن'' لکھ کر علمِ حدیث میں ایک نئی راہ دکھلائی اور اس کے بعد متعدد ائمہ حدیث نے ان کے چراغ سے چراغ جلانے شروع کر دیے اور فنِ حدیث میں کتب سنن کا ایک قابلِ قدر ذخیرہ جمع ہو گیا۔

ابوداؤد علم و حکمت میں جس طرح بے مثال تھے اسی طرح عبادت و ریاضت میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ علماء اور فضلاء ان کی خدمت میں حاضر ہوتے' اولیاء کرام ان کی زیارت کے لیے آتے اور حکامِ وقت ملاقات کے لیے پہروں ان کے دروازے پر کھڑے رہتے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں بے پناہ شہرت اور مقبولیت عطا فرمائی تھی۔ وہ جس قدر دین کی خدمت کی لگن رکھتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کا نام اتنا ہی اونچا کر دیا۔

ولادت و سلسلہ نسب

امام ابوداؤد کے نسب میں اختلاف ہے حافظ ابنِ حجر عسقلانی نے آپ کا نسب ''ابوداؤد سلیمان بن الاشعث بن شداد بن عمرو بن عامر'' بیان کیا ہے۔ بعض لوگوں نے عامر کی جگہ عمران بھی لکھا ہے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عمران جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رفاقت میں شہید ہو گئے تھے اور ابن داستہ اور آجری نے آپ کا نسب یوں بیان کیا ہے: حافظ ابوداؤد سلیمان بن الاشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بحستانی۔

(حافظ شہاب الدین ابنِ حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۶۹)

امام ابوداؤد ۲۰۲ھ کو ''بحستان'' میں خاندان ''زاذ'' کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے۔ یہ سال ولادت خود امام ابوداؤد کا بیان کردہ ہے۔

وطنِ مالوف

اس بات پر مورخین کا اتفاق ہے کہ امام ابوداؤد کا وطن ''سجستان'' ہے البتہ ''سجستان'' کے تعین میں مورخین کا اختلاف ہے۔ ابن خلکان نے بیان کیا ہے کہ سجستانی کی نسبت ''سجستان'' کی طرف ہے جو ''بصرہ'' کی ایک بستی ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اس پر تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس نسبت کی تحقیق میں ابن خلکان نے مغالطہ کھایا ہے اور ان جیسے شخص سے اس مغالطہ پر حیرت ہے۔ کیونکہ انہیں تاریخ اور تصحیح انساب میں کمال حاصل ہے۔ چنانچہ امام تاج الدین سبکی نے بھی ان کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ ابنِ خلکان کا وہم ہے اور صحیح یہ ہے کہ سجستانی کی نسبت ''سجستان'' کی طرف ہے اور وہ سندھ اور ہرات کے درمیان ''قندھار'' سے متصل ایک مشہور ملک ہے جو ہند کے پہلو میں واقع ہے اور بزرگانِ چشت کا مشہور شہر ''چشت'' بھی اسی ملک میں ہے۔ زمانہ قدیم میں ''بست'' اس ملک کا پایہ تخت تھا۔ اہلِ عرب اس ملک کی طرف نسبت کرتے ہوئے سجزی بھی کہہ دیتے ہیں۔

(شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی' المتوفی ۱۲۲۹ھ' بستان المحدثین ص ۲۸۳)

تحصیلِ علم حدیث

ابتدائی تعلیم کے بعد امام ابوداؤد نے علمِ حدیث کی طرف رغبت کی اور اپنے وقت کے مشہور اور جید اساتذہ اور جلیل القدر ائمہ حدیث سے اس علم کو حاصل کیا۔ علمِ حدیث کی تحصیل کی خاطر انہوں نے متعدد اسلامی شہروں کا سفر کیا خاص طور پر مصر' شام' حجاز' عراق اور خراسان وغیرہ میں کثرت کے ساتھ قیام کر کے علمِ حدیث حاصل کیا۔

''سنن ابوداؤد'' میں انہوں نے اپنے ایک سفر کا واقعہ لکھا ہے' فرماتے ہیں کہ میں نے ''مصر'' میں ایک لمبی ککڑی دیکھی جب اس کی پیمائش کی تو وہ تیرہ بالشت نکلی۔ نیز میں نے ایک بہت بڑا ترنج دیکھا جب اس کو کاٹ کر اونٹ پر لادا تو اس کے دونوں حصے بڑے نقاروں کی مانند معلوم ہوتے تھے۔ (الحافظ شمس الدین الذہبی' المتوفی ۷۴۸ھ' تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵۹۲)

خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ امام ابوداؤد بصرہ میں سکونت رکھتے تھے اور تحصیل علم کے دوران اَن گنت مرتبہ بغداد گئے اور وہیں بیٹھ کر انہوں نے اپنی ''کتاب السنن'' لکھی۔ امام ابوداؤد نے اپنے بصرہ کے سفر کا ایک واقعہ لکھا کہ میں عثمان مؤذن سے سماع کے لیے بصرہ گیا۔

جس دن ''بصرہ'' پہنچا اسی دن ان کا انتقال ہو گیا۔

(الحافظ ابن حجر العسقلانی' التوفی ۸۵۲ھ تہذیب التھذیب ج ۴ ص ۱۷۱)

سادگی

امام ابوداؤد حفظ حدیث' اتقان روایت اور عبادت و ریاضت میں جس قدر بلند درجہ پر فائز تھے طبیعت کے اعتبار سے اسی قدر سادہ اور منکسر المزاج تھے۔ ان کی سادگی اور بے نفسی کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی ایک آستین فراخ اور دوسری آستین تنگ رکھا کرتے تھے' جب ان سے اس کا سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا: ایک آستین کشادہ اس لیے رکھتا ہوں کہ اس میں اپنی کتاب کے کچھ اجزاء رکھ سکوں اور دوسری آستین بلا ضرورت کشادہ رکھنا اسراف میں داخل سمجھتا ہوں۔ (الحافظ شمس الدین الذہبی' التوفی ۷۴۸ھ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۷۱)

اساتذہ

جن مشاہیر اور اعاظم اساتذہ حدیث سے امام ابوداؤد نے روایت حدیث کی ہے ان کی پوری فہرس تو بے حد طویل ہے چند اسماء یہ ہیں:

ابوسلمہ تبوزکی' ابوالولید طیالسی' محمد بن کثیر العبدی' مسلم بن ابراہیم' ابوعمر حوضی' ابوتوبہ حلبی' سلیمان بن عبدالرحمان دمشقی' سعید بن سلیمان واسطی' صفوان بن صالح دمشقی' ابوجعفر نفیلی' احمد علی' یحییٰ' اسحاق' قطن بن نسیر۔ یہ اسماء علامہ ابن حجر نے ذکر کیے ہیں۔ (الحافظ ابن حجر' التوفی ۸۵۲ھ' تہذیب التھذیب ج ۴ ص ۱۶۹) ان کے علاوہ حافظ ذہبی نے ابوعمر وضریر' قعنبی' عبداللہ بن رجاء' احمد بن یونس اور سلیمان بن حرب کا بھی امام ابوداؤد کے اساتذہ میں تذکرہ کیا ہے۔

(امام شمس الدین ذہبی' متوفی ۷۴۸ھ' تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵۹۱)

امام ابوداؤد خود اپنے مشائخ کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوعمرو ضریر سے ایک مجلس میں سماع کیا' ایک مجلس میں سعدویہ سے سماع کیا اسی طرح عاصم بن علی سے بھی ایک مجلس میں سماع کیا۔ نیز فرماتے ہیں کہ میں عمر بن حفص کے پیچھے ان کے گھر گیا لیکن ان سے کسی چیز کا سماع نہ کر سکا۔ آجری کہتے ہیں کہ امام ابوداؤد نے ابن حمانی' سوید' ابن کاسب' ابن حمید اور ابن وکیع سے کبھی حدیث روایت نہیں کی اور خلال بیان کرتے ہیں کہ امام ابوداؤد نے امام احمد بن حنبل سے بھی ایک حدیث کا سماع کیا تھا وہ اس بات پر بے حد فخر کیا کرتے

تھے۔ (حافظ ابن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۷۱)

تلامذہ

امام ابوداؤد کے تلامذہ کا حلقہ بھی بے حد وسیع تھا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے آپ کے تلامذہ میں ان حضرات کا ذکر کیا ہے: ابوعلی محمد بن احمد بن عمرو اللولوئی' ابوطیب' احمد بن ابراہیم بن عبدالرحمان اشنانی' ابوعمرو احمد بن علی بن الحسن البصری' ابوسعید احمد بن محمد بن زیاد اعرابی' ابوبکر محمد بن عبدالرزاق بن داستہ' ابوالحسن علی بن الحسن بن العبد الانصاری' ابوعیسیٰ اسحاق بن موسیٰ بن سعید رملی وراقہ' ابواسامۃ محمد بن عبدالملک بن یزید رواس' یہ وہ خوش نصیب حضرات ہیں جنہوں نے امام ابوداؤد سے ''سنن ابوداؤد'' کو روایت کیا ہے۔

ان کے علاوہ ابوعبداللہ محمد بن احمد بن یعقوب البصری ہیں' جنہوں نے امام ابوداؤد سے ''کتاب الرد علی اہل القدر'' کو روایت کیا ہے اور ابوبکر احمد بن سلیمان النجار ہیں' جنہوں نے امام ابوداؤد سے ''کتاب الناسخ والمنسوخ'' کو روایت کیا ہے اور حافظ ابوعبید محمد بن علی بن عثمان آجری ہیں' انہوں نے امام ابوداؤد سے ''کتاب المسائل'' کو روایت کیا ہے اور اسماعیل بن محمد صغار ہیں' انہوں نے امام ابوداؤد سے ''مسند مالک'' کو روایت کیا ہے۔

ان کے علاوہ امام ابوعبدالرحمان نسائی' امام ابوعیسیٰ ترمذی' حرب بن اسماعیل کرمانی' زکریا ساجی' ابوبکر احمد بن محمد بن ہارون الخلال الحنبلی' عبداللہ بن احمد بن موسیٰ عبدان الاہوزی' ابوبشر محمد بن احمد الدولابی' ابوعوانۃ یعقوب بن اسحاق الاسفرائنی' ابوبکر بن ابی داؤد' ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی الدنیا' ابراہیم بن حمید بن ابراہیم بن یونس عاقولی' ابوحامد احمد بن جعفر اصبہانی' احمد بن معلیٰ بن یزید دمشقی' احمد بن محمد بن یاسین ہروی' حسن بن صاحب ''الشاشی'' حسین بن ادریس انصاری' عبداللہ بن محمد بن عبدالکریم رازی' علی بن عبدالصمد' محمد بن مخلد دوری' محمد بن جعفر بن مستغاض فریابی اور ابوبکر محمد بن یحییٰ صولی۔

(حافظ ابن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۷۱)

ان کے علاوہ امام ابوعیسیٰ ترمذی صاحب ''الجامع'' اور امام عبدالرحمان نسائی صاحب ''السنن'' کو بھی امام ابوداؤد سے شرف تلمذ حاصل ہے۔

کلمات الثناء

امام ابوداؤد کی علمِ حدیث میں بے نظیر مہارت اور ان کی عظیم خدمات پر ان کے اساتذہ' معاصرین اور دیگر علماء نے ان کی بے حد تعریف اور تحسین کی ہے۔ نیز ان کی خدا خوفی' پاک دامنی اور عبادت و ریاضت کی بھی لوگوں نے بے حد قدر کی ہے چنانچہ احمد بن محمد بن یاسین ہروی کہتے ہیں کہ وہ حافظ حدیث تھے اور سند حدیث اور اس کی علل کے ماہر تھے' خدا سے بے حد ڈرتے تھے اور بے حد عبادت گزار تھے۔ محمد بن اسحاق صغانی اور ابراہیم حربی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے امام ابوداؤد کے لیے علم حدیث اس طرح سہل کر دیا تھا جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے کو ملائم کر دیا تھا اور موسیٰ بن ہارون کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابوداؤد کو دنیا میں خدمت حدیث کے لیے اور آخرت میں جنت کے لیے پیدا کیا تھا اور ابوحاتم بن حبان نے کہا کہ ابوداؤد علم حدیث' علم فقہ اور تقویٰ اور خدا خوفی میں دنیا والوں کے امام تھے اور ابوعبداللہ بن مندہ نے کہا کہ جن لوگوں نے احادیث کا اخراج کیا اور حدیث معلول کو غیر معلول اور صواب کو خطا سے متمیز کیا وہ دنیا میں صرف چار شخص تھے: امام بخاری' امام مسلم اور ان کے بعد ابوداؤد اور نسائی۔ (حافظ ابن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۷۲)

حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ امام ابوداؤد عالم باعمل تھے۔ حاکم نے کہا کہ وہ اپنے زمانہ میں تمام اصحاب حدیث کے امام تھے اور بعض ائمہ نے بیان کیا ہے کہ ابوداؤد اپنے خصائل میں امام احمد بن حنبل کے مشابہ تھے اور امام احمد اپنی سیرت میں امام وکیع کے مشابہ تھے اور وکیع' سفیان کے اور سفیان' منصور کے مشابہ تھے اور منصور ابراہیم نخعی کے اور ابراہیم نخعی' علقمہ کے مشابہ تھے اور علقمہ' حضرت عبداللہ بن مسعود کے اور حضرت عبداللہ بن مسعود' حضور ﷺ کے مشابہ تھے اور ان مشائخ اور اساتذہ کے واسطوں سے امام ابوداؤد کی سیرت حضور ﷺ کی سیرت کے مشابہ تھی۔ (الحافظ شمس الدین الذہبی' المتوفی ۷۴۸ھ' تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۶۲۹)

رجوع خلائق

امام ابوداؤد کے پاس ہر قسم کے لوگ آتے تھے' عقیدت مندوں کا ہر وقت ہجوم رہتا تھا۔ تشنگان علوم حدیث دور دور سے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی علمی پیاس بجھاتے' معاصرین علماء آپ کی مجلس میں مختلف علمی موضوعات پر مذاکرات کرتے' خدا رسیدہ اور درویش

صفت بزرگ آکر آپ کی زیارت کرتے اور بسااوقات شاہانِ وقت بھی آکر آپ کے دروازے پر دستک دیا کرتے تھے۔

قاضی ابومحمد احمد بن محمد بن لیث بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مشہور عارف باللہ حضرت سہل بن عبداللہ تستری' امام ابوداؤد سے ملاقات کے لیے آئے۔ جب امام ابوداؤد کو معلوم ہوا تو وہ بہت خوش ہوئے اور انہوں نے حضرت سہل کو خوش آمدید کہا' حضرت سہل نے کہا: اے امام! ذرا اپنی وہ مبارک زبان دکھائیں جس سے آپ احادیث رسول بیان کرتے ہیں تاکہ میں اس مقدس زبان کو بوسہ دوں۔ امام ابوداود نے زبان منہ سے باہر نکالی اور حضرت سہل نے اس کو انتہائی عقیدت کے ساتھ بوسہ دیا۔ (حافظ ابن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۷۲)

عبداللہ بن محمد سبکی کہتے ہیں کہ مجھ سے امام ابوداؤد کے ایک خادم ابوبکر بن جابر نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ میں امام ابوداؤد کے ساتھ بغداد میں تھا ہم مغرب کی نماز سے فارغ ہوئے تو کسی شخص نے دروازہ کھٹکھٹایا' میں نے جا کر دروازہ کھولا تو دروازہ پر امیر ابواحمد موفق کھڑا ہوا تھا' میں نے جا کر امام کو خبر دی انہوں نے امیر کو بلا لیا اور پوچھا کہ اس وقت کون سی ضرورت امیر کو یہاں لے آئی ہے؟ امیر نے کہا: میں تین سوال لے کر آیا ہوں: پوچھا: کون کون سے؟ امیر نے کہا: پہلا سوال یہ ہے کہ آپ یہاں سے ''بصرہ'' تشریف لے چلیں اور اس کو اپنا وطن بنالیں تاکہ وہاں زیادہ طلباء آپ سے فیض یاب ہوسکیں۔ آپ نے پوچھا: دوسرا سوال کون سا ہے؟ امیر نے کہا: دوسری درخواست یہ ہے کہ آپ میری اولاد کے لیے ''کتاب السنن'' کی روایت کریں۔ آپ نے اس سے پھر تیسرا سوال پوچھا' امیر نے کہا: تیسری درخواست یہ ہے کہ میری اولاد کو باقی طلباء سے علحدہ پڑھائیں' کیونکہ خلیفہ کی اولاد کے لیے عام لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر پڑھنا مشکل ہے۔ آپ نے فرمایا: تمہاری پہلی دو خواہشیں تو پوری ہوسکتی ہیں' لیکن تیسری خواہش پوری نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ حصولِ علم میں عام طلباء اور خلیفہ کی اولاد کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ امام ابوداؤد نے ''بصرہ'' میں درس قائم کردیا۔ جہاں پر خلیفہ کے صاحبزادے بھی عام طلباء کے ساتھ بیٹھ کر اکتساب علم کیا کرتے تھے۔

تصانیف

امام ابوداؤد کی زندگی طلبِ حدیث میں مختلف علاقوں کے سفر اور درس و تدریس کی بے

پناہ مشغولیات میں گزری ہے اس کے باوجود مندرجہ ذیل تصانیف آپ سے یادگار ہیں۔

(۱) کتاب السنن (۲) کتاب المراسیل (۳) کتاب المسائل (۴) کتاب الرد علی القدریۃ (۵) کتاب الناسخ والمنسوخ (۶) کتاب المتفرد (۷) کتاب فضائل الانصار (۸) مسند مالک بن انس (۹) کتاب الزہد (۱۰) دلائل النبوۃ (۱۱) کتاب الدعا (۱۲) کتاب بدء الوحی (۱۳) اخبار الخوارج (۱۴) کتاب شریعۃ التفسیر (۱۵) فضائل الاعمال (۱۶) کتاب التفسیر (۱۷) کتاب نظم القرآن (۱۸) کتاب فضائل القران (۱۹) کتاب البعث والنشور (۲۰) کتاب شریعۃ القارئی۔

وصال

تہتر سال کی قابل رشک اور لائق تقلید زندگی گزار کر امام ابوداؤد ۱۶ شوال ۲۷۵ھ کو جمعہ کے دن وصال فرما گئے۔ (الحافظ شمس الدین الذہبی' المتوفی ۷۴۸ھ' تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵۹۳۱) آپ نے وصیت کی تھی کہ حسن بن مثنیٰ سے آپ کو غسل دلایا جائے اور اگر وہ نہ ہوں تو حماد بن زید کی روایت کے مطابق آپ کو غسل دے دیا جائے۔ چنانچہ آپ کی اس وصیت پر عمل کیا گیا۔

(حافظ ابن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' تہذیب التہذیب' ج ۴' ص ۱۷۳)

سنن ابوداؤد

''سنن ابوداؤد'' کی تصنیف سے پہلے کتب احادیث میں مسانید اور جوامع کا رواج تھا۔ جس میں سنن اور احکام، اخبار اور قصص اور مواعظ اور آداب سب قسم کی احادیث شامل ہوتی تھیں۔ امام ابوداؤد نے سب سے پہلے مجرد سنن میں یہ کتاب تالیف کی۔ جب اس کتاب کو انہوں نے امام احمد بن حنبل پر پیش کیا تو انہوں نے بے حد تحسین کی۔ یحییٰ بن یحییٰ زکریا ساجی نے کہا: اسلام کی بنیاد ''قرآن کریم'' اور اس کا ستون ''سنن ابوداؤد'' ہے۔ ابن عربی نے کہا کہ دین کے مقدمات کا علم حاصل کرنے کے لیے ''کتاب اللہ'' اور ''سنن ابوداؤد'' کافی ہیں۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ علم حدیث میں اجتہاد کرنے کے لیے ''سنن ابوداؤد'' میں کافی سرمایہ ہے۔

حسنِ قبول

اس کتاب کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ مقبولیت عطا فرمائی اور تمام طبقات فقہاء میں باوجود اختلاف مذاہب کے یہ کتاب یکساں مقبول رہی ہے۔ مصر، عراق بلاد مغرب بلکہ مسلمانوں کے ہر علاقہ میں اس کتاب کا درس دیا جاتا ہے۔ حسن بن محمد بن ابراہیم کہتے ہیں کہ ایک بار انہیں خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی آپ نے فرمایا: جو شخص سنن کا علم حاصل کرنا چاہتا ہو وہ ''سنن ابوداؤد'' کا علم حاصل کرے۔ (شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، متوفی ۱۲۲۹ھ بستان المحدثین ص ۲۸۷) حضور کے اس فرمان سے ظاہر ہوا کہ یہ کتاب بارگاہ رسالت میں مقبول ہے اور غالباً اسی سبب سے اس کتاب کو قبول خاص و عام حاصل ہوا۔

کلمات الثناء

''سنن ابوداؤد'' کی حسن افادیت، جامعیت اور احکام فقہیہ کے ماخذ ہونے کے لحاظ سے اس کو بعد کے علماء اور محققین نے بے حد پسند کیا اور تقریباً ہر دور کے علماء اس کو اپنے تعریفی کلمات سے نوازتے رہے۔ امام حافظ ابوجعفر بن زبیر غرناطی صحاح ستہ کی خصوصیات پر تبصرہ

کے ضمن میں لکھتے ہیں: احادیث فقہیہ کے حصر واحصار میں ''ابوداؤد'' کو جو خصوصیت حاصل ہے وہ صحاح ستہ کے باقی مصنفین میں سے کسی کو حاصل نہیں ہے۔ (حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' تدریب الراوی ص ۵۶) امام غزالی فرماتے ہیں: علم حدیث میں صرف یہی ایک کتاب مجتہد کے لیے کافی ہے۔ (حافظ شمس الدین سخاوی' فتح المغیث ص ۲۸) ایک مرتبہ حافظ سعید بن سکن کی خدمت میں طلبہ حدیث کی ایک جماعت حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ ہمارے سامنے حدیث کی بہت سی کتابیں ہیں بہتر ہوگا کہ شیخ ہماری رہنمائی کچھ ایسی کتابوں کی طرف کریں' جن پر ہم کفایت کر سکیں' حافظ ابن سکن نے یہ سن کر کچھ جواب نہیں دیا بلکہ اٹھ کر سیدھے گھر چلے گئے اور کتابوں کے چار بستے لا کر اوپر تلے رکھ دیئے' پھر فرمانے لگے: ''**هذا قواعد الاسلام کتاب مسلم و کتاب بخاری و کتاب ابی داؤد و کتاب نسائی**'' یہ وہ کتابیں ہیں جو اسلام کی بنیاد ہیں کتاب مسلم' کتاب بخاری' کتاب ابی داؤد اور کتاب نسائی۔

(حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسی' شروط الائمۃ الستہ ص ۱۶)

ابوسلیمان خطابی لکھتے ہیں: امام ابوداؤد کی ''کتاب السنن'' بلا ریب ایسی نفیس کتاب ہے اس جیسی کتاب علم دین میں آج تک تصنیف نہیں ہوئی۔ اس کتاب کو ہر قسم کے لوگوں نے پسند کیا اور یہ کتاب علماء کے سب فرقوں اور فقہاء کے تمام طبقات میں باوجود اختلاف مذاہب کے حکم مانی جاتی ہے' سب لوگ اسی گھاٹ پر آتے ہیں اور یہیں سے سیراب ہوتے ہیں۔ اسی کتاب پر اہل عراق' اہل مصر' بلاد مغرب اور روئے زمین کے اکثر رہنے والوں کا اعتماد ہے۔ البتہ ''خراسان'' میں بہت سے لوگ محمد بن اسماعیل' مسلم بن حجاج اور ان لوگوں کی کتابوں کے پسند کرنے والے ہیں جو جمع صحیح میں ان دونوں حضرات کے تابع اور ان کی شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوں۔ لیکن ابوداؤد کی کتاب ترتیب کے اعتبار سے بہت عمدہ اور فقہ کے لحاظ سے ان سے بہت بڑھی ہوئی ہے۔ (امام ابوسلیمان احمد بن محمد خطابی' متوفی ۳۸۸ھ' معالم السنن ج ۱ ص ۶)

امام نووی فرماتے ہیں: جو شخص فقہ میں اشتغال رکھتا ہو۔ اس کو ''سنن ابوداؤد'' کا خوب غور سے مطالعہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ عام احکام جن احادیث پر موقوف ہیں وہ تمام احادیث اس کتاب میں آگئی ہیں اور امام ابوداؤد نے ان احادیث کو اس طرح تلخیص اور تہذیب کے ساتھ پیش کیا ہے کہ ان سے احکام کو حاصل کرنا سہل ہو گیا ہے۔

اسلوب

امام ابوداؤد نے اپنی ''سنن'' میں احادیث کو جمع کرنے اور ترتیب دینے میں جو اسلوب اختیار کیا ہے وہ بہت سی خوبیوں اور نکات پر مشتمل ہے۔ چند خوبیاں ذکر کی جاتی ہیں:

(۱) امام ابوداؤد نے اپنی ''سنن'' میں یہ التزام کیا ہے کہ اس میں صرف احکام سے متعلق احادیث لائیں گے۔ چنانچہ اہل مکہ کے نام مکتوب میں انہوں نے خود لکھا ہے: ''**ولم اصنف فی الزھد وفضائل الاعمال وغیرھا فھذا اربعة آلاف والثمان مأة کلھا فی الاحکام**''. یعنی میں نے زہد اور فضائل اعمال وغیرہا کے اثبات میں روایات جمع نہیں کی ہیں۔ میری اس کتاب میں چار ہزار آٹھ سو احادیث ہیں اور وہ سب احکام سے متعلق ہیں۔

(۲) اس کتاب میں امام ابوداؤد نے اپنے علم کے مطابق زیادہ ترصحیح ترین روایات ذکر کی ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں: ''**فانکم سألتمونی ان اذکر لکم الاحادیث التی فی کتاب السنن اھی اصح ماعرفت فی الباب فاعلموا انه کذالک**''. اور جن روایات میں کوئی ضعف یا علت ہو تو امام ابوداؤد اس کو بیان کر دیتے ہیں جیسا کہ عنقریب آئے گا۔

(۳) اگر کوئی حدیث دو صحیح طریقوں سے مروی ہو اور ان میں سے ایک طریقہ کا راوی اسناد میں مقدم ہو (یعنی اس کی سند عالی ہو) اور دوسرے طریقہ کا راوی حفظ میں بڑھا ہوا ہو تو امام ابوداؤد ایسی صورت میں پہلے طریقہ کا ذکر کر دیتے ہیں' لکھتے ہیں: ''**قدروی من وجھین احدھما اقوی اسنادا والآخر صاحبه اقدم فی الحفظ**''.

(۴) بسا اوقات ایک حدیث کو دو تین سندوں کے ساتھ ذکر کرتے ہیں' بشرطیکہ بعض سے متن میں کچھ زیادتی ہو۔ چنانچہ مکتوب میں فرماتے ہیں: ''**واذا اعدت الحدیث فی الباب من وجھین او ثلاثة مع زیادة کلام فیه**''.

(۵) بسا اوقات ایک حدیث بہت طویل ہوتی ہے اور اس کو بہ تمامہ ذکر کر دینے سے یہ خوف ہوتا ہے کہ بعض سامعین اس کی غرض کو نہ سمجھ سکیں گے۔ ایسی صورت میں امام ابوداؤد حدیث کا اختصار کر دیتے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ''**وربما فیه کلمة زائدة علی الحدیث الطویل لانی لو کتبته بطوله لم یعلم بعض من سمعه ولا یفھم موضع الفقه منه**

فاختصرته لذالک''۔

(۶) جن احادیث کی اسانید میں کوئی ضعف ہو یا اور کوئی علت خفیہ ہو اس کو امام ابوداؤد بیان کردیتے ہیں اور جس حدیث کی سند کے بارے میں امام ابوداؤد کوئی کلام نہیں کرتے وہ عام طور پر صالح للعمل ہوتی ہے۔ چنانچہ امام ابوداؤد مکتوب میں فرماتے ہیں: ''مالم اذکر فیہ شیا فھو صالح''۔

(۷) اس کتاب میں امام ابوداؤد نے عام طور پر مشہور روایات ذکر کی ہیں۔ انہوں نے شاذ اور غریب روایات اس کتاب میں بہت کم درج کی ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ''والاحادیث التی وضعتھا فی کتاب السنن اکثرھا مشاھیر''۔

(۸) امام ابوداؤد نے اپنی اس کتاب میں متروک الحدیث راوی سے کوئی روایت نہیں کی، لکھتے ہیں: ''ولیس فی کتاب السنن الذی صنفت عن رجل متروک الحدیث''۔

(۹) ایک حدیث اگر متعدد اسانید سے مروی ہو تو بسا اوقات امام ابوداؤد وہ تمام اسانید ایک جگہ ذکر فرمادیتے ہیں۔ مثلاً امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں: حدثنا سلیمان بن حرب قال ثنا حماد ح وحدثنا مسدد و قتیبة عن حماد بن زید عن سنان بن ربیعة عن شھر بن حوشب عن ابی امامة ذکر وضو ألنبی ﷺ الحدیث۔

(امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث المتوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ص ۱۸)

(۱۰) کسی حدیث میں اگر مرفوع یا موقوف کا اختلاف ہو تو اس کا ذکر کردیتے ہیں۔ مثلاً امام ابوداؤد ابوامامہ سے روایت کرتے ہیں: قال کان رسول اللہ ﷺ یمسح الماقین قال وقال الازنان من الرأس قال سلیمان بن حرب یقولھا ابوامامة قال قتیبة قال حماد لا ادری اھو من قول النبی ﷺ او ابی امامة یعنی قصة الاذنین۔

(امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث المتوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ص ۱۸)

(۱۱) اگر کوئی حدیث معلول ہو تو اس کی خفیہ علت بیان کردیتے ہیں۔ مثلاً ''باب کراھیة الکلام عند الخلاء'' کے تحت انہوں نے ابوسعید خدری سے ایک روایت اس بارے میں ذکر کی ہے، اس کے بعد لکھتے ہیں: قال ابوداؤد ھذا لم یسندہ الاعکرمة بن

عمار. (امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث التوفی ۲۷۵ھ سنن ابوداؤد ص ۳) یعنی یہ حدیث عام طرق سے مرسلا مروی ہے صرف عکرمہ بن عمار نے اس کو موصولاً روایت کیا ہے۔اس لیے یہ حدیث معلل قرار پائی۔

(۱۲) جوروایت منکر ہواس کی تصریح کر دیتے ہیں مثلاً ''باب الخاتم یکون فیه ذکر الله تعالی'' کے تحت ہمام کی سند سے ایک روایت ذکر کی کہ حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بیت الخلاء جانے لگے تو آپ نے انگوٹھی اتاردی اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد امام ابوداؤد لکھتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے اور معروف روایت یہ ہے کہ حضور ﷺ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنائی اور پھر اس کو پھینک دیا اور بتلایا کہ پہلی روایات میں ہمام کو وہم ہوا ہے۔
(امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث التوفی ۲۷۵ھ سنن ابوداؤد ص ۴) اب یہ بات الگ ہے کہ محدثین نے اس معروف روایت کو بھی زہری کا وہم قرار دیا ہے اور بتلایا کہ یہ انگوٹھی سونے کی تھی۔

(۱۳) جوروایت ضعیف ہواس کی بھی تصریح کر دیتے ہیں۔مثلاً ''باب کیف التکشف عند الحاجة'' کے تحت ایک حدیث ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''قال ابو داؤد رواه عبدالسلام بن حرب عن الاعمش عن انس بن مالک وهو ضعیف''۔

(امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث التوفی ۲۷۵ھ سنن ابوداؤد ص ۳)

(۱۴) بعض اوقات احادیث کے راویوں کے اسماء، کنٰی اور القاب کی بھی وضاحت کر دیتے ہیں مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں: ''ابن ربیعة کنیته، ابن ربیعة''۔

(۱۵) امام ابوداؤد نے اپنی اس کتاب میں تکرار سے حتی الامکان گریز کیا ہے اگر کہیں کسی حدیث کو دوبارہ ذکر کرتے بھی ہیں تو اس میں اسناد یا متن حدیث میں کوئی مزید فائدہ پیش نظر ہوتا ہے۔

شرائط

حافظ ابوعبداللہ محمد بن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ امام ابوداؤد نے اپنی اس کتاب میں احادیث درج کرنے کے لیے یہ شرط مقرر کی ہے کہ وہ احادیث متصل السند اور صحیح ہوں اور وہ احادیث ایسے راویوں سے مروی ہوں جن کے ترک پر اجماع نہ ہوا ہو اور علامہ خطابی لکھتے ہیں کہ ابوداؤد کی کتاب صحیح اور حسن دونوں قسم کی احادیث کی جامع اور ان کی اس کتاب میں احادیث

سقیمہ میں سے مقلوب اور مجہول روایات اصلاً نہیں ہیں۔(فخر الحسن مقدمہ التعلیق المحمود ص ۴)

امام ابوداؤد نے اپنی ''سنن'' میں چونکہ ان احادیث کو جمع کرنے کا قصد کیا ہے جن سے فقہاء استدلال کرتے ہیں اور جن احادیث کو عام طور پر احکام کا مبنیٰ قرار دیا جاتا ہے۔اس لیے امام ابوداؤد نے اپنی شرائط میں وسعت رکھی ہے۔اور اس کتاب میں صحیح اور حسن سے لے کر لیّن صالح العمل تک احادیث کی گنجائش رکھی ہے۔البتہ اس کتاب میں وہ ایسی کوئی حدیث نہیں لائے جس کے ترک پر لوگوں کا اجماع ہو چکا ہے۔

شیخ ابوبکر حازمی نے تصریح کی ہے کہ امام ابوداؤد راویوں کے پہلے تین طبقوں سے استیعاب کرتے ہیں اور چوتھے طبقہ سے انتخاب کرتے ہیں یعنی کامل الضبط والاتقان اور کثیر الملازمۃ مع الشیخ' کامل الضبط والاتقان اور قلیل الملازمۃ مع الشیخ اور ناقص الضبط اور کثیر الملازمۃ۔ان تین طبقوں سے امام ابوداؤد استیعاب کرتے ہیں اور ناقص الضبط اور قلیل الملازمۃ کے چوتھے طبقہ سے انتخاب کرتے ہیں۔

چار جامع حدیثیں

امام ابوداؤد خود فرماتے ہیں کہ ''سنن ابوداؤد'' میں چار حدیثیں ایسی ہیں جو مرد عاقل کے لیے اس کے دین میں کافی ہیں۔ان کی تفصیل یہ ہے:(حاجی خلیفہ متوفی ۱۰۶۷ھ کشف الظنون ج ۲ ص ۱۰۰۴)

(۱) انما اعمال بالنیات. — اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔

(بخاری:۱'مسلم:۱۹۰۷'ابوداؤد:۱۹۰۱'ترمذی:۱۶۴۷'نسائی:۳۷۹۴'ابن ماجہ:۴۲۲۷)

(۲) من حسن اسلام المرء ترک مالا یعنیہ. (ترمذی:۲۳۱۷'ابن ماجہ:۳۹۷۶'عبدالرزاق:۲۰۶۱۷) — کسی شخص کے اچھے مسلمان ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ بے فائدہ کاموں کو چھوڑ دے۔

(۳) لا یومن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ. — کوئی شخص اس وقت تک کامل مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہ چیز پسند نہ کرے جسے وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

(بخاری:۱۳'مسلم:۴۵'ترمذی:۲۵۱۵'ابن ماجہ:۶۶'مسند احمد ج ۳ ص ۱۷۶)

(۴) الحلال بین والحرام بین وبینھما مشتبھات فمن اتقی الشبھات استبرأ لدینہ.

حلال اور حرام دونوں ظاہر ہیں اور ان کے درمیان کچھ مشتبہات ہیں۔ پس جو شخص مشتبہات سے بچتا رہے اس نے اپنے دین کو محفوظ کر لیا۔

(بخاری: ۵۲، مسلم: ۱۵۹۹، ابوداؤد: ۳۳۲۹، ترمذی: ۱۲۰۵، نسائی: ۴۴۶۵، ابن ماجہ: ۳۹۸۴)

بقیہ دو حدیثیں مطبوعہ سنن ابوداؤد میں نہیں ہیں، ہوسکتا ہے امام ابوداؤد نے ان کو درج کیا ہو لیکن بعد کے ناقلین سے رہ گئی ہوں۔ شاہ عبدالعزیز بیان کرتے ہیں کہ ان احادیث کے دین میں کفایت کے معنی یہ ہیں کہ ان میں شریعت کے قواعد کلیہ مشہورہ بیان کیے گئے ہیں اور شریعت کے قواعد کلیہ مشہورہ معلوم ہو جانے کے بعد جزئیات مسائل میں کسی مجتہد اور مرشد کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس لیے فقط ان چار احادیث کا جان لینا ہی انسان کی ہدایت کے لیے کافی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ صحت عبادات کے لیے پہلی حدیث کافی ہے اور عمر عزیز کی حفاظت کے لیے دوسری حدیث ضامن ہے اور ہمسائیگان، خویش و اقارب اور دوسرے اہل معاملہ سے حسن سلوک کے لیے تیسری حدیث کفایت کرتی ہے اور اختلاف علماء یا اختلاف دلائل سے جو شکوک پیدا ہوتے ہیں ان کے ازالہ کے لیے چوتھی حدیث کافی ہے۔ گویا مرد عاقل کے لیے یہ چاروں حدیثیں استاذ اور مرشد کا حکم رکھتی ہیں۔

تعداد احادیث

امام ابوداؤد نے اپنے مکتوب میں بیان کیا ہے کہ ان کی ''سنن'' مراسیل سمیت اٹھارہ اجزاء پر مشتمل ہے۔ ایک جز مراسیل کا ہے اور باقی اجزاء پر دوسری احادیث مشتمل ہیں اور کل احادیث کی تعداد چار ہزار آٹھ سو ہے اور چھ سو مراسیل ہیں (جدید نمبرنگ کے مطابق کل احادیث کی تعداد: ۵۲۷۴ ہے)۔

امام ابوداؤد کا مکتوب

اہل مکہ نے امام ابوداؤد کو خط لکھ کر سنن احادیث کے بارے میں سوال کیا، انہوں نے اس کا جو جواب لکھا وہ یہ ہے:

''آپ لوگوں نے مجھ سے ''سنن'' کی احادیث کے بارے میں سوال کیا ہے کہ میں آپ کو بتاؤں کہ اس میں درج شدہ احادیث کیا میرے نزدیک صحیح ترین احادیث ہیں؟ تو سن

لیجئے! یہ تمام احادیث ایسی ہی ہیں سوا ان احادیث کے جو دو طریقوں سے مروی ہوں اور ان میں سے ایک طریقہ علو اسناد کے لحاظ سے فائق ہو اور دوسرا حفظ رواۃ کے اعتبار سے قوی ہو تو ایسی صورت میں، میں پہلے طریقہ سے ہی حدیث کی روایت کر دیتا ہوں اور جب میں کسی کی ایک حدیث کو دو یا تین اسانید سے روایت کرتا ہوں تو اس کی وجہ بعض طرق میں کچھ زیادتی ہوتی ہے اور بسا اوقات میں کسی حدیث کا اس وجہ سے اختصار کر دیتا ہوں کہ کہیں اس کی طوالت کی وجہ سے سامعین اس حدیث کی فقہ سے نہ محروم رہ جائیں۔

باقی مراسیل کا جہاں تک تعلق ہے تو پہلے زمانہ میں امام مالک، سفیان ثوری اور امام اوزاعی وغیرہ ان سے استدلال کرتے تھے۔ یہاں تک کہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا زمانہ آیا اور انہوں نے مرسل حدیث پر کلام کرنا شروع کر دیا۔ بہر حال جب حدیث متصل نہ ہو تو حدیث مرسل سے استدلال کیا جاتا ہے۔ اگرچہ وہ متصل کی طرح قوی نہیں ہوتی۔

میں نے اپنی اس ''سنن'' میں کسی ایسے شخص کی روایت درج نہیں کی جو متروک الحدیث ہو نیز اگر کوئی منکر حدیث اس مجموعہ میں آ گئی ہے تو میں نے اس کا بیان کر دیا ہے۔ اسی طرح اگر حدیث میں کوئی اور کمزوری ہو تو میں نے اس کا بھی بیان کر دیا ہے اور جس حدیث کے بعد میں نے کچھ نہیں لکھا وہ حدیث صالح للعمل ہوتی ہے۔ ''سنن'' میں بعض احادیث بعض سے زیادہ صحیح ہیں۔ آپ کو سند صحیح کے ساتھ حضور کی جو سنت بھی ملے گی وہ اس کتاب میں موجود ہو گی۔ سوا ان چیزوں کے جو سیرت کے ذیل میں بیان کی جاتی ہیں اور میرے خیال میں ''قرآن کریم'' کے بعد لوگوں کے لیے اس کتاب سے زیادہ کسی چیز کا سیکھنا ضروری نہیں ہے اور اس کتاب کو لکھ لینے کے بعد اگر کوئی شخص اور کچھ نہ لکھے تو کوئی حرج نہیں ہے اور جب کوئی شخص اس کتاب کا مطالعہ کرے گا۔ تب ہی اس کو اس کی صحیح قدر معلوم ہو گی۔

سفیان ثوری، امام مالک اور امام شافعی کے مسائل کی بنیاد ہی احادیث پر ہے تاہم میں پسند کرتا ہوں کہ اس کتاب کے ساتھ صحابہ کرام کے فتاوی کو بھی لکھ لیا جائے۔ نیز ''جامع سفیان ثوری'' کی طرز پر بھی کوئی کتاب نقل کر لی جائے۔ کیونکہ وہ ان تمام جوامع میں سب سے بہتر ہے۔

میں نے اس کتاب میں اکثر احادیث مشہورہ جمع کی ہیں اور ہر وہ شخص جس کے پاس کچھ احادیث لکھی ہوئی ہوں ان میں مشہور احادیث ہوتی ہیں۔ لیکن ان کو متمیز کرنا ہر شخص کے

بس کی بات نہیں ہے۔ احادیث مشہورہ کی فضیلت یہ ہے کہ وہ قابل استدلال ہوتی ہیں اور غریب اور شاذ روایات اگرچہ امام مالک یحییٰ بن سعید جیسے ائمہ ثقات سے مروی ہوں پھر بھی لائق استدلال نہیں ہوتیں اور جو شخص غریب اور مطعون حدیث سے استدلال کرے تو اس استدلال کی وجہ سے وہ شخص خود ساقط الاعتبار ہو جاتا ہے۔ اس کے برخلاف جو حدیث صحیح اور مشہور ہو اس کو کوئی شخص رد نہیں کر سکتا۔ ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ لوگ حدیث غریب کو ناپسند کرتے ہیں اور یزید بن حبیب کہتے ہیں کہ جب تم کسی شخص سے کوئی حدیث سنو تو اس کے توابع تلاش کرو اگر مل جائیں فبہا ورنہ اس حدیث کو چھوڑ دو۔

''کتاب السنن'' میں مراسیل بھی ذکر کی گئی ہیں اور ائمہ حدیث کے نزدیک یہ معروف ہے کہ جب متصل حدیث نہ ملے تو مرسل بھی متصل کے حکم میں ہوتی ہے جیسے ''عن جابر والحسن عن ابی ھریرۃ یا عن الحکم عن المقسم عن ابن عباس'' یہ متصل نہیں ہے اور حکم نے مقسم سے جن چار حدیثوں کا سماع کیا ہے ''سنن'' کی روایات ان میں سے نہیں ہیں اور رہی یہ سند ''ابواسحاق عن الحارث عن علی'' تو اس میں ابواسحاق نے حارث سے صرف چار حدیثوں کا سماع کیا ہے جن میں سے ایک بھی متصل نہیں ہے اور ''کتاب السنن'' میں اس قسم کی احادیث بہت کم ہیں اور حارث کی تو اس میں صرف ایک روایت ہے۔ بعض دفعہ حدیث کی کوئی علت مجھ پر مخفی رہتی ہے' ایسی صورت میں کبھی میں اس حدیث کو ذکر کر دیتا ہوں اور کبھی نہیں کرتا کیونکہ یہ چیز عام لوگوں کے حق میں نقصان دہ ہے۔

''کتاب السنن'' مراسیل سمیت اٹھارہ اجزاء پر مشتمل ہے' جن میں سے ایک جز مراسیل کا ہے اور مراسیل میں سے بعض غیر صحیح ہیں اور بعض وہ ہیں جو دوسرے لوگوں کے نزدیک متصل اور صحیح ہیں۔ ''کتاب السنن'' کی کل احادیث کی تعداد چار ہزار آٹھ سو ہے۔ بعض احادیث فی نفسہ مرسل ہوتی ہیں اور بعض دوسری اسانید سے وہ متصل معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن درحقیقت وہ احادیث معلول ہوتی ہیں۔

میں نے ''کتاب السنن'' میں صرف احکام ہی کو تصنیف کیا ہے' زہد اور فضائل اعمال سے متعلق احادیث نہیں لایا۔ لہٰذا یہ چار ہزار آٹھ سو احادیث ہیں جو سب احکام سے متعلق ہیں۔ ان کے علاوہ زہد اور فضائل سے متعلق بہت سی احادیث صحیحہ تھیں' جن کا میں نے اس

کتاب میں اخراج نہیں کیا۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

تساہل

امام ابوداؤد کا ''سنن ابوداؤد'' میں ایک عام تساہل یہ ہے کہ وہ حدیث کے متابعات کی کامل تحقیق نہیں کرتے اور محض سرسری نظر سے اس پر تفرد کا حکم لگا دیتے ہیں۔ مثلاً انہوں نے ایک روایت ذکر کی ہے: حدثنا عبید الله بن عمر بن میسرة ثنا ابن مهدی ثنا عکرمة ابن عمار عن یحیی بن ابی کثیر عن هلال بن عیاض قال حدثنی ابو سعید قال سمعت رسول الله ﷺ یقول لا یخرج الرجلان یضربان الغائط عن عورتهما یتحدثان فان الله عزوجل یمقت علی ذالک. اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد امام ابوداؤد لکھتے ہیں: ''قال ابو داؤد هذا لم یسنده الا عکرمة بن عمار''. (امام ابوداؤد سلیمان بن الاشعث المتوفی ۲۷۵ھ سنن ابوداؤد ص ۳)

خلاصہ یہ ہے کہ امام ابوداؤد نے اس روایت پر اس لیے تفرد کا حکم لگایا ہے کہ اس روایت کو صرف عکرمہ بن عمار نے موصولاً بیان کیا ہے حالانکہ امام ابن دقیق العید نے بیان کیا ہے کہ ابن یزید نے بھی عکرمہ کی متابعت کر کے اس کو موصولاً بیان کیا ہے۔ (علامہ علاؤ الدین بن علی بن عثمان الماردینی الشہیر بابن الترکمانی المتوفی ۷۴۵ھ الجوہر النقی فی ذیل البیہقی ج ۱ ص ۱۰۰) لہٰذا اس روایت میں عکرمہ کا تفرد نہ رہا۔

اسی طرح ایک روایت کے بارے میں امام ابوداؤد نے تفرد کا قول کیا ہے وہ یہ ہے:
حدثنا نصر بن علی عن ابی علی الحنفی عن همام عن ابن جریح عن الزهری عن انس قال کان النبی ﷺ اذا دخل الخلاء وضع خاتمه. اس حدیث کے بارے میں امام ابوداؤد لکھتے ہیں: ''والوهم فیه من همام ولم یروه الا همام''. (امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ سنن ابوداؤد ص ۱۰۹) اس روایت کے بارے میں امام ابوداؤد ہمام کے تفرد کا قول کرتے ہیں حالانکہ امام دارقطنی نے ''کتاب العلل'' میں بیان کیا ہے کہ یحییٰ بن متوکل اور یحییٰ بن خریس نے بھی اس حدیث کی ابن جریج سے روایت کرنے میں ہمام کی متابعت کی ہے۔ لہٰذا اس حدیث کی ابن جریج سے روایت میں تفرد نہ رہا۔ ابن قیم نے یحییٰ بن متوکل پر جرح کی ہے۔ لیکن ابوطیب شمس الحق نے عبداللہ بن مبارک امام احمد بن حنبل اور علی

بن مدینی کی تصریحات سے ثابت کر دیا ہے کہ جو شخص مجروح ہے وہ یحییٰ بن متوکل نام کا ایک اور راوی ہے اس کی کنیت ابوعقیل ہے مزی اور امام ذہبی کا بھی یہی قول ہے۔ نیز ایک طویل بحث کے بعد حاکم نے تصریح کر دی ہے ''هما ثقتان''۔ (شمس الحق عظیم آبادی غایت المقصود ج ا ص ۴۱) کہ یہ دونوں ثقہ راوی ہیں اور جب کہ یہ دو ثقہ راوی اس حدیث میں ہمام کی متابعت کرتے ہیں تو اس حدیث کی روایت میں ہمام کا تفرد نہ رہا۔

اسی طرح ایک اور حدیث امام ابوداؤد نے روایت کی ہے: **حدثنا محمد بن الصباح البزاز نا شریک عن یزید بن ابی زیاد عن عبدالرحمان بن ابی لیلی عن البراء ان رسول اللہ ﷺ کان اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیه الی قریب من اذنیه ثم لا یعود.** اس روایت کے بعد امام داؤد لکھتے ہیں: ''**قال ابو داؤد روی هذا الحدیث هیثم وخالد و ابن ادریس عن یزید لم یذکروا ثم لا یعود**''. (امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ سنن ابوداؤد ص ۱۰۹) یعنی شریک یزید بن ابی زیاد سے ''ثم لایعود'' کی اس روایت میں متفرد ہیں۔ کیونکہ یزید بن ابی زیاد کے دوسرے شاگرد اس سے حدیث میں ''ثم لا یعود'' کے الفاظ کی روایت نہیں کرتے۔ لیکن یہاں بھی حسب سابق امام ابوداؤد نے تساہل سے کام لیا اور تتبع نہیں فرمایا۔ کیونکہ امام ابن عدی نے ''کامل'' میں بیان کیا ہے کہ ہیثم شریک اور ان کے ساتھ ایک جماعت نے یزید بن ابی زیاد سے اس حدیث کی روایت کی ہے اور اس میں ''ثم لایعود'' کے الفاظ موجود ہیں۔ لہٰذا ''ثم لا یعود'' کی روایت میں یزید سے شریک کا تفرد نہ رہا۔ نیز خیال رہے کہ ''ثم لا یعود'' کی روایت میں عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے یزید بھی متفرد نہیں ہے۔ کیونکہ امام طحاوی نے بیان کیا ہے کہ عیسیٰ بن عبدالرحمٰن نے بھی اس حدیث کو عبدالرحمان بن ابی لیلیٰ سے روایت کیا ہے۔ رہا امام ابوداؤد کا یہ کہنا کہ ہیثم اور خالد وغیرہ نے اس حدیث کو یزید سے ''ثم لایعود'' کے بغیر روایت کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ممکن ہے کہ یزید نے پہلے اس حدیث کے صرف بعض حصہ کو روایت کیا ہو اور بعد میں مکمل حدیث بیان کی ہو۔ (حافظ بدرالدین عینی متوفی ۸۵۵ھ عمدۃ القاری ج ۵ ص ۲۷۳)

بہرحال ''ثم لا یعود'' کی زیادتی کے ساتھ اس روایت میں نہ یزید سے شریک منفرد ہے اور نہ ابن ابی لیلیٰ سے یزید متفرد ہے اور امام ابوداؤد کا اس روایت کے بارے میں تفرد کا

قول کرنا تساہل کے سوا کچھ نہیں۔

شروحات

سنن ابوداؤد کی افادیت اور مقبولیت کے پیشِ نظر اس کی متعدد شروح تصنیف کی گئی ہیں۔ چند شروح کے اسماء یہ ہیں:

(۱) معالم السنن:

یہ شرح ابوسلیمان احمد بن محمد ابن ابراہیم الخطابی التوفی ۳۸۸ھ کی تصنیف ہے۔ یہ ایک مبسوط شرح ہے۔ حافظ شہاب الدین ابومحمود احمد ابن محمد مقدسی متوفی ۷۶۵ھ نے اس شرح کا خلاصہ لکھا ہے اور اس کا نام ''عجالۃ العالم من کتاب المعالم'' لکھا ہے۔

(۲) شرح سنن ابی داؤد:

یہ شرح قطب الدین ابوبکر بن احمد الشافعی التوفی ۷۵۲ھ کی تالیف ہے اور چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔

(۳) شرح سنن ابوداؤد:

یہ شرح حافظ علاؤالدین مغلطائی متوفی ۷۶۲ھ کی تصنیف ہے اور نامکمل ہے۔

(۴) شرح الزوائد علی الصحیحین:

یہ شرح شیخ سراج الدین عمر بن علی الشافعی التوفی ۸۰۴ھ کی تالیف ہے۔

(۵) شرح سنن ابوداؤد:

یہ شرح ابوزرعہ احمد بن عبدالرحیم عراقی متوفی ۷۲۶ھ کی شرح ہے اور نامکمل ہے یہ شرح بہت مبسوط انداز پر لکھنی شروع کی گئی تھی صرف سجدہ سہو تک کی شرح سات جلدوں پر مشتمل ہے۔

(۶) شرح سنن ابوداؤد:

یہ شرح حافظ بدرالدین عینی متوفی ۸۵۵ھ کی تالیف ہے۔

(۷) مرقاۃ الصعود الی سنن ابی داؤد:

یہ شرح حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ کی تصنیف ہے۔

(۸) غایت المقصود:

یہ شرح علامہ ابوطیب شمس الحق عظیم آبادی کی ایک مبسوط تالیف ہے، جس کا صرف ایک جزو دستیاب ہے۔

مختصرات

''سنن ابوداؤد'' کا اختصار بھی کیا گیا ہے، اس مختصر کی متعدد شروح لکھی گئی ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) مختصر سنن ابی داؤد:

یہ مختصر الحافظ ذکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری المتوفی ۶۵۶ھ کی تالیف ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے اس مختصر کی شرح لکھی اور اس کا نام ''زھر الربی علی المجتبیٰ'' رکھا۔

(۲) تہذیب السنن:

ابن قیم محمد بن ابی بکر الجوزی المتوفی ۷۵۱ھ نے ''سنن ابوداؤد'' کی تہذیب کی اور اس کی شرح لکھی جس کا نام ''تہذیب السنن'' رکھا۔[۱]

۞۞۞۞۞

[۱] شروح اور مختصرات کی یہ تمام تفصیل حاجی خلیفہ متوفی ۱۰۶۷ھ کی ''کشف الظنون'' ج ۲، ص ۱۰۰۴ تا 1005 سے لی گئی ہے۔

امام نسائی

ائمہ صحاح ستہ میں امام ابوعبدالرحمان نسائی اہم حیثیت رکھتے ہیں۔حافظ ابوعلی نیشاپوری کہتے ہیں کہ میں نے اپنے وطن اور بیرونِ وطن میں صرف چار ائمہ حدیث دیکھے ہیں'نیشاپور میں محمد بن اسحاق اور ابراہیم بن ابی طالب ''مصر'' میں نسائی اور ''اہواز'' میں عبدان' ان کے علاوہ ابوالحسین بن المظفر نے بیان کیا ہے کہ مصر میں ہمارے تمام مشائخ امام نسائی کے تقدم اور ان کی امامت کا اعتراف کرتے تھے اور حافظ علی بن عمر کہتے ہیں کہ امام نسائی علمِ حدیث میں اپنے تمام ہم عصروں پر فائق تھے۔(حافظ ابن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۳۷ تا ۳۸)

حافظ ابن حجر عسقلانی تحریر فرماتے ہیں کہ امام نسائی نقد رجال میں انتہائی محتاط' معتمد اور اپنے تمام معاصرین پر مقدم تھے۔نیز فرماتے ہیں کہ فن رجال میں ماہرین کی ایک جماعت نے امام نسائی کو امام مسلم بن حجاج پر بھی ترجیح دی ہے اور دار قطنی وغیرہ نے ان کو فن اسماء رجال اور دیگر علوم حدیث میں امام الائمہ ابوبکر بن خزیمہ صاحب ''الصحیح'' سے بھی افضل گردانا ہے۔ (حافظ ابن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ ہدی الساری ج ۱ ص ۲۲) الغرض امام نسائی ماہرین علم حدیث کی نظر میں ہمیشہ قابلِ احترام اور شائقین حدیث میں ہمیشہ مقبول رہے۔اسی لگن میں زندہ رہے اور اسی راہ میں فوت ہوئے۔

ولادت وسلسلہ نسب

امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی بن بحر بن سنان بن دینار نسائی ۲۱۵ھ میں ''خراسان'' کے ایک مشہور شہر ''نسا'' میں پیدا ہوئے۔(امام ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۶۹۸) امام نسائی کے سال ولادت میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔لیکن اس باب میں قول فیصل امام نسائی کے قول کو قرار دینا چاہیے اور وہ فرماتے ہیں کہ اشبہ بالحق یہی ہے کہ میرا سال پیدائش ۲۱۵ھ ہے۔حافظ ذہبی اور حافظ عسقلانی کا بھی یہی مختار ہے۔لیکن شاہ عبدالعزیز نے آپ کا سال ولادت ۲۱۴ھ بیان کیا ہے۔

ابتدائی حالات

ابتدائی تعلیم کے بعد پندرہ سال کی عمر میں امام نسائی نے علم حدیث کی تحصیل شروع کی سب سے پہلے وہ قتیبہ بن سعید بلخی کی خدمت میں حاضر ہوئے اوران کی خدمت میں ایک سال دو ماہ رہ کر علم حدیث حاصل کیا۔ (امام ابوعبداللہ ذہبی متوفی ۷۴۸ھ' تذکرۃ الحفاظ ج ۲ص ۶۹۸) بعد ازاں دوسرے اساتذہ حدیث کی طرف رجوع کیا۔

احادیث کے لیے سفر

امام نسائی نے دور دراز شہروں میں جا کرعلمِ حدیث کا اکتساب کیا اور احادیث کی طلب اور روایت کی خاطر متعدد سفر اختیار کیے۔ جن شہروں میں جا کر آپ نے علم حدیث حاصل کیا ان میں حجاز' عراق' شام' خراسان اور مصر خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آپ کا مولد اور وطن خراسان ہے۔ لیکن بعد میں آپ نے ''مصر'' میں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی۔

اساتذہ ومشائخ

امام نسائی نے اپنے وقت کے نادر اور یگانہ روزگار مشائخ سے سماع حدیث کا شرف حاصل کیا جن میں ان حضرات کے اسماء خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں: قتیبہ بن سعید' اسحاق بن راہویہ' ہشام بن عمار' عیسیٰ بن زغبہ' محمد بن نصر مروزی' ابوکریب' سوید بن نصر' محمود بن غیلان' محمد بن بشار' علی بن حجر' ابوداؤد سلیمان بن اشعث اور ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری۔

(امام ابوعبداللہ ذہبی متوفی ۷۴۸ھ' تذکرۃ الحفاظ ج ۲ص ۶۹۸)

تلامذہ

امام نسائی کے تلامذہ کا سلسلہ بھی بہت وسیع ہے۔ متعدد شہروں سے کثیر تعداد میں طلبہ آ کر آپ سے اکتساب فیض کیا کرتے تھے۔ چند تلامذہ کے اسماء یہ ہیں: عبدالکریم بن احمد نسائی' ابوبکر احمد بن محمد بن اسحاق ابن انس' ابوعلی الحسن بن الخضر الاسیوطی' الحسن بن رشیق العسکری' حافظ ابوالقاسم اندلسی' علی بن ابوجعفر طحاوی' ابوبکر بن حداد فقیہ' ابوجعفر عقیلی' ابوعلی بن ہارون' حافظ ابوعلی نیشاپوری' ابوالقاسم طبرانی وغیرہم۔

(شہاب الدین ابن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' تہذیب التہذیب ج ۱ص ۳۷)

شخصیت اور عام حالاتِ زندگی

امام نسائی ملیح رنگ کے نہایت خوبصورت شخص تھے' بے حد توانا اور جسیم تھے ان کے بدن پر عموماً خون کی سرخی دوڑتی رہتی تھی۔ ان کا دسترخوان انواع واقسام کے لذیذ کھانوں سے پر رہتا تھا۔ عام طور پر مرغ وغیرہ بھنوا کر کھایا کرتے تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ کھانے کے بعد نبید پیا کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ خوش وضع اور خوش پوشاک تھے اور انتہائی قیمتی اور عمدہ لباس زیب تن کیا کرتے تھے۔ آپ کی چار بیویاں تھیں اور کنیزوں کی بھی ایک بڑی تعداد آپ کے ساتھ رہتی تھی۔ (الذہبی متوفی ۷۴۸ھ التذکرۃ ج ۲ ص ۶۹۸ تا ۶۹۹)

عبادت وریاضت

امام نسائی بے حد عبادت گزار اور شب بیدار تھے۔ ایک دن روزہ اور ایک دن افطار' صوم داؤدی کے طریقہ کو اپنایا ہوا تھا۔ طبیعت اور مزاج میں حد درجہ استغناء تھا اس لیے حکام کی مجلس سے ہمیشہ احتراز کرتے تھے۔

امام نسائی عقائد میں بھی راسخ اور متصلب تھے۔ جس زمانہ میں معتزلہ کے عقیدہ ''خلق قرآن'' کا چرچا تھا ان دنوں محمد ابن اعین نے ایک مرتبہ عبداللہ بن مبارک سے کہا کہ فلاں شخص کہتا ہے کہ جو شخص آیہ کریمہ ''اننی انا اللہ لا الہ الا انا فاعبدنی'' کو مخلوق مانے وہ کافر ہے عبداللہ بن مبارک نے فرمایا: یہ حق ہے امام نسائی کی کثرت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ حافظ محمد بن مظفر اپنے مشائخ سے روایت کرتے ہیں کہ امام نسائی دن کے وقت میں امیر ''مصر'' کے ساتھ جہاد کرتے اور رات ساری عبادت میں گزار دیتے تھے۔ طبعاً فیاض تھے اور مسلمان قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑایا کرتے تھے۔ انہوں نے ساری زندگی اسوہ رسول کو اپنانے اور اخلاق صالحین کے تخلق میں گزاری۔ یہاں تک کہ ''دمشق'' میں خوارج کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا۔ (امام ابوعبداللہ ذہبی متوفی ۷۴۸ھ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۷۰۰)

تشیع کی بحث

امام نسائی اخیر عمر میں مصر سے دمشق تشریف لے گئے وہاں کے لوگ امیر معاویہ کی شان اور فضیلت میں انتہائی غالی اور حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے حق میں انتہائی متعصب

تھے بلکہ دمشق میں اس وقت اکثریت ہی ان لوگوں کی تھی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں علی الاعلان بدگوئی کیا کرتے تھے۔ امام نسائی نے جب وہاں بدعقیدگی کی یہ فضا دیکھی تو اصلاح عقائد کی غرض سے حضرت علی کے مناقب پر مشتمل ''کتاب الخصائص'' تصنیف فرمائی اس کتاب کی تصنیف سے ان کا مقصد حضرت علی کے فضائل اور مناقب کا احصاء کرنا تھا۔ اس لیے اس میں بعض ایسی روایات بھی آ گئی ہیں جو روایت اور درایت کے اصول پر صحیح نہیں ہیں۔

''خصائص'' کی تصنیف کے بعد امام نسائی نے ''دمشق'' کی جامع مسجد میں لوگوں کے سامنے اس کو پڑھ کر سنایا' چونکہ یہ کتاب وہاں کے لوگوں کے نظریات کے خلاف تھی اس لیے اس کتاب کو سن کر وہاں کے لوگ مشتعل ہو گئے۔ مجمع سے کسی شخص نے کہا: ہمیں آپ کوئی ایسی روایت سنائیں جس میں حضرت معاویہ کی فضیلت بیان کی گئی ہو۔ امام نسائی نے کہا: کیا معاویہ اس پر راضی نہیں ہیں کہ ان کا معاملہ برابر برابر ہو جائے چہ جائیکہ ان کی فضیلت بیان کی جائے؟ (امام نسائی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے' حضرت معاویہ کے فضائل میں بہت احادیث ہیں)۔

اس بات کا سننا تھا کہ وہ لوگ آگ بگولہ ہو گئے اور تمام آداب کو بالائے طاق رکھ کر انہوں نے آپ کو زدوکوب کرنا شروع کر دیا۔ اس حادثہ میں آپ کو شدید ضربات پہنچیں بعض اشقیاء نے آپ کے جسم کے نازک حصوں پر بھی لاٹھیاں ماریں جس کی وجہ سے آپ بہت نڈھال اور بے حال ہو گئے۔ (امام ابوعبداللہ ذہبی متوفی ۷۴۸ھ' تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۶۹۹ تا ۷۰۰)

یہ ہے وہ قضیہ جس کی بناء پر بعض لوگوں نے آپ کو رفض کی طرف منسوب کر دیا' حالانکہ اس الزام سے آپ کو دُور کا علاقہ بھی نہیں تھا۔ بعض لوگوں نے اس باب میں ''ابن خلکان'' کی اس عبارت سے دھوکہ کھایا ہے: ''وکان یتشیع'' (وہ تشیع کرتے تھے)۔ (قاضی شمس الدین احمد بن محمد المعروف بابن خلکان' متوفی ۶۸۱ھ' وفیات الاعیان ج ۱ ص ۳۵) علامہ ابن خلکان نے امام نسائی کے لیے ''تشیع'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور تشیع اور رفض میں بہت فرق ہے اس کی تحقیق کے لیے علامہ ابن حجر کا یہ کلام ملاحظہ فرمائیے:

فالتشیع فی عرف المتقدمین	متقدمین کی اصطلاح میں حضرت علی کو
ھو اعتقاد تفضیل علی علی عثمان	حضرت عثمان پر فضیلت دینے کو ''تشیع'' کہتے
وان کان علیا مصیبا فی حروبہ وان	ہیں جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام

مخالفه مخطی مع تقدیم الشیخین وتفضیلهما الی ان قال واما التشیع فی عرف المتاخرین فهو الرفض المحض.

جنگوں میں حق پر اور ان کے مخالف کو خطا کار مانا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر شیخین کے تقدم اور ان کی فضیلت کو بھی مانا جائے اور متاخرین کی اصطلاح میں "تشیع" محض رفض کو کہتے ہیں۔

(قاضی شمس الدین احمد بن محمد المعروف بابن خلکان متوفی ۶۸۱ھ وفیات الاعیان ج ا ص ۳۵)

نیز علامہ عسقلانی اسی موضوع پر بحث کرتے ہوئے "مقدمہ فتح الباری" میں لکھتے ہیں:

والتشیع محبة علی وتقدیمه علی الصحابة فمن قدمه علی ابی بکر وعمر فهو غال فی تشیعه ویطلق علیه رافضی والا فشیعی' فان انضاف الی ذالک السب والتصریح بالبغض فغال فی الرفض.

حضرت علی کی محبت اور انہیں صحابہ سے افضل جاننے کو "تشیع" کہتے ہیں۔ پس جو شخص انہیں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سے بھی افضل جانے وہ غالی شیعہ ہے جس کو رافضی کہتے ہیں ورنہ وہ شیعی ہے اور اگر وہ شیخین کو سب وشتم بھی کرے یا ان سے بغض ظاہر کرے تو وہ غالی رافضی ہے۔

(شہاب الدین ابن حجر العسقلانی' التوفی ۸۵۲ھ تہذیب التہذیب ج ا ص ۹۷)

خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین سے افضل جانے وہ رافضی اور جو ان کو حضرت عثمان سے افضل جانے وہ شیعی ہے۔ لیکن امام نسائی کی تصانیف سے یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ وہ حضرت علی کو شیخین یا حضرت عثمان پر فضیلت دیتے ہوں' انہوں نے اپنی "کتاب السنن" میں بیعت حضرت ابوبکر کے وقت حضرت عمر کا یہ فرمان روایت کیا ہے:

الستم تعلمون ان رسول الله ﷺ قدا مرا بابکران یصلی بالناس فایکم تطیب نفسه ان یتقدم ابابکر قالوا نعوذ بالله ان نتقدم ابابکر. (امام ابوعبدالرحمان نسائی' متوفی ۳۰۳ھ سنن نسائی ج ا ص ۷۹) (حضرت عمر نے سقیفہ بنو ساعدہ میں مہاجرین اور انصار کے اجتماع سے خطاب کر کے فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر کو امامت کرانے کا حکم دیا پھر تم میں سے کون ابوبکر پر مقدم ہونا چاہتا ہے؟ ان سب نے یک زبان ہو کر کہا: ہم

ابوبکر پر مقدم ہونے سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ امام نسائی کی اس روایت کے ہوتے ہوئے ان کی طرف تشیع کی نسبت کیسے صحیح ہوسکتی ہے؟ خصوصاً جب کہ انہوں نے باقی صحابہ کے فضائل بھی تصنیف کیے ہیں۔ چنانچہ ان کے شاگرد محمد بن موسیٰ مامونی فرماتے ہیں:

سمعت قدما ینکرون علی ابی عبد الرحمان کتاب الخصائص لعلی رضی الله عنه وترکه تصنیف فضائل الشیخین فذکرت له ذالک فقال دخلت دمشق والمنحرف عن علی بها کثیر فصنفت کتاب الخصائص رجوت ان یهدیهم الله ثم انه صنف بعد ذالک فضائل الصحابة. (ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی، متوفی ۷۴۸ھ، تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۹۹)

مجھے معلوم ہے کہ بعض لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل لکھنے اور فضائل شیخین پر کچھ نہ لکھنے کی وجہ سے امام ابو عبدالرحمان نسائی کا انکار کرتے ہیں۔ تو میں نے اس مسئلہ پر امام نسائی سے گفتگو کی انہوں نے فرمایا: جب میں دمشق گیا تو وہاں اکثر لوگوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منحرف پایا۔ پس میں نے ''کتاب الخصائص'' اس توقع سے تصنیف کی کہ وہ لوگ راہ راست پر آجائیں (مامونی کہتے ہیں:) اس کے بعد انہوں نے باقی صحابہ کے فضائل بھی تصنیف کیے۔

اس اقتباس سے ثابت ہوا کہ امام نسائی حسبِ مراتب تمام صحابہ کے فضائل کے معتقد تھے البتہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت میں شدت کی وجہ سے ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان کا تشیع کی طرف میلان تھا۔ اسی وجہ سے ابنِ کثیر نے لکھا ہے: ''وقد قیل عنه انه کان ینسب الی شي من التشیع'' (کہا گیا ہے کہ وہ کچھ تشیع کی طرف مائل تھے)۔

(الحافظ عماد الدین المعروف بابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ، البدایہ والنہایہ فی التاریخ ج ۱۱ ص ۱۲۴)

تصانیف

امام نسائی نے کثرتِ مشاغل کے باوجود متعدد کتب تصنیف کی ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:
(۱) السنن الکبریٰ (۲) المجتبیٰ (۳) خصائص علی (۴) مسند علی (۵) مسند مالک (۶) مسند منصور

(۷) فضائل الصحابۃ (۸) کتاب التمیز (۹) کتاب المدلسین (۱۰) کتاب الضعفاء (۱۱) کتاب الاخوۃ (۱۲) کتاب الجرح والتعدیل (۱۳) مشیخۃ النسائی (۱۴) اسماء الرواۃ (۱۵) مناسک حج۔

وفات

امام نسائی نے جب ''دمشق'' کی مسجد میں ''خصائص علی'' کا اقتباس سنایا اور لوگوں نے آپ کو زدوکوب کیا تو خدام اٹھا کر آپ کو گھر لے آئے' آپ نے فرمایا کہ مجھے فوراً مکہ معظمہ پہنچا دو تاکہ مکہ یا اس کے راستہ میں میرا انتقال ہو جائے۔ چنانچہ مکہ معظمہ پہنچنے پر ۱۳ صفر ۳۰۳ھ کو آپ کا انتقال ہو گیا۔ وصال کے بعد صفا اور مروہ کے درمیان آپ کو دفن کر دیا گیا اور بعض روایات کے مطابق مکہ جاتے ہوئے راستہ میں رملہ (فلسطین) کے مقام پر آپ کا وصال ہو گیا اور وہاں سے آپ کی نعش مکہ معظمہ پہنچائی گئی۔ (شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی' متوفی ۱۲۲۹ھ' بستان المحدثین ص ۲۹۸) حافظ ذہبی کے قول کے مطابق یہی بات صحیح ہے۔

سنن نسائی

امام نسائی کی ''سنن'' کتب صحاح ستہ میں انتہائی اہم حیثیت رکھتی ہے۔امام نسائی نے اپنی کتاب میں عام طور پر صحیح الاسناد روایات بیان کی ہیں حافظ سیوطی ''زہر الربیٰ'' میں لکھتے ہیں کہ امام نسائی نے فرمایا کہ ''کتاب السنن'' کی اکثر احادیث صحیح ہیں البتہ بعض احادیث معلول ہیں اور جس انتخاب کا نام مجتبیٰ رکھا گیا ہے اس کی کل احادیث صحیح ہیں۔[1] بعض مشاہیر علماء نے بیان کیا ہے کہ ''سنن نسائی'' امام بخاری اور امام مسلم دونوں کے طریقوں کی جامع ہے۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب افادیت میں ان کی کتابوں سے بڑھ کر ہے۔کیونکہ امام نسائی نے اپنی ''سنن'' میں صرف روایات کو جمع ہی نہیں کیا بلکہ علل حدیث اور دیگر فنون حدیث کا بھی بیان فرمایا ہے۔حافظ ابو عبداللہ بن رشید فرماتے ہیں کہ علمِ حدیث میں جس قدر کتابیں تالیف ہوئی ہیں' یہ کتاب تصنیف کے لحاظ سے ان سب سے بہتر اور ترتیب کے اعتبار سے سب سے اعلیٰ ہے خصوصیات کے لحاظ سے یہ ''بخاری'' اور ''مسلم'' کے اسلوب کی جامع اور بیان علل میں یہ ان سے منفرد اور ممتاز ہے۔(حافظ شمس الدین سخاوی' متوفی ۹۰۲ھ' فتح المغیث ص ۱۲)

حافظ سیوطی لکھتے ہیں کہ امام ابوالحسن نے کہا ہے کہ جب تم محدثین کی روایات پر نظر ڈالو گے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ جس حدیث کا امام نسائی اخراج کرتے ہیں وہ باقی محدثین کے اخراج کی بہ نسبت صحت کے زیادہ قریب ہوتی ہے۔(حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' مقدمہ زہر الربیٰ ص ۳۰) بعض مغاربہ ''سنن نسائی'' کو ''صحیح بخاری'' پر ترجیح دیتے ہیں چنانچہ حافظ سخاوی فرماتے ہیں کہ بعض مغربی محدثین نے تصریح کی ہے کہ امام نسائی کی کتاب امام بخاری کی ''صحیح'' سے زیادہ بہتر ہے۔(حافظ شمس الدین سخاوی' متوفی ۹۰۲ھ' فتح المغیث ص ۱۲) اور محدث ابن احمر نے اپنے بعض مشائخ سے یہاں تک روایت کیا ہے کہ ''سنن نسائی'' علم حدیث کی تمام مصنفات میں سب سے افضل ہے اور کتب اسلامیہ میں ''سنن نسائی'' اپنی نظیر نہیں رکھتی۔

(حافظ شمس الدین سخاوی' متوفی ۹۰۲ھ' فتح المغیث ص ۱۲)

---

[1] امام نسائی کا یہ قول تقریب پر محمول ہے ورنہ ''المجتبیٰ'' میں بھی شاذ' منکر اور معلل روایات موجود ہیں۔منہ

تسمیہ اور سبب تالیف

امام نسائی نے ابتداء میں حدیث کی ایک مبسوط کتاب تالیف کی جس کا نام ''سنن کبریٰ'' رکھا' سید جمال الدین فرماتے ہیں کہ یہ ایک عظیم کتاب ہے اور طرق حدیث کے جمع اور بیان مخرج میں آج تک اس کتاب کی کوئی نظیر سامنے نہیں آئی۔ (محدث ملا علی قاری' متوفی ۱۰۱۴ھ' مرقاۃ المفاتیح ج اص ۲۵) امام نسائی نے تالیف کے بعد امیر رملہ (فلسطین) کے سامنے اس کتاب کو پیش کیا' امیر نے پوچھا: کیا آپ کی اس کتاب میں تمام احادیث صحیح ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں' اس میں صحیح اور حسن دونوں قسم کی احادیث موجود ہیں۔ امیر نے عرض کیا کہ آپ اس کتاب میں سے میرے لیے ان احادیث کو منتخب فرمادیں جو تمام تر صحیح ہوں۔ لہٰذا امیر کی اس فرمائش پر آپ نے ''سنن کبریٰ'' میں سے احادیث صحیحہ کا انتخاب فرمایا اور وہ احادیث جن کی اسانید میں کلام کیا گیا تھا اس مجموعہ سے خارج کر دیں اور اس انتخاب کا نام انہوں نے ''المجتبیٰ'' رکھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ نام ''المجتنیٰ'' ہے بہرحال ان دونوں لفظوں میں معنیً مقاربت ہے' مجتبیٰ کے معنی منتخب کے ہیں اور مجتنیٰ اجتناء سے ماخوذ ہے جس کے معنی درخت سے پختہ میوے چننے کے ہیں' اس کتاب کو ''سنن صغریٰ'' بھی کہتے ہیں اور عرف عام میں یہ ''سنن نسائی'' کے نام سے مشہور ہے اور جب محدثین مطلقاً ''رواہ النسائی'' کہتے ہیں تو اس سے ان کی مراد یہی کتاب ہوتی ہے۔ اسی طرح جب مطلقاً کتب ستہ یا اصول ستہ کہیں تو ان کتب ستہ میں یہی کتاب معتبر ہوتی ہے۔ (شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی' متوفی ۱۲۲۹ھ' بستان المحدثین ص ۲۹۷) اور اطلاقات محدثین میں ''سنن کبریٰ'' کا اعتبار نہیں ہوتا۔

مصنف ''سنن نسائی'' کی تحقیق

تمام علماء اور محققین کے نزدیک یہ امر معروف اور محقق ہے کہ ''کتاب السنن'' امام نسائی کی تصنیف ہے۔ اس کے برخلاف حافظ ذہبی نے یہ کہا ہے کہ یہ کتاب امام نسائی کے شاگرد ابن السنی کی تصنیف ہے۔ کیونکہ انہوں نے ہی ''سنن کبریٰ'' کا اختصار کیا اور اس کا نام ''المجتبیٰ'' رکھا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ''بل المجتبی اختصار ابنِ السنی تلمیذ النسائی''۔ (علامہ محمد بن اسماعیل امیر یمانی' توضیح الافکار ج اص ۲۲۱) اور محققین اس تحقیق میں ان کا ساتھ نہیں دیتے۔ کیونکہ ابنِ اثیر نے ''جامع الاصول'' میں' حاجی خلیفہ نے ''کشف الظنون'' میں اور حافظ سیوطی'

ملاعلی قاری، شیخ عبدالحق اور شاہ عبدالعزیز وغیرہم نے اپنی اپنی تصانیف میں امیر ''رملہ'' کی فرمائش کا واقعہ بیان کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ امام نسائی نے خود اس کتاب کا ''سنن کبریٰ'' سے اختصار کیا ہے۔ نیز حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام نسائی کو ''تہذیب التہذیب'' میں صاحب ''کتاب السنن'' کے نام سے تعبیر کیا ہے اور ابن السنی کے ساتھ امام نسائی کے نوشاگردوں کا ذکر کیا ہے جو امام نسائی سے ''کتاب السنن'' کی روایت کرتے ہیں۔ (حافظ ابن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ، تہذیب التہذیب ج۱ ص ۳۷) اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ''کتاب السنن'' کے بارے میں امام نسائی خود فرماتے ہیں کہ ''**کتاب السنن صحیح کله**''۔ (امام جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، مقدمہ زہر الربیٰ ص ۳۵) اس تفصیل کے بعد اس بات میں شک کرنے کی گنجائش نہیں رہتی کہ یہ کتاب خود امام نسائی کی تالیف ہے۔

اسلوب

امام نسائی نے اپنی اس تصنیف کی ترتیب اور تالیف میں جو اسلوب اختیار کیا ہے وہ اکثر کتب صحاح کے اسالیب کا جامع ہے۔ انہوں نے امام بخاری کی طرح ایک حدیث کو متعدد ابواب میں ذکر کر کے اس سے مختلف مسائل کا اثبات کیا ہے۔ امام مسلم کے طرز پر ایک حدیث کے تمام طرق کو اختلاف الفاظ کے ساتھ روایت کر کے ایک جگہ جمع کیا ہے۔ امام ابوداؤد کے انداز پر صرف احکام فقہیہ سے متعلق احادیث کی تدوین کی ہے اور امام ترمذی کی طرح احادیث کے ذیل میں ان پر فنی نقطہ نگاہ سے گفتگو کی ہے۔ اس کے علاوہ اس کتاب میں اور بھی بہت سی خوبیاں ہیں جن میں سے چند کا ذکر مع امثلہ کیا جاتا ہے:

(۱) امام بخاری کی طرح امام نسائی بھی ایک حدیث کو متعدد مسائل کے اثبات کے لیے مختلف ابواب کے تحت ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً اسامۃ بن عمیر سے ایک روایت ہے: **ان الله عزوجل لا يقبل صلوٰة بغير طهور ولا صدقة من غلول**، اس حدیث کو امام نسائی نے ''کتاب الطہارۃ'' میں بھی ذکر کیا ہے اور ''کتاب الزکوٰۃ'' میں بھی۔ اسی طرح ضمام بن ثعلبہ کی وہ روایت جس میں اس نے حضور ﷺ سے ارکان اسلام دریافت کیے ہیں اس کو امام نسائی نے ''کتاب الصلوٰۃ'' کے ''**باب کم فرضت فی الیوم واللیلہ**'' اور ''کتاب الایمان'' میں ''باب الزکوٰۃ'' کے تحت ذکر کیا۔ نیز حدیث جبرئیل کو ''**کتاب الایمان**'' کے باب ''نعت

الایمان'' اور ''باب صفت الایمان و السلام'' میں ذکر کیا ہے۔

(۲) ایک حدیث جس قدر طرق اور اسانید سے مروی ہو امام نسائی اس حدیث کو اختلاف الفاظ کے ساتھ ان تمام طرق سے ایک جگہ جمع کر دیتے ہیں جیسا کہ امام مسلم کا طریقہ ہے۔ لیکن امام نسائی میں یہ خوبی زائد ہے کہ وہ تمام طرق ذکر کرنے کے بعد بسا اوقات ان طرق میں جو اسانید مجروح ہوں ان کی نشاندہی کر دیتے ہیں اور بسا اوقات ان طرق کے درمیان محاکمہ کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ ان میں سے کون سا طریقہ صحیح اور کون سا مبنی برخطا ہے؟ اور اگر تمام اسانید صحیح ہوں تو بتلاتے ہیں کہ ان میں سے اصح اور ارجح کون سی اسناد ہے؟ مثلاً امام نسائی ''باب النھی عن التبتل '' کے تحت وہ حدیث لائے جس میں حضور علیہ السلام نے تجرد سے منع فرمایا ہے۔ اس حدیث کو انہوں نے پانچ طرق سے ذکر کیا ہے جن میں سے تین طرق پر جرح کی ہے ایک روایت اسماعیل بن مسعود کی ہے جس کی سند میں اشعث ہے دوسری روایت اسحاق بن ابراہیم کی ہے جس کی سند میں قتادہ ہے فرماتے ہیں: قتادہ اشعث سے زیادہ احفظ اور اشعث اثبت ہے مگر اشعث کی حدیث اشبہ بالصواب ہے۔ تیسری روایت یحیٰی بن موسیٰ کی ہے اس کی سند میں اوزاعی ہیں جو زہری سے روایت کرتے ہیں۔ امام نسائی فرماتے ہیں کہ اوزاعی کا زہری سے سماع ثابت نہیں ہے۔ اسی طرح ''باب التوقیت فی الخیار'' کے تحت وہ حدیث لائے ہیں جس میں حضور علیہ السلام نے حضرت عائشہ کو اختیار دیا تھا کہ وہ تنگی گزران کی وجہ سے حضور کو چھوڑ دیں یا اس کے باوجود حضور علیہ السلام کے نکاح میں رہیں' اس حدیث کو انہوں نے دو سندوں کے ساتھ ذکر کیا ہے' پہلی سند ''یونس بن عھد عن ابن وھب عن موسیٰ بن علی '' ہے اور دوسری سند ''محمد بن عبدالاعلیٰ عن محمد بن ثور عن معمر '' ہے۔ ان دونوں سندوں کے ساتھ حدیثوں کو ذکر کرنے کے بعد دوسری حدیث کے متعلق لکھتے ہیں: ''قال ابو عبد الرحمان ھذا خطاء والاول اولیٰ بالصواب ''. (امام ابوعبدالرحمان نسائی متوفی ۳۰۳ھ' سنن نسائی ج ۲ ص ۸۶)۔ اسی طرح مردار جانور کی کھال کے استعمال کے جواز میں حدیث ''ان لا تنتفعوا من المیتة باھاب '' کو انہوں نے ''باب جلود المیتة '' میں اختلاف الفاظ کے ساتھ چار اور طرق سے ذکر کیا ہے۔ اسی طرح اس حدیث کو انہوں نے اٹھارہ طرق سے ذکر کیا ہے' اس کے بعد ان اٹھارہ طرق کے درمیان

محاکمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:''قال ابو عبدالرحمان اصح مافی هذا الباب فی جلود والمیتة اذا دبغت حدیث الزهری عن عبید الله بن عبدالله عن ابن عباس عن میمونة''۔ (امام ابوعبدالرحمان نسائی' متوفی ۳۰۳ھ' سنن نسائی ج ۲ص ۱۶۹)۔یعنی ان اٹھارہ حدیثوں میں جو صحیح ترین حدیث ہے وہ زہری کی ''عن عبید الله بن عبدالله عن ابن عباس عن میمونة'' ہے اور وہ حدیث یہ ہے:''ان النبی ﷺ مر علی شاة میتة ملقاة فقال لمن هذا فقالوا لمیمونة فقال ما علیها لو انتفعت باها بها قالوا انها میة فقال انما حرم الله عزوجل اکلها۔

(امام ابوعبدالرحمان نسائی' متوفی ۳۰۳ھ' سنن نسائی ج ۲ص ۱۶۸)

(۳) بعض مرتبہ ایک حدیث سند غریب سے مرفوعا مروی ہوتی ہے اور سند مشہور کے لحاظ سے وہ حدیث موقوف ہوتی ہے۔ایسی صورت میں امام نسائی اس کی غرابت اور وقف کا بیان کر دیتے ہیں مثلاً روایت کرتے ہیں: ان قتیبة بن سعید عن مالک عن عمرو بن یحیی عن سعید بن یسار عن ابن عمر قال رایت رسول الله ﷺ یصلی علی حمار وهو متوجه الی خیبر. اس کے بعد امام نسائی لکھتے ہیں:''قال ابو عبدالرحمان لانعلم احدا تابع عمرو بن یحییٰ عن قوله یصلی علی حمار وحدیث یحییٰ بن سعید عن انس الصواب موقوف. (امام ابوعبدالرحمان نسائی' متوفی ۳۰۳ھ' سنن نسائی ج ۱ص ۷۶) یعنی اس حدیث کے رفع میں عمرو بن یحییٰ متفرد ہیں اور اصل میں یہ حدیث موقوف ہے۔

(۴) بعض اوقات ایک حدیث مضطرب المتن ہوتی ہے یعنی راوی ایک حدیث کے متن کو دوسری حدیث کے متن میں ملا دیتا ہے ایسی صورت میں امام نسائی اس کی وضاحت کر دیتے ہیں۔مثلاً انہوں نے ایک روایت ذکر کی ہے:''عن عائشة قالت ما لعن رسول الله ﷺ من لعنة تذکر وکان اذا کان قریب عهد بجبرئیل علیه السلام یدار اسه کان اجود بالخیر من الریح المرسلة''. دراصل یہ الگ الگ حدیثیں ہیں جن کو راوی نے ملا دیا ہے۔امام نسائی لکھتے ہیں:''قال ابو عبدالرحمان هذا خطاء وادخل هذا حدیثا فی حدیث''. (امام ابوعبدالرحمان نسائی' متوفی ۳۰۳ھ' سنن نسائی ج ۱ص ۲۱۳)

(۵) بعض اوقات ایک حدیث فی نفسہ مشہور ہوتی ہے' لیکن بعض الفاظ کے لحاظ سے اس کو

غریب قرار دیا جاتا ہے' ایسی شکل میں امام نسائی اُس کی غرابت کا بیان کر دیتے ہیں۔ مثلاً وہ روایت کرتے ہیں: اخبرنا علی بن حجر اخبرنا علی بن مسهر عن الاعمش عن ابی رزین وابی صالح عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ اذا ولغ الكلب فی اناء احدكم فليرقه فليغسله سبع مرات. (امام ابوعبدالرحمان نسائی' متوفی ۳۰۳ھ' سنن نسائی ج ۱ ص ۱۰) اس حدیث میں صرف علی بن مسہر نے "فليرقه" کے الفاظ کی روایت کی ہے۔ دوسرے راوی اس کی متابعت نہیں کرتے اس لیے امام نسائی فرماتے ہیں: "قال ابو عبد الرحمان لا اعلم احدا تابع علی بن مسهر علی قوله فليرقه"۔

(۶) جو حدیث شاذ اور غیر محفوظ ہو اس کی تصریح کر دیتے ہیں مثلاً حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں۔ ان رسول الله ﷺ رای عليها مسكتی ذهب الحديث. (امام ابوعبدالرحمان نسائی' متوفی ۳۰۳ھ' سنن نسائی ج ۲ ص ۲۴۵) اس کے بعد فرماتے ہیں: "قال ابو عبد الرحمان هذا حديث منكر" (امام ابوعبدالرحمان نسائی' متوفی ۳۰۳ھ' سنن نسائی ج ۲ ص ۸۲) یعنی یہ حدیث منکر ہے۔

(۷) بعض اوقات ایک حدیث کسی راوی سے موصولاً ذکر کرتے ہیں۔ لیکن وہ روایت درحقیقت مرسل ہوتی ہے ایسی صورت میں امام نسائی اس کا ذکر کر دیتے ہیں۔ مثلاً وہ روایت کرتے ہیں: **اخبرنا** محمد بن وهب قال حدثنا محمد بن سلمة عن ابی عبدالرحيم قال حدثنی زيد بن ابی انيسة عن طلحة بن مصرف عن يحيی عن سعيد عن انس بن مالك قال قدم اعراب من عرينة الی النبی ﷺ الحديث. اس کے بعد امام نسائی لکھتے ہیں: "قال ابو عبد الرحمن لا نعلم احدا قال عن يحيی بن انس فی هذا الحديث غير طلحة والصواب عندی والله اعلم يحيی عن سعيد بن المسيب مرسل". (امام ابوعبدالرحمان نسائی' متوفی ۳۰۳ھ' سنن نسائی ج ۱ ص ۳۳) یعنی اس حدیث کے تمام طرق میں صرف طلحہ نے "عن يحيی عن سعيد عن انس" روایت کر کے اس کو موصول قرار دیا اور درحقیقت یہ حدیث سعید بن المسیب سے مرسلاً مروی ہے۔

(۸) امام نسائی حدیث مرسل اور منقطع میں کوئی فرق نہیں کرتے اور حدیث منقطع پر بھی مرسل کا اطلاق کر دیتے ہیں۔ مثلاً وہ روایت کرتے ہیں: **اخبرنا** اسحاق بن ابراهيم قال

حدثنا نصر بن محمد المروزی ثقة قال حدثنا العلاء بن المسیب عن عمرو بن مرة عن طلحه بن یزید الانصاری عن حذیفة انه صلی مع رسول الله ﷺ فی رمضان فرکع فقال فی رکوعه سبحان ربی العظیم مثل ما کان قائما الحدیث. اس حدیث کوذکر کرنے کے بعد امام نسائی لکھتے ہیں: ''**قال ابوعبدالرحمان هذا الحدیث عندی مرسل وطلحة بن یزید لا اعلم سمع من حذیفة وغیر العلاء بن المسیب قال فی هذا الحدیث عن طلحة عن رجل عن حذیفة**''۔

(امام ابوعبدالرحمان نسائی' متوفی ۳۰۳ھ' سنن نسائی ج اص ۱۷۲) خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث میں طلحہ اور حذیفہ کے درمیان ایک اور شیخ کا واسطہ ہے جس کا دوسرے راوی ذکر کرتے ہیں مگر طلحہ نے اس کا ذکر نہیں کیا اس لیے یہ حدیث منقطع قرار پائی اور امام نسائی نے اس کو مرسل کہا ہے۔ خیال رہے کہ امام نسائی کا حدیث منقطع پر مرسل کا اطلاق کرنا بعض محدثین کے مذہب کے مطابق ہے۔ کیونکہ بہت سے محدثین مثلاً امام ابوزرعہ' ابوحاتم اور دارقطنی وغیرہ حدیث مرسل اور منقطع میں فرق نہیں کرتے۔

(۹) بعض دفعہ شیخ کی بیان کی ہوئی سند میں کسی راوی کا نام صحیح نہیں ہوتا تو حدیث ذکر کرنے کے بعد امام نسائی راوی کی اصلاح کر دیتے ہیں۔ مثلاً روایت کرتے ہیں: **اخبرنا سوید بن نصر قال اخبرنا عبدالله وهو ابن مبارک عن شعبة عن مالک عن عرفطة عن عبد خیر عن علی انه اتی بکرسی فقعد علیه ثم دعا بتور فیه ماء الحدیث.** اس حدیث کا ذکر کرنے کے بعد امام نسائی لکھتے ہیں۔ **قال ابو عبد الرحمان هذا خطاء والصواب خالد بن علقمة لیس مالک بن عرفطة.** (امام ابوعبدالرحمان نسائی' متوفی ۳۰۳ھ' سنن نسائی ج اص ۱۳) یعنی سند حدیث میں جس راوی کا نام مالک بن عرفطہ ذکر کیا گیا ہے اس کا نام اصل میں خالد بن علقمہ ہے۔

(۱۰) اگر کسی حدیث کی سند میں کوئی غریب راوی آ جائے تو اس کی نشاندہی کر دیتے ہیں مثلاً روایت کرتے ہیں: **اخبرنا بشر بن خالد العسکری قال حدثنا عند اقال حدثنا شعبة عن سلیمان و منصور وحماد ومغیرة وابی ها شم عن ابی وائل عن عبدالله عن النبی ﷺ قال فی التشهد التحیات لله الحدیث.** اس کے بعد

لکھتے ہیں: "قال ابو عبدالرحمان ابو هاشم غريب".

(امام ابوعبدالرحمان نسائی' متوفی ۳۰۳ھ' سنن نسائی ج۹ ص ۱۲۸)

(۱۱) بعض اوقات سند حدیث میں کوئی راوی قوی نہیں ہوتا تو اس کا تعین کر دیتے ہیں۔ مثلاً روایت کرتے ہیں: **اخبرنا** احمد بن نصر قال حدثنا يحيى بن ابی بكير قال حدثنا ابو جعفر الرازی عن محمد بن المنكدر عن سعيد بن عائشة ان رسول الله ﷺ قال فذكر نحو. اس کے بعد لکھتے ہیں: "قال ابو عبد الرحمان ابو جعفر الرازی ليس بالقوی فی الحديث "یعنی اس سند میں ابو جعفر نام کا ایک راوی ہے جو قوی نہیں ہے۔ (امام ابوعبدالرحمان نسائی' متوفی ۳۰۳ھ' سنن نسائی ج۱ ص ۱۸۳)

(۱۲) اسی طرح اگر سند میں کوئی راوی ضعیف ہو تو اس کی نشاندہی کر دیتے ہیں۔ مثلاً روایت کرتے ہیں: **اخبرنا** محمد بن عبدالله بن المبارک قال حدثنی يحيى بن اسحاق قال حدثنا محمد بن سلمان عن سهيل عن بن ابی صالح عن ابيه عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال من صلی فی يوم ثنتی عشرة ركعة الحديث. اس کے بعد لکھتے ہیں: "قال ابو عبدالرحمان هذا خطاء ومحمد بن سليمان ضعيف و هو ابن الاصبهانی. یعنی اس سند میں محمد بن سلیمان نام کا ایک ضعیف راوی ہے۔ (امام ابوعبدالرحمان نسائی' متوفی ۳۰۳ھ' سنن نسائی ج۱ ص ۱۸۵)

(۱۳) اگر ایک نام کے دو راوی ہوں اور ان میں سے ایک راوی ضعیف اور دوسرا قوی ہو تو اس کا بیان کر دیتے ہیں۔ مثلاً روایت کرتے ہیں: اخبرنا محمد بن عبدالله بن بزيع قال ثنا بشر يعنی ابن المفضل قال اخبرنا عبدالرحمان بن اسحاق عن الزهری عن سهل بن سعد قال رايت مروان بن الحكم جالسا الحديث. اس کے بعد لکھتے ہیں: "قال ابو عبدالرحمان عبدالرحمان بن اسحاق هذا ليس به باس وعبدالرحمان بن اسحاق يروی عنه علی بن مسهرو ابو معاوية وعبدالواحد بن زياد عن النعمان بن سعد ليس بثقة ". (امام ابوعبدالرحمان نسائی' متوفی ۳۰۳ھ' سنن نسائی' ج۲ ص ۴۳) یعنی عبدالرحمان بن اسحاق نام کے دو راوی ہیں۔ ایک وہ جن سے بشر بن مفضل اور ابراہیم بن طہمان روایت کرتے ہیں یہ قوی راوی ہیں اور اس حدیث میں انہیں سے روایت

ہے اور ایک عبدالرحمان بن اسحاق وہ ہیں جن سے علی بن مسہر اور ابو معاویہ وغیرہ روایت کرتے ہیں یہ ضعیف راوی ہیں۔

(۱۴) بعض دفعہ کسی راوی میں کوئی ابہام ہوتا ہے تو اس کی کسی صفت کا ذکر کر کے اس ابہام کا ازالہ کر دیتے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ اثناء سند میں محمد بن ابراہیم کا ذکر کیا پھر اخیر میں اس کی وضاحت کی کہ وہ ابوبکر بن ابی الشیبہ کے والد ہیں لہٰذا لکھتے ہیں: ''**قال ابو عبد الرحمان محمد بن ابراهيم والد ابی بکر بن ابی شيبة**''.

(امام عبدالرحمان نسائی' متوفی ۳۰۳' سنن نسائی ج ا ص ۱۷۵)

(۱۵) بسا اوقات امام نسائی حدیث کے راویوں کے مراتب اور ایک استاذ کے متعدد شاگردوں کے درجات کا بھی تعین کرتے ہیں۔ مثلاً انہوں نے وتر کے بعد ذکر بالجہر کے جواز پر یہ روایت ذکر کی: **فاذا اراد ان ینصرف قال سبحان الملک القدوس ثلثا یرفع بها صوته.** اس روایت کو اختلاف الفاظ کے ساتھ انہوں نے پانچ طرق سے ذکر کیا ہے۔ اوّلاً: یہ روایت قاسم بن یزید سے ثانیاً: محمد بن عبید سے اور ثالثاً: ابونعیم سے ذکر کی ہے۔ پھر ان تینوں طرق کے مراتب کا فرق بیان کیا ہے فرماتے ہیں: ''**قال ابو عبدالرحمان ابو نعیم اثبت عندنا من محمد بن عبید ومن قاسم بن یزید**'' یعنی پہلے دو راویوں کی نسبت ابونعیم راجح ہے اور ابونعیم سفیان سے روایت کرتے ہیں' اس لیے سفیان کے شاگردوں میں ابونعیم کی حیثیت متعین کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''**واثبت اصحاب سفیان عندنا والله اعلم یحیی بن سعید القطان ثم عبدالله بن المبارک ثم وکیع بن الجراح ثم عبدالرحمان بن مهدی ثم ابو نعیم**''.

(امام عبدالرحمان نسائی' متوفی ۳۰۳' سنن نسائی ج ا ص ۱۸۰)

یعنی سفیان کے شاگردوں میں ابونعیم پانچویں درجہ میں شمار ہوتے ہیں۔

(۱۶) بعض دفعہ امام نسائی کسی حدیث کی تخریج میں دوسرے ائمہ حدیث سے اختلاف کرتے ہیں پھر اپنے مؤقف پر عقلی اور نقلی دلائل فراہم کرتے ہیں۔ مثلاً انہوں نے ایک روایت ذکر کی: **اخبرنا اسحاق بن ابراهیم قال قرأت علی ابی قرة موسیٰ بن طارق عن ابن جریج قال حدثنا عبدالله بن عثمان خثیم عن ابی الزبیر عن جابر ان النبی**

ﷺ حین رجع من عمرۃ الجعرانۃ بعث ابابکر علی الحج الحدیث. اس حدیث کی سند میں ابن جریج اور ابوالزبیر کے درمیان ایک راوی ہے' ابن خثیم جو ضعیف ہے' دوسرے ائمہ حدیث جب اس روایت کا ذکر کرتے ہیں تو ابن جریج اور ابوالزبیر کے درمیان ابن خثیم کا ذکر نہیں کرتے۔ امام نسائی نے اس کا ذکر اس وجہ سے کیا ہے کہ درمیان میں اس کا ذکر نہ کرنے کی صورت میں یہ حدیث منقطع ہو جائے گی چنانچہ لکھتے ہیں: "قال ابو عبد الرحمان ابن خثیم لیس بالقوی فی الحدیث و انما اخرجت هذا النلأ یجعل ابن جریج عن ابی الزبیر". پھر اپنی تخریج کی تائید کے لیے ان محدثین کے حوالے دیتے ہیں' جنہوں نے ابن خثیم کا اسناد میں ذکر کیا ہے۔ پس لکھتے ہیں: "وما کتبناه الاعن اسحاق بن راهویة ابن ابراهیم. ویحیی بن سعید القطان لم یترک الحدیث ابن خثیم ولا عبد الرحمان یعنی اسحاق". یعنی اور عبدالرحمان یہ سب لوگ ابن خثیم سے روایت کرتے ہیں۔ اخیر میں ابن خثیم کے ضعف کی وجہ بتلاتے ہیں کہ وہ منکر الحدیث ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: "ان علی بن المدینی قال ابن خثیم منکر الحدیث".

(امام عبدالرحمان نسائی' متوفی ۳۰۳' سنن نسائی ج ۲ ص ۳۴)

(۱۷) سنن نسائی میں ایک جگہ امام نسائی نے ایک حدیث سب سے طویل اسناد کے ساتھ بیان فرمائی ہے جس میں چھ تابعین کا ذکر ہے اور اس حدیث کے بعد امام نسائی لکھتے ہیں: میرے علم میں اس سے طویل اسناد اور کوئی نہیں ہے وہ روایت یہ ہے: اخبرنا محمد بن بشار حدثنا عبدالرحمان حدثنا زائدة عن منصور عن هلال بن سیاف عن ربیع بن خثیم عن عمرو بن میمون عن ابن ابی لیلیٰ عن امرأة عن ابی ایوب عن النبی ﷺ قال قل هو الله احد ثلث القران قال ابوعبد الرحمان ما اعرف اسنادًا اطول من هذا. (امام عبدالرحمان نسائی' متوفی ۳۰۳' سنن نسائی ج ۱ ص ۱۰۰)

(۱۸) بعض دفعہ متن حدیث میں کوئی مشکل لفظ مستعمل ہوتا ہے تو امام نسائی اس کا آسان لفظ کے ساتھ معنی بیان کر دیتے ہیں۔ چنانچہ امام نسائی نے ایک روایت ذکر کی کہ ایک اعرابی نے مسجد میں آکر پیشاب کر دیا صحابہ کرام اس کو ڈانٹنے لگے تو حضور ﷺ نے فرمایا: "لاتذرموه" امام نسائی اس کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "قال ابو عبد الرحمان یعنی لا

تقطعوا علیه''۔ (امام عبدالرحمان نسائی' متوفی ۳۰۳' سنن نسائی ج ا ص ۹)

(۱۹) امام نسائی نے''سنن صغریٰ'' کی تالیف میں انتہائی غور وفکر' تتبع اور تحقیق سے کام لیا ہے۔اس کے باوجود جس بات کی کنہ تک پہنچنے سے قاصر رہتے ہیں' صاف کہہ دیتے ہیں:''**لم افهم كما اردت**''میں اس بات کو حسب منشا نہیں سمجھا سکا۔

شرائط

فن حدیث کے ماہرین نے امام نسائی کی شرائط کو بڑی اہمیت سے بیان کیا ہے۔بعض لوگ شرائط کے لحاظ سے امام نسائی کو امام مسلم پر ترجیح دیتے تھے۔حافظ ابوعلی نیشاپوری کہتے ہیں کہ رجال میں امام نسائی کی شرائط امام مسلم سے زیادہ سخت ہیں اسی طرح حاکم نیشاپوری اور خطیب بغدادی نے بھی امام نسائی کی شرائط کو امام مسلم کی شرائط سے زیادہ سخت قرار دیا ہے۔

(حاجی خلیفہ' متوفی ۱۰۶۷ھ' کشف الظنون ج ۲ ص ۱۰۰۶)

اور بعض لوگ تو شرائط کے لحاظ سے امام نسائی کو امام بخاری پر بھی ترجیح دیتے تھے۔ چنانچہ ابنِ طاہر کہتے ہیں:مَیں نے امام ابوالقاسم سعد بن علی زنجانی سے ایک راوی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اس کی توثیق کی مَیں نے کہا کہ امام نسائی تو اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ رجال میں امام نسائی کی شرائط امام بخاری اور امام مسلم سے زیادہ سخت ہیں۔(شمس الدین ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ' تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۷۰۰) اور حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ بہت سے راوی ایسے ہیں جن کی روایت کو امام ابوداؤد اور امام ترمذی قبول کر لیتے ہیں۔لیکن امام نسائی ان سے روایت نہیں لیتے بلکہ امام نسائی نے تو صحیحین کے راویوں کی ایک جماعت سے بھی روایت میں احتراز کیا ہے۔(حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' مقدمہ زہر الربیٰ ص ۳۵)

امام نسائی کی شرائط کے بارے میں اس قسم کی اور بھی بہت سی باتیں بیان کی گئی ہیں۔ لیکن ان کو ماننے میں ہمیں تامل ہے' کیونکہ ان باتوں کے ماننے سے یہ لازم آتا ہے کہ''سنن نسائی'' کی احادیث صحت اور قوت کے اعتبار سے صحیحین کی احادیث سے زیادہ معتمد ہوں اور یہ واقعہ اور تحقیق کے سراسر خلاف ہے۔کیونکہ خود امام نسائی کی تصریحات سے یہ بات ثابت ہے کہ ان کی اس کتاب میں شاذ' منکر' منقطع' معلول' مضطرب اور مرسل روایات بہ کثرت موجود ہیں اس لیے امام نسائی کی شرائط کے بارے میں ان کا اپنا بیان کیا ہوا ضابطہ پیش نظر رکھنا

چاہیے: "لا یترک عندی حتی یجتمع الجمیع علی ترکه". یعنی وہ کسی راوی کو اس وقت جائز الروایت سمجھتے ہیں جب تک کہ اس کے ترک پر سب کا اتفاق نہ ہو اور "سنن نسائی" میں ان کا یہ طریقہ ہے کہ اولاً کسی موضوع پر حدیث صحیح کو درج کرتے ہیں اور اگر حدیث صحیح نہ مل سکے تو حدیث ضعیف کو بھی لے آتے ہیں مگر اس کے ضعف کی تصریح کر دیتے ہیں۔

حافظ ابو بکر حازمی نے "شروط الائمہ" میں ذکر کیا ہے کہ امام ابوداؤد کی طرح امام نسائی بھی کامل الضبط اور کثیر الملازمۃ' کامل الضبط اور قلیل الملازمۃ اور ناقص الضبط اور کثیر الملازمۃ راویوں کے ان طبقوں سے استیعاب کرتے ہیں اور ناقص الضبط اور قلیل الملازمۃ سے انتخاب کرتے ہیں اور پانچویں طبقہ سے اصلاً روایت نہیں کرتے۔

اور حافظ جلال الدین سیوطی نے "مقدمہ زہر الربیٰ" میں بیان کیا ہے کہ احادیثِ "نسائی" کی تین قسمیں ہیں:

(۱) وہ احادیث جو بخاری اور مسلم میں ہیں۔

(۲) وہ احادیث جو بخاری اور مسلم کی شرائط کے مطابق ہیں۔

(۳) وہ احادیث جن کا خود امام نسائی نے اخراج کیا اور اگر ان میں کوئی علت تھی تو اس کا بیان کر دیا۔

تعدادِ مرویات

بعض تذکرہ نگاروں کی تصریح کے مطابق "سنن نسائی" کی مرویات کی کل تعداد پانچ ہزار سات سو اکسٹھ ہے (جدید نمبرنگ کے مطابق یہ تعداد ۵۷۷۴ ہے)۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

تسامح

"کتاب السنن" میں بعض مقامات پر تتبع کی کمی کی وجہ سے امام نسائی سے تسامح بھی واقع ہوا ہے۔ عام طور پر کسی حدیث کے بارے میں امام نسائی یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ فرد ہے۔ اور اس کا کوئی متابع نہیں ہے' حالانکہ واقع میں اس کے بہت سے متابع ہوتے ہیں۔ مثلاً امام نسائی نے حماد سے فاطمہ بنت ابی حبیش کی روایت میں حضور ﷺ کا یہ فرمان ذکر کیا ہے: انما ذالک عرق ولیست بالحیضة فاذا اقبلت الحیضة فرعی الصلوٰة واذا ادبرت فاغتسلی عنک الدم وتوضئی وصلی فانما ذالک عرق ولیست بالحیضة.

اس حدیث کے بارے میں امام نسائی فرماتے ہیں: ''قال ابو عبدالرحمان قد روی هذا الحدیث غیر واحد عن هشام بن عروة ولم یذکر فیه وتوضئی غیر حماد''۔ (امام عبدالرحمان نسائی، متوفی ۳۰۳، سنن نسائی ج ۱ ص ۳۹) یعنی اس حدیث کے راویوں میں صرف حماد نے ''توضئی'' کا لفظ ذکر کیا ہے حالانکہ حماد اس زیادتی میں منفرد نہیں ہیں بلکہ اور راویوں نے بھی اس حدیث میں ''وتوضئی'' کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ امام بخاری نے ''محمد بن سلام عن ابی معاویة عن هشام عن عروة عن عائشة'' کی سند سے یہ حدیث روایت کی ہے اور اس میں ''ثم توضئی لکل صلوٰة حتی یجئی ذالک الوقت''۔ (امام ابوعبداللہ بخاری، متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۶) اسی طرح امام ترمذی نے بھی ابومعاویہ کی روایت سے ''وتوضئی'' کا ذکر کیا ہے فرماتے ہیں: ''قال ابو معاویة فی حدیثه وقال توضئی لکل صلوٰة حتی یجئی ذالک الوقت''۔ (امام ابوعیسیٰ ترمذی، متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۴۴) امام ابوداؤد نے حماد اور ابومعاویہ کے علاوہ ایک اور سند سے اس حدیث کو روایت کیا جس میں ''وتوضئی'' کا لفظ مذکور ہے اور وہ روایت اس طرح ہے: **حدثنا** محمد بن المثنی نا محمد بن ابی عدی عمه یعنی ابن عمر قال ثنی ابنِ شهاب عن عروة بن الزبیر عن فاطمة بنت ابی حبیش...... فاذا کان الآخر توضئی وصلی فانما هو عرق۔ (امام ابوداؤد بحستانی، متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ص ۳۹) اس کے علاوہ بیہقی نے ایک اور سند سے ''وتوضئی'' کا ذکر کیا ہے۔ (ابوبکر احمد بن علی البیہقی، متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۱ ص ۳۲۵) پس اس تفصیل اور تحقیق سے یہ ظاہر ہو گیا کہ ''وتوضئی'' کی روایت میں حماد تنہا نہیں ہیں اور ان پر تفرد کا حکم لگانا امام نسائی کا محض تسامح ہے۔ یہ صرف ایک مثال ہے ورنہ اس قسم کی مسامحات ''سنن نسائی'' میں کافی تعداد میں ہیں۔

شروح وحواشی

صحاح ستہ کی دوسری کتب کی جس قدر شروح اور تعلیقات تحریر میں آئی ہیں ''سنن نسائی'' کی شروح اور حواشی پر اس قدر توجہ نہیں دی گئی اس کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ یہ کتاب آسان اور سہل الحصول ہے۔ دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ''سنن نسائی'' کی اکثر احادیث چونکہ دوسری کتب صحاح میں آچکی ہیں اور وہاں ان کی مفصل شرح کی جا چکی ہے اس لیے ''سنن نسائی'' کے عنوان سے ان احادیث کی مزید شرح نہیں کی گئی۔

''سنن نسائی'' کی ایک مشہور شرح ''الامعان فی شرح سنن النسائی لابی عبد الرحمان'' کے نام سے ہے۔ یہ شرح علامہ ابوالحسن علی بن عبداللہ الانصاری التوفی ۵۶۷ھ کی تالیف ہے۔ (ابوبکر محمد بن محمود وطری، متوفی ۱۰۰۲ھ، نیل الابداتاج ص ۲۰۰) اور یہ غالباً ''سنن نسائی'' کی سب سے پہلی مبسوط شرح ہے، جس میں بہت سے مفید مطلب مباحث آگئے ہیں۔ دوسری شرح ابن الملقن متوفی ۸۰۴ھ نے ''زوائد نسائی'' کے نام سے لکھی ہے۔ تیسری شرح ''زہر الربی علی المجتبیٰ'' کے نام سے حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے تحریر کی، اس شرح کو قبول عام حاصل ہوا ''سنن نسائی'' کے موجود نسخوں کے حواشی پر اس کتاب کو چھاپ دیا گیا ہے۔ (حاجی خلیفہ، متوفی ۱۰۶۷ھ، کشف الظنون ج ۲ ص ۱۰۰۷) ان شروحات کے علاوہ ''سنن نسائی'' پر حواشی اور تعلیقات کو بھی تصنیف کیا گیا جن میں ''حاشیہ سندھی'' بہت مشہور ہے۔

سنن نسائی کے رواۃ

امام نسائی سے جن لوگوں نے اس کتاب کو روایت کیا ہے ان کے اسماء یہ ہیں: (۱) عبدالکریم بن النسائی (۲) ابوبکر احمد بن محمد بن اسحاق بن السنی (۳) ابوعلی الحسن بن الخضر الاسیوطی (۴) الحسن بن رشیق العسکری (۵) الحافظ ابوالقاسم حمزۃ بن محمد اکنانی (۶) ابوالحسن محمد بن عبداللہ بن زکریا (۷) محمد بن معاویہ بن الاحمر (۸) محمد بن قاسم الاندلسی (۹) علی بن ابی جعفر طحاوی (۱۰) ابوبکر بن محمد احد۔ (ابن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ، تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۳۷)

امام ابنِ ماجہ

فنِ حدیث کے ائمہ ستہ میں امام ابن ماجہ کا نام سب سے اخیر میں آتا ہے دوسرے ائمہ حدیث کی طرح امام ابنِ ماجہ نے بھی خدمت حدیث میں بڑا نام کمایا اور اپنے بے شمار مداحین پیدا کیے۔ امام ابوالقاسم رافعی ''تاریخ قزوین'' میں لکھتے ہیں کہ ابنِ ماجہ ائمہ مسلمین کے ایک عظیم امام' ثقہ شخصیت کے مالک اور اہلِ علم میں بے حد مقبول تھے۔ محدث خلیلی کہتے ہیں کہ وہ تفسیر' حدیث اور تاریخ کے بہت بڑے عالم تھے خصوصاً علمِ حدیث میں تو وہ بہت بڑے ماہر اور حافظ گردانے جاتے تھے اور ان کے اقوال لوگوں کے لیے سند کا درجہ رکھتے تھے۔ علامہ یاقوت حموی ''معجم البلدان'' میں لکھتے ہیں کہ ابن ماجہ کا ''قزوین'' کے ممتاز ائمہ میں شمار ہوتا تھا۔ اسی طرح شمس الدین ذہبی' شہاب الدین ابن حجر عسقلانی' ابن خلکان' ابن ناصرالدین اور دیگر مؤرخین اور ناقدین فن نے امام ابنِ ماجہ کی علمِ حدیث میں امامت' رفعت شان' وسعت نظر' حفظ حدیث اور ثقاہت کا اعتراف اور اقرار کیا ہے ان کی علمی اور فنی خدمات کو سراہا ہے اور شاندار طریقہ سے ان کے فضائل اور مناقب بیان کیے ہیں۔

نام ونسب

امام ابن ماجہ کا پورا نام اس طرح ہے۔ حافظ ابوعبداللہ کنیت' محمد نام' یزید آپ کے والد کا نام ہے اور ربعی ''ربیعہ بن نزار'' کی طرف نسبت ہے۔ قبیلہ ''ربیعہ'' سے نسبت ولاء کی بناء پر ان کو ربعی کہا جاتا ہے جس طرح امام بخاری کو نسبت ولاء کی وجہ سے جعفی کہتے ہیں اور قزوینی ''قزوین'' کی طرف نسبت ہے' جو ''عراق عجم'' کا مشہور شہر ہے' یہ 'ایران'' کے صوبہ ''آذربائیجان'' میں واقع ہے اور امام ابنِ ماجہ کا وطن ہے۔

ابنِ ماجہ میں ماجہ فارسی لفظ ہے اور غالباً یہ لفظ ''ماچہ'' کا معرب ہے۔ ماجہ کے مصداق میں مؤرخین کا اختلاف ہے اور ان کی عبارات اس بات میں کافی مضطرب ہیں۔ شاہ عبدالعزیز نے ''بستان المحدثین'' میں لکھا ہے کہ ماجہ آپ کی والدہ کا نام تھا اور ''عجالہ نافعہ'' میں لکھا ہے کہ یہ

آپ کے والد کا لقب ہے۔ بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ آپ کے دادا کا نام ہے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ماجہ آپ کے والد یزید کا لقب ہے اور یہی اکثر علماء اور "قزوین" کے مؤرخین کا مختار ہے اس لیے قواعد املاء کے مطابق اس لفظ کو اثبات الف کے ساتھ یوں لکھنا چاہیے: "محمد بن یزید ابن ماجہ" تا کہ معلوم ہو کہ ابنِ ماجہ محمد کی صفت ہے اور یزید کی صفت نہیں ہے۔ ملا علی قاری نے اس لفظ کے املاء کی تحقیق کی ہے انہوں نے بیان کیا ہے کہ ابنِ ماجہ محمد بن یزید کی صفت ہے اور اس کو الف کے اثبات کے ساتھ خطاً لکھنا چاہیے۔ ملا علی قاری کی عبارت یہ ہے:

وابو عبد الله محمد بن يزيد ابن ماجه باثبات الف ابن خطاء فانه بدل من ابن يزيد ففي القاموس ماجه لقب والد محمد بن يزيد صاحب السنن لا جده. (ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ مرقاۃ المفاتیح ج ا ص ۲۸)

اور ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابنِ ماجہ کو اثبات الف کے ساتھ خط میں ابن ماجہ لکھنا چاہیے۔ کیونکہ یہ ابن یزید سے بدل ہے۔ (یعنی محمد کی صفت ہے) "قاموس" میں ہے کہ ماجہ محمد بن یزید صاحب "سنن" کے والد کا لقب ہے نہ کہ دادا کا۔

امام نووی نے لفظ "ابن" لکھنے کا قاعدہ یہ بیان کیا ہے کہ اگر دو متناسل ناموں کے درمیان ابن آئے تو بغیر الف کے لکھا جاتا ہے جیسے عبد اللہ بن عمر یا عبد اللہ بن عباس اور اگر ابن دو متناسل ناموں کے درمیان نہ ہو بلکہ پہلے نام کی صفت ہو تو الف کے ساتھ لکھا جاتا ہے جیسے عبد اللہ عمرو ابن ام مکتوم میں ابن ام مکتوم یا عبد اللہ بن ابی ابن سلول میں ابن سلول کیونکہ پہلی مثال ام مکتوم عبد اللہ بن عمرو کی اور دوسری مثال میں سلول عبد اللہ بن ابی کی والدہ کا نام ہے اور ابن ام مکتوم عبد اللہ بن عمر کی اور ابن سلول عبد اللہ بن ابی کی صفت ہے۔

(امام ابو زکریا محی الدین یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۸ھ شرح مسلم علی ہامش مسلم ج ا ص ۲۸)

ولادت اور حالاتِ زندگی

امام ابن ماجہ ۲۰۹ھ کو "عراق عجم" کے مشہور شہر "قزوین" میں پیدا ہوئے۔ (امام عبد اللہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ تذکرہ ج ۲ ص ۶۳۰) عام دستور کے مطابق ابتدائی تعلیم کی تکمیل کے بعد علم حدیث کی طرف رجوع کیا۔ وطن اور بیرونِ وطن ہر جگہ روایت حدیث کو تلاش کیا اور دور دراز علاقوں میں جا کر علمِ حدیث حاصل کیا اس سلسلہ میں انہوں نے خراسان، عراق، حجاز، مصر اور شام

کے متعدد شہروں کا سفر کیا۔ جن میں مکہ معظمہ، مدینہ طیبہ، کوفہ، بصرہ، بغداد اور تہران کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ امام ابن ماجہ کے اساتذہ اور شیوخ کے اوطان پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے ان اساتذہ سے حصولِ علم کی خاطر اور شہروں کا بھی سفر کیا ہوگا جن میں اصفہان، رہواز، ایلہ، بلخ، بیت المقدس، حران، دمشق، فلسطین، عسقلان، مرو اور نیشاپور کا نام خاص طور پر لیا جاتا ہے۔

اساتذہ

امام ابنِ ماجہ کے اساتذہ کی بھی ایک کثیر تعداد ہے، جن میں سے چند حضرات کے اسماء یہ ہیں: محمد بن عبداللہ بن نمیر، جبارہ بن المغلس، ابراہیم بن المنذر الخرامی، عبداللہ بن معاویہ، ہشام بن عمار، محمد بن رمح اور داؤد بن رشید۔ (امام ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی، متوفی ۷۴۸ھ، تذکرہ ج ۲ص ۶۳۰) ان کے علاوہ ابوبکر بن ابی شیبہ نصر بن علی الجہضمی، ابومروان محمد بن عثمان، محمد بن یحیٰی نیشاپوری، احمد بن ثابت الجحدری، ابوبکر خلاد باہلی، محمد بن بشار، علی بن منذر، محمد بن عباد بن آدم، عباس بن عبدالعظیم، احمد بن عبدۃ، عبداللہ بن عامر بن زراۃ، ابوخیثمہ زہیر بن حرب، عثمان بن ابی شیبہ، عبداللہ بن احمد بن بشیر بن ذکوان دمشقی، اسماعیل بن بشر بن منصور اور یحیٰی بن حکیم بھی ابنِ ماجہ کے مشہور اساتذہ میں شامل ہیں۔

تلامذہ

امام ابن ماجہ سے فیض حاصل کرنے والے اور ان سے احادیث کی روایت کرنے والے حضرات کی بھی ایک طویل فہرس ہے۔ چند حضرات کے اسماء یہ ہیں: علی بن سعید بن عبداللہ الفلانی، ابراہیم بن دینار الجرشی الصمدانی، احمد بن ابراہیم القزوینی، ابوالطیب احمد بن روح الشعرانی، اسحاق بن محمد القزوینی، جعفر بن ادریس، حسین بن علی بن برانیاد، سلیمان بن یزید القزوینی، محمد بن عیسٰی الصغار، حافظ ابوالحسن علی بن ابراہیم بن سلمۃ القزوینی، ابوعمرو احمد بن محمد، حکیم المدنی الاصبہانی۔ (حافظ ابنِ حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ تہذیب التہذیب ج ۹ص ۵۳۱)

تصانیف

امام ابنِ ماجہ سے تین کتابیں یادگار ہیں۔ (۱) "سنن ابن ماجہ" اس کا تعارف بالتفصیل آرہا ہے (۲) "تفسیر ابن ماجہ" ابن کثیر لکھتے ہیں: "ولابن ماجه تفسیر حافل" اور امام سیوطی نے بھی "الاتقان" میں تیسرے طبقہ کی تفسیروں میں ابنِ ماجہ کی تفسیر کا شمار کیا ہے۔ (حافظ جلال الدین

سیوطی متوفی ۹۱۱ھ الاتقان ج ۲ ص ۱۹۰) لیکن اب یہ کتاب نایاب ہو چکی ہے۔ (۳) "التاریخ" یہ صحابہ سے لے کر مصنف کے عہد تک کی تاریخ ہے۔ حافظ ابنِ طاہر مقدسی متوفی ۵۰۷ھ فرماتے ہیں کہ مَیں نے "قزوین" میں اس کا ایک نسخہ دیکھا تھا۔ لیکن اب یہ کتاب ناپید ہو چکی ہے۔

وصال

چونسٹھ سال کی زندگی گزار کر ۲۲ رمضان ۲۷۳ھ پیر کے دن ابن ماجہ کا انتقال ہو گیا اور منگل کے دن آپ کو دفن کیا گیا۔ (شاہ عبدالعزیز دہلوی متوفی ۱۲۲۹ھ بستان المحدثین ص ۲۹۹) حافظ ابوالفضل مقدسی "شروط الائمہ الستہ" میں لکھتے ہیں کہ آپ کے بھائی ابوبکر نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور آپ کے صاحبزادے عبداللہ اور دو بھائیوں نے مل کر آپ کو قبر میں اتارا۔ متعدد شعراء نے آپ کی وفات پر دردناک مرثیے لکھے محمد بن الاسود قزوینی کے مرثیہ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں: ؎

لقد اوھی دعائم علم — وضعضع رکنه فضوا ابن ماجه

ابنِ ماجہ کے وصال نے سریرِ علم کے ارکان اور ستون توڑ ڈالے ہیں۔

الا لله ما جنت المنایا — علینا من تخطفها ابن ماجه

موت نے ابن ماجہ کو ہم سے چھین کر جو زیادتی کی ہے اس کی فریاد بس اللہ ہی سے ہے۔

فمن یرجی لعلم او لحفظ — بشرح بین مثل ابن ماجه

اب علم اور حفظ کے باب میں کس سے توقع کی جائے کہ وہ ابن ماجہ کی سی شرح کر سکے؟

ابا عبد الاله مضیت فردا — وما خلفت مثلک یا ابن ماجه.

اے ابوعبداللہ! تم اپنے دَور میں یگانہ اور منفرد تھے اور تم نے اپنے بعد اپنی نظیر نہیں چھوڑی (شیخ علی بن سلیمان نور مصباح الزجاجۃ علی سنن ابن ماجہ ص ۳)

بعض مرثیوں کے اشعار حافظ ابنِ حجر نے بھی "تہذیب التہذیب" میں نقل فرمائے ہیں۔ بہر حال ان اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ امام ابنِ ماجہ اپنے دَور کی محبوب اور ہر دل عزیز شخصیت تھے اور "قزوین" میں ان کے لیے بے حد خلوص اور احترام پایا جاتا تھا۔

سنن ابن ماجہ

کتب صحاح ستہ میں جس کتاب کو سب سے آخر میں شمار کیا جاتا ہے وہ ''سنن ابن ماجہ'' ہے اس کتاب کو پانچویں صدی کے اخیر میں صحاح ستہ میں شمار کیا گیا ہے۔ اس کے بعد ہر دور میں یہ کتاب اپنی اہمیت منواتی گئی۔ صحت اور قوت کے لحاظ سے ''صحیح ابن حبان' سنن دارمی' دارقطنی'' اور دوسری کئی کتب ''ابن ماجہ'' سے برتر تھیں۔ لیکن ان کتب کو وہ قبولِ عام اور فروغ حاصل نہ ہوسکا جو ''سنن ابنِ ماجہ'' کو نصیب ہوا۔ ''سنن نسائی'' کو قوت اور صحت اسناد کے لحاظ سے بعض مغاربہ نے ''بخاری'' اور ''مسلم'' پر بھی ترجیح دی۔ لیکن اس کے باوجود ''سنن نسائی'' پر حواشی اور شروحات کے سلسلہ میں اس قدر کام نہیں ہوا جس قدر کام ''سنن ابنِ ماجہ'' کے حواشی اور شروحات کے سلسلہ میں ہوا ہے۔

سنن ابن ماجہ کی افادیت اور مقبولیت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ جب امام ابنِ ماجہ نے یہ کتاب تصنیف کر کے حافظ ابوزرعہ کی خدمت میں پیش کی تو وہ اس کو دیکھ کر بے ساختہ پکار اٹھے کہ اگر یہ کتاب لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ گئی تو اس دَور کی اکثر جوامع اور مصنفات بے کار اور معطل ہو کر رہ جائیں گی۔ (امام ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی' متوفی ۷۴۸ھ' تذکرۃ الحفاظ ج ۲ص ۴۳۶) حافظ ابوزرعہ کا یہ قول حرف بہ حرف صادق ہوا اور ''سنن ابن ماجہ'' کے فروغ کے سامنے متعدد جوامع اور مصنفات کے چراغ دھندلا گئے۔

اسلوب

''سنن ابن ماجہ'' کو جس چیز نے عوام و خواص میں پذیرائی اور قبولیت عطا کی وہ اس کا شاندار اسلوب اور روایت کا حسن انتخاب ہے۔ ابواب کی فقہی رعایت سے ترتیب احادیث سے مسائل کے واضح استنباط اور تراجم ابواب کی احادیث سے بغیر کسی پیچیدگی اور اُلجھن کے مطابقت نے بھی ''سنن ابنِ ماجہ'' کے حسن کو نکھارا ہے۔ ذیل کی سطور میں ہم ''سنن ابن ماجہ'' کے اسلوب کی چند خوبیاں اور خصوصیات پیش کر رہے ہیں:

(۱) امام ابن ماجہ نے اپنی ''سنن'' میں زیادہ تر ان احادیث کو روایت کیا ہے جو کتب خمسہ میں موجود نہیں ہیں۔علامہ ابوالحسن سندھی لکھتے ہیں کہ امام ابن ماجہ اپنے اس اسلوب میں حضرت معاذ بن جبل کے تابع ہیں۔کیونکہ وہ بھی انہیں احادیث کی روایت کرتے تھے جو دوسرے صحابہ کے پاس نہیں ہوتی تھیں۔اور جس طرح حضرت معاذ کا طریقہ کثرت افادہ کے لیے تھا' اسی طرح امام ابن ماجہ نے بھی زیادتی افادہ کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا اور اپنے اس اسلوب کو قائم رکھنے کے لیے انہوں نے اسانید کی صحت اور قوت کی طرف بھی چنداں التفات نہیں کیا۔یہی وجہ ہے کہ ''سنن ابن ماجہ'' میں ضعیف الاسناد روایات بہ کثرت موجود ہیں۔

(۲) ''سنن ابنِ ماجہ'' کی ایک اہم انفرادیت اور خصوصیت یہ ہے کہ امام ابنِ ماجہ اپنی ''سنن'' میں کوئی حدیث مکرر نہیں لائے اور یہ وہ خوبی ہے جو بقیہ کتب اصول میں سے کسی کتاب میں موجود نہیں۔

(۳) ''سنن ابن ماجہ'' میں باقی کتب سنن کی بہ نسبت بہت زیادہ اختصار سے کام لیا گیا ہے اس کے باوجود یہ کتاب تمام ضروری مسائل اور احکام کی جامع ہے۔

(۴) زیادہ تر اس کتاب میں مسائل اور احکام سے متعلق احادیث ہیں' فضائل اور مناقب سے متعلق احادیث اس کتاب میں نہیں لائی گئیں۔

(۵) بعض مقامات پر امام ابن ماجہ حدیث کی فنی حیثیت پر بھی گفتگو کرتے ہیں۔مثلاً وہ ایک روایت ذکر کرتے ہیں: حدثنا ابوبکر بن ابی شیبة ثنا ابن ابی غنیة عن الاعمش عن ابراھیم عن علقمة عن عبداللہ انہ سئل اکان النبی ﷺ یخطب قائما اوقاعدا قال وما تقرء وترکوک قائما. اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد امام ابن ماجہ لکھتے ہیں: ''قال ابوعبداللہ غریب لا یحدث الا ابن ابی شیبة وحدہ''.

(امام ابوعبداللہ ابن ماجہ' متوفی ۲۷۳ھ' سنن ابنِ ماجہ ص ۷۷)

(۶) اگر کسی حدیث کے بارے میں لوگوں میں تشویش اور اضطراب رہا تو امام ابن ماجہ اس حدیث کے ثبوت ملنے کا بھی ذکر کر دیتے ہیں۔چنانچہ ایسے ہی ایک واقعہ کا انہوں نے اس روایت کے بعد ذکر کیا ہے: حدثنا محمد بن یحیی ثنی ابراھیم بن موسیٰ انبانا عباد بن العوام عن عمرو بن ابراھیم عن قتادة عن الحسن عن الاحنف بن

قیس عن العباس بن عبدالمطلب قال قال رسول اللہ ﷺ لا تزال امتی علی الفطرۃ ما لم یؤخروا المغرب حتی تشتبک النجوم. اس حدیث کوذکرکرنے کے بعدامام ابن ماجہ لکھتے ہیں: قال ابو عبداللہ ابن ماجہ سمعت محمد بن یحیی یقول اضطرب الناس فی ھذا الحدیث ببغداد فذھبت انا و ابوبکر الاعین الی العوام بن عباد بن العوام فاخرج الینا اصل ابیہ فاذا الحدیث فیہ. (امام ابوعبداللہ ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ سنن ابن ماجہ ص ۵۰) خلاصہ یہ ہے کہ میں نے محمد بن یحییٰ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ بغداد کےلوگوں میں اس حدیث کے بارے میں کچھ اضطراب تھا۔ پس میں اورابوبکر اعین دونوں اس حدیث کی تحقیق کی خاطر عباد بن عوام کے صاحبزادے عوام کے پاس گئے تو انہوں نے ہمیں اپنے والدعباد بن عوام کا اصلی نسخہ لاکردکھایا اس میں یہ حدیث موجود تھی۔

(۷) بعض روایات بعض شہروں کے محدثین کے ساتھ خاص ہوتی تھیں اور دوسرے شہروں میں اس کے راوی نہیں ہوتے تھے امام ابن ماجہ جب اس قسم کی روایات ذکرکرتے ہیں تو بتلا دیتے ہیں کہ یہ فلاں شہروالوں کی روایت ہے۔ مثلاً ایک روایت ذکرکرتے ہیں: حدثنا ابوعمیر عیسی بن محمد النحاس وعیسی بن یونس والحسین بن ابی اسری العسقلانی قالوا ثنا حمزۃ بن ربیعۃ عن ابن شوذب عن ثابت البنانی عن انس بن مالک قال اتی رجل یقاتل ولیہ الی رسول اللہ ﷺ الحدیث بطولہ. (امام ابوعبداللہ ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ سنن ابن ماجہ ص ۱۹۳) اس کے بعد امام ابن ماجہ لکھتے ہیں: ''ھذا حدیث الرملیین لیس الا عندھم ''یعنی یہ حدیث سوااہلِ فلسطین کےاورکسی کے پاس موجودنہیں ہے۔

ثلاثیات ابن ماجہ

کتبِ صحاح ستہ کے مصنفین میں سے صرف چارکواپنی اپنی تصانیف میں ثلاثیات روایت کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ امام بخاری نے اپنی ''صحیح'' میں مع مکررات کے بائیس ثلاثیات روایت کی ہیں امام ترمذی اور امام ابوداؤد نے اپنی ''سنن'' میں صرف ایک ثلاثی حدیث کوروایت کیا ہےاورامام ابن ماجہ نے اپنی ''سنن'' میں پانچ ثلاثیات کوروایت کیا ہے اور یہ پانچوں روایات سندواحد سے مروی ہیں اوروہ سند یہ ہے: ''حدثنا جبارۃ بن المغلس ثنا

کثیر بن سلیم عن انس بن مالک". اس سند کے ایک راوی جبارۃ بن مغلس ہیں جو امام ابن ماجہ کے شیخ ہیں۔ حافظ ابوزرعہ ابن معین، ابن سعد اور بزاز وغیرہ محدثین نے ان کی سخت تضعیف کی ہے اور ان کی روایات کو منکر اور مضطرب قرار دیا ہے۔ امام احمد بن حنبل کے سامنے جب ان کے صاحبزادے نے جبارۃ کی روایات کو پڑھا تو انہوں نے بعض روایات کو موضوع اور بعض کو کذب قرار دیا۔ تاہم بعض محدثین نے ان کی تعدیل اور تقویت بھی کی ہے۔ ابن نمیر کہتے ہیں کہ وہ صدوق تھے اور انہوں نے عمداً کسی روایت میں جھوٹ نہیں بولا۔ ابن عدی بھی کہتے ہیں کہ وہ عمداً روایات میں دروغ بیانی نہیں کرتے تھے، البتہ وہ روایات میں غفلت سے کام لیتے تھے۔ عثمان بن ابی شیبہ نے کہا کہ وہ احفظ تھے اور روایت حدیث میں ہمیں سب سے زیادہ مطلوب تھے وہ مزید کہتے ہیں کہ اثرم نے ہمیں ان سے احادیث لکھنے کا امر کیا تھا۔ (حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ تہذیب التہذیب ص ۵۸ تا ۵۹)

اور دوسرے راوی ہیں کثیر بن سلیم یہ جبارہ کے شیخ ہیں اور افسوس یہ ہے کہ یہ ضعف میں ان سے بھی بڑھ کر ہیں۔ جبارہ کی تو بعض حضرات نے تعدیل اور تقویت بھی کی ہے۔ لیکن کثیر کی روایت کو کسی کا سہارا نہیں ملا۔ عبداللہ بن علی بن مدینی کہتے ہیں کہ کثیر بن سلیم جو صاحب انس ہیں انتہائی ضعیف راوی ہیں، اس نے حضرت انس سے پانچ حدیثیں روایت کی تھیں جو بعد میں سو بن گئیں۔ یحییٰ ابن معین ان کی احادیث لکھنے سے منع کرتے تھے، نسائی اور ازدی نے انہیں متروک الحدیث، ابوزرعہ نے واہی الحدیث اور ابوحاتم نے انہیں ضعیف اور منکر الحدیث قرار دیا ابوحاتم نے مزید کہا کہ کثیر حضرت انس سے جو روایت بیان کرتے ہیں اس میں ان کا کوئی ساتھ نہیں دیتا۔ ابن حبان نے کہا کہ وہ حضرت انس کی طرف نسبت کر کے احادیث وضع کیا کرتے تھے۔ اسی طرح ابن عدی اور امام بخاری وغیرہ دیگر محدثین نے بھی ان پر سخت جرح کی ہے اور ان کی تائید اور تقویت میں سب خاموش ہیں۔

(حافظ ابن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ تہذیب التہذیب ص ۵۸ تا ۵۹)

بہر حال امام ابن ماجہ نے اپنی "سنن" میں پانچ ثلاثیات روایت کر کے اپنی اہمیت تو منوائی ہے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ یہ روایات جبارۃ اور کثیر کے ضعف کا شکار ہو گئیں اور یوں ان ثلاثیات کا کچھ وزن باقی نہیں رہا۔

شرائط

امام ابن ماجہ رواۃ کے انتخاب میں وسیع المشرب ہیں اور ہر قسم کے راویوں کی روایت قبول کر لیتے ہیں اور اس کی وجہ غالباً یہی ہے کہ وہ اپنی ''سنن'' میں ایسی روایات لانا چاہتے تھے جو دوسری کتب اصول میں موجود نہیں ہیں اسی شوق کی خاطر انہوں نے راویوں کے شدید ضعف کو بھی برداشت کر لیا ہے۔

روایات ابن ماجہ کی فنی حیثیت

''سنن امام ابن ماجہ'' میں بہ کثرت ضعیف احادیث ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: ''فقیہ احادیث کثیرۃ منکرۃ'' (حافظ ابن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۵۳۱) اس کتاب میں منکر روایات بہ کثرت ہیں اور حافظ شمس الدین ذہبی لکھتے ہیں: ''سنن ابن ماجہ'' عمدہ اور صاف کتاب تھی کاش! اس کو چند ضعیف احادیث مکدر اور خراب نہ کرتیں اور جن ضعیف احادیث نے ابن ماجہ کی صفائی کو مکدر کر دیا ہے' ان کی تعداد کے بارے میں حافظ شمس الدین ذہبی نے حافظ ابوزرعہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ شاید اس پوری کتاب میں تیس حدیثیں بھی ایسی نہیں ہوں گی جن کی اسناد میں ضعف ہو۔ (امام ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی' متوفی ۷۴۸ھ' تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۶۳۶) حافظ ذہبی ''سیر النبلاء'' میں حافظ ابوزرعہ کے اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اور ابوزرعہ کا بیان کہ اس میں پوری تیس حدیثیں بھی شاید ضعیف الاسناد نہ ہوں' اگر صحیح ہو تو ان تیس حدیثوں سے ان کی مراد انتہائی کمزور اور ساقط روائتیں ہیں ورنہ ''ابن ماجہ'' کی جو احادیث قابل استدلال نہیں ہیں ان کی تعداد ایک ہزار کے قریب ہے۔

(علامہ محمد ابن اسماعیل امیر یمانی' توضیح الافکار ج ۱ ص ۲۳۳)

یہ صحیح ہے کہ ''ابن ماجہ'' میں ایک ہزار کے قریب ضعیف روائتیں موجود ہیں۔ لیکن ''سنن ابن ماجہ'' میں صحیح روایات بھی بہ کثرت موجود ہیں بلکہ ناقدین فن نے تو ''سنن ابن ماجہ'' کی بعض روایات کو ''صحیح بخاری'' کی بعض روایات سے بھی راجح قرار دیا ہے۔ چنانچہ ''صحیح بخاری'' کے باب میں ہم تفصیل کے ساتھ ذکر کر چکے ہیں کہ امام بخاری نے ''**باب ماجاء اذا اقیمت الصلوٰۃ فلاصلوٰۃ الا المکتوبۃ**'' کے تحت شعبہ کی اسناد سے ایک روایت ذکر کی ہے' جس میں دو غلطیاں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس میں یہ روایت مالک سے بیان کی ہے' حالانکہ یہ

روایت عبداللہ بن مالک سے ہے۔ دوسری یہ کہ اس روایت کی سند میں بحینہ کو مالک کی والدہ قرار دیا ہے حالانکہ وہ عبداللہ کی والدہ ہیں مالک کی نہیں اور ابن ماجہ نے جس اسناد کے ساتھ یہ روایت بیان کی ہے اس میں یہ غلطیاں نہیں ہیں۔ اسی طرح ''صحیح بخاری'' میں روایت ہے کہ حضرت ابوسفیان کی موت کی خبر شام سے آئی حالانکہ ان کا انتقال مکہ میں ہوا تھا اس کے برخلاف ''سنن ابن ماجہ'' میں اس مضمون کی کسی روایت میں یہ بات نہیں ہے۔ نیز ''صحیح بخاری'' میں ولید بن عقبہ پر شراب کی حد لگانے میں اسی کوڑوں کا ذکر ہے جب کہ فی الواقع ان کو چالیس کوڑے لگائے گئے تھے۔ اس کے برعکس ''ابن ماجہ'' پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان کی روایت میں کوڑوں کی تعداد کا ذکر نہیں ہے۔ اس طرح کی اور مثالیں بھی ہیں جن تمام پر تفصیلی گفتگو ''صحیح بخاری'' کے باب میں کی جا چکی ہے۔

تعدادمرویات

حافظ شمس الدین ذہبی لکھتے ہیں کہ ''سنن ابن ماجہ'' میں بتیس کتب ہیں اور ابوالحسن القطان بیان کرتے ہیں کہ ''سنن ابن ماجہ'' ایک ہزار پانچ سو ابواب ہیں اور کل احادیث کی تعداد چار ہزار ہے۔ (امام ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۶۳۶) جدید نمبرنگ کے مطابق یہ تعداد: ۴۳۴۱ ہے۔

سنن ابن ماجہ کا صحاح ستہ میں اعتبار

پانچویں صدی کے اخیر تک صحاح کی بنیادی کتب میں صرف پانچ کتابوں کا شمار ہوتا تھا بعد میں حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسی متوفی ۵۰۷ھ اپنی کتاب ''شروط الائمہ الستہ'' میں ''ابن ماجہ'' کی شروط سے بھی بحث کی اور اس کو بھی بنیادی کتابوں کے ساتھ لاحق کر کے صحاح کی اصل چھ کتابوں کو قرار دیا۔ اسی دور میں حافظ ابن طاہر کے معاصر محدث زرین بن معاویہ مالکی متوفی ۵۲۵ھ نے اپنی کتاب ''التجرید للصحاح والسنن'' میں کتب خمسہ کے ساتھ ''سنن ابن ماجہ'' کی جگہ ''موطأ امام مالک'' کو لاحق کر دیا۔ اس کے بعد سے یہ اختلاف رہا کہ صحاح ستہ کی چھٹی کتاب ''موطأ امام مالک'' ہے یا ''سنن ابن ماجہ'' عام مغاربہ ''موطأ'' کو ترجیح دیتے تھے۔ اور مشارقہ ''سنن ابن ماجہ'' کو فوقیت دیتے تھے۔ لیکن متاخرین نے بہرحال ''سنن ابن ماجہ'' کے حق میں اتفاق کر لیا اور اب غالب اکثریت اسی طرف ہے کہ صحاح ستہ کی چھٹی کتاب

''سنن ابن ماجہ'' ہی ہے۔ علامہ ابوالحسن سندھی ''مقدمہ شرح ابن ماجہ'' میں لکھتے ہیں:

''وغالب المتاخرین علی انه سادس الستة''.

آٹھویں صدی ہجری میں یہ آواز بھی سنائی دی کہ صحاح ستہ میں ''سنن ابن ماجہ'' کی جگہ ''سنن دارمی'' کا اعتبار ہونا چاہیے' چنانچہ حافظ صلاح الدین خلیل متوفی ۷۶۱ھ فرماتے ہیں: ''سنن ابن ماجہ'' کی جگہ ''سنن دارمی'' کو رکھنا زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ اس کتاب میں ''سنن ابن ماجہ'' کی بہ نسبت ضعیف' منکر اور شاذ روایتیں کم ہیں اور مجموعی طور پر یہ کتاب ''سنن ابن ماجہ'' سے بہتر ہے۔ (شمس الدین سخاوی' فتح المغیث ج ا ص ۳۳) لیکن جمہور نے اس ترمیم میں ان کا ساتھ نہیں دیا اور آج مشرق و مغرب میں ہر جگہ اصول ستہ میں ''سنن ابن ماجہ'' ہی کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

شروح وحواشی

سنن ابن ماجہ کی شروح وحواشی کے سلسلہ میں کافی قابل قدر کام ہوا ہے' جس سے اس کتاب کی افادیت' شہرت اور مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ذیل کی سطور میں ہم چند شروح اور حواشی کا ذکر کر رہے ہیں:

(۱) شرح سنن ابن ماجه:

یہ سنن ابن ماجہ کے ایک حصہ کی شرح ہے جو پانچ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کو حافظ علاؤ الدین مغلطائی حنفی متوفی ۷۶۲ھ نے تالیف کیا ہے۔

(۲) ماتمس اليه الحاجة على سنن ابن ماجه:

یہ شیخ سراج الدین عمر بن علی متوفی ۸۰۴ھ کی شرح ہے۔ جو آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس میں صرف ان احادیث کی شرح کی گئی ہے جو کتب خمسہ پر زائد ہیں۔

(۳) الديباجه على سنن ابن ماجه:

یہ شرح شیخ کمال الدین محمد بن موسیٰ دمیری متوفی ۸۰۸ھ کی تالیف ہے۔ مصنف اس کتاب کی تحریر اور تبییض سے پہلے ہی وصال کر گئے تھے۔

(۴) شرح ابن ماجه:

یہ کتاب حافظ برہان الدین حلبی متوفی ۸۴۱ھ کی تالیف ہے۔

(۵) مصباح الزجاجۃ:

یہ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ کا ''سنن ابن ماجہ'' پر ایک مختصر حاشیہ ہے۔

(حاجی خلیفہ متوفی ۱۰۶۷ھ کشف الظنون ج ۲ ص ۱۰۰۴)

(۶) شرح سنن ابنِ ماجہ:

یہ شرح حافظ ابوالحسن محمد بن عبدالہادی سندھی حنفی متوفی ۱۱۳۸ھ کی تالیف ہے۔

(۷) انجاح الحاجۃ:

یہ شرح عبدالغنی بن ابی سعید حنفی دہلوی متوفی ۱۲۹۵ھ کی تالیف ہے۔

سننِ ابنِ ماجہ کے رواۃ

حافظ عسقلانی نے ''سنن ابن ماجہ'' کے چھ راوی بیان کیے ہیں۔

(۱) ابوالحسن بن القطان (۲) سلیمان بن یزید (۳) ابوجعفر محمد بن عیسیٰ (۴) ابوبکر حامد الابہری (۵) سعدون (۶) ابراہیم بن دینار۔

(حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۵۳۲)

جدید نمبرنگ کے مطابق معروف کتبِ احادیث کی تعدادِ احادیث

صحیح البخاری	۷۵۶۳
صحیح مسلم	۷۴۲۸=۳۰۳۳
ترمذی	۳۹۵۶
ابوداوٗد	۵۲۷۴
نسائی	۵۷۷۴
ابن ماجہ	۴۳۴۱
مسند احمد	۲۸۱۹۹' عالم الکتب ۲۷۵۱۹' دارالحدیث قاہرہ=۲۷۷۱۶ دارالکتب العلمیہ
صحیح ابن حبان	۷۴۹۱
مصنف عبدالرزاق	۲۱۱۹۹' بلاتکرار=۵۱۱۶
مسند ابویعلیٰ	۷۵۵۵
جمع الجوامع احادیث نبوی	۲۹۰۲۵
آثارِ صحابہ	۱۵۳۰۳
احادیثِ موضوعہ	۱۲۵۷
کل تعداد جمع الجوامع	۶۵۵۸۵

منحة المغيث

فى علم مصطلح الحديث

تأليف

حافظ حسن المسعودى

من علماء الازهر الشريف
ومدرس بوزارة المعارف العمومية

مصطلح الحديث	فى شكله الحديث
لم يأت فى مؤلف	كمنحة المغيث

"الطبعة الثانية"
١٣٥٢هـ - ١٩٣٣ء

مطبعة الصاوى بشارع عبدالعزيز بمصر

بسم الله الرحمٰن الرحيم

الحمد لله الذى وصل من أسند أمره اليه، رفع من وقف رجاءه على فضله وقطع بأن الخير كله لديه، والصلاة والسلام على سيدنا محمد أفضل الأنام، الآتى بأحسن الحديث وأصدق الكلام، وعلى آله وأصحابه الطاهرين، الذين صحت عزائمهم وحسنت نياتهم فلم يضعفوا عن إقامة شعائر الدين.

(أما بعد) فهذا اختصار من كتب العارفين، وتلخيص من كلام الائمة المتقدمين. أوردت فيه أحسن الملح، وأردت به تقريب علم المصطلح. فهو من أجل المؤلفات، وان كان منتظما فى سلك المقدمات. وقد سميته ''منحة المغيث فى علم مصطلح الحديث'' راجيا من الله تعالىٰ التوفيق، والهداية إلى أقوم طريق.

ولقد أقول لطالب العلم الذى ... يبغى الهدى ويروم وجه صواب
يا قارئا علم الحديث دراية ... إن رمت تحريرا فلذ بكتابى
فلقد حوى مع الاختصار فوائدا ... لم يحوها سفر مع الاطناب
وأتى بيوت الفن من أبوابها ... وجنى من المقصود خير لباب
وإلى المعانى قد أشار فأصبحت ... للعقل سافرة بغير نقاب

مقدمة

يحد علم الحديث دراية وهو المعروف بعلم مصطلح الحديث بأنه علم (١) يعرف به أحوال السند والمتن (٢) وكيفية التحمل والاداء (٣) وصفات الرجال (۴) وغير ذلک (۵)

وموضوعه: السند والمتن من حيث الصحة والحسن ونحو ذلک

وثمرته: معرفة الحديث الصحيح من غيره.

وأول من صنف فيه القاضى أبو محمد الرامهر مُزى رضى الله عنهٗ وأما علم الحديث رواية، فهو علم يشتمل على نقل ما أضيف الى النبىﷺ قولا أوفعلا أو تقريرا أوصفة .

وموضوعه: ذات النبىﷺمن حيث ما يخصه.

وثمرته: الاحتزاز عن الخطأ فى نقل ما أضيف اِلى النبىﷺ .

وأول من دون فيه محمد بن شهاب الزهرى رضى الله عنه واِذ علم أن الحديث ما أضيف اِلى النبى ﷺ قولا أو تقريرا أوصفة، فيرادفه الخبر على الصحيح، والاثر على المعتمد، والسنة عند بعض العلماء، وأما المتن فهو ما ينتهى اليه غاية السند من الكلام، وأما السند فهو الطريق الموصل الى المتن، وأما الاسناد فهو رفع الحديث الى قائله وقيل انهٗ بمعنى السند وأما المسند

لـ (علم) أى قواعد كقولهم كل حديث صحيح أو حسن يستدل به (٢) (أحوال السند والمتن) أى سواء أكانت تلک الأحوال عامة لهما كالصحة والحسن والضعف أم خاصة بالسند كالعلو والنزول أم خاصة بالمتن كالرفع والوقف والقطع (٣) (وكيفية التحمل) أى تحمل الحديث وروايته عن الشيخ وأما كيفية الأ داء تابعة لكيفية التحمل (۴) (وصفات الرجال) أى من عدالة وفسق (۵) (وغيره ذلک) كرواية الحديث بالمعنى ورواية الأصاغر.

(بكسر النون) فهو من يروى الحديث باسناده وأما المسند (بفتح النون) فيطلق على الكتاب الذى جمع فيه مار واه واحد من الصحابة أو أكثر كمسند الامام أحمد رضى الله عنه يطلق على السند وعلى نوع من أنواع الحديث يأتى وأما المحدث فهو من حفظ كثيرا من الأحاديث وعلم عدالة الرجال وجرحهم وأما الحافظ فهو من حفظ مائة الف حديث مسندة وأما الحجة فهو من حفظ ثلثمائة ألف حديث بأسانيدها وأما الحاكم فهو من أحاط بالسنة.

التقسيم

ينقسم الحديث والاسناد عند اكثر علماء هذا الفن الى ثلاثة أقسام صحيح وحسن وضعيف وتحت كل أنواع بحسب مراتب القوة ومراتب الضعف. وسنتبع كليا تها بمشهورات جزئياتها إن شاء الله تعالىٰ.

الصحيح لذاته

هو ما اتصل إسناده بنقل العدل الضابط ضبطا تاما عن مثله الى منتهى السند من غير شذوذ ولا علة قادحة.

وما اتصل إسناده هو ما سلم إسناده من سقوط راو فى أثنائه بحيث يكون كل من رجاله سمعه من شيخه، فخرج الحديث المعلق والمعضل والمرسل والمنقطع اذ لا اتصال فيها.

والمراد بالعدل عدل الرواية وهو المسلم البالغ العاقل السالم من ارتكاب كبيرة أو إصرار على صغيرة ومما يخل بالمروة كالأكل فى السوق والمشى حافيا أو عارى الرأس فخرج الفاسق والمجهول عينا أوحالا لا نتفاء العدالة. والمراد بالضابط الضابط صدرا بأن يثبت ما سمعه فى ذهنه بحيث يتمكن من استحضاره متى شاء أو كتابا بان يصونه عنده منذ سمع فيه وصححه الى أن يؤدى منه، وهذا فى أول الامر والا فالعبرة الآن بما اجتمعت عليه النسخ المصححة. فخرج المغفل كثير الخطأ وإن عرف بالصدق

والعدالة لفقد الضبط، والضبط التام هو ما لا يختل فلا يقال فى صاحبه انه يضبط تارة ولا يضبط أخرى. فيخرج الحسن لذاته لأن الضبط فيه ليس تاما. وتناول قولنا عن مثله إلى منتهى السند الحديث المرفوع، والموقوف، والمقطوع، وأما الشذوذ فهو مخالفة الثقة الجماعة الثقات بزيادة أو نقص فى السند أوفى المتن، وأما العلة القادحة فهى ما تعرض للحديث المقبول بحسب الظاهر بالتأمل فى طرق الحديث كأن يكون مرسلا أو منقطعا فيروى متصلا. مثال الصحيح لذاته مارواه البخارى من طريق الاعرج عن أبى هريرة أن رسول الله ﷺ قال لولا أن أشق على أمتى لأمرتهم بالسواك عند كل صلاة.

الحسن لذاته

هو مارواه عدل قل ضبطه متصل السند غير معل ولاشاذ. مثاله مارواه الترمذى من طريق محمد بن عمر وعن أبى سلمة عن أبى هريرة أن رسول الله ﷺ قال، لولا أن أشق على أمتى لا مرتهم بالسواك عند كل صلاة.

فان محمدا لم يتصف بالضبط التام لسوء حفظه.

الصحيح لغيره

هو الحسن لذاته اذا تقوى بمجيئه من طريق مساو لطريقه أو من أكثر ولو أدنى. مثاله حديث السواك المتقدم الذى رواه محمد بن عمرو فانه تقوى بمجيئه من طريق الأعرج.

الحسن لغيره

هو مالا يخلو إسناده عن مستور [1] أو سيئى الحفظ أو نحو ذلك [2] بشرط ألا يكون مغفلا كثير الخطأ فيما يرويه، وألا يظهر منه مفسق. وأن يكون حديثه قد عرف بأن روى مثله أو نحوه [3] من وجه آخر أو أكثر.

---

[1] (عن مستور) أى مجهول الحال

[2] أو نحو ذلك) يدخل فيه المختلط لكبر سنه.

[3] المثل: يستعمل فيما إذا كانت الموافقة فى اللفظ والمعنى معا والنحو: يستعمل فيما إذا كانت فى المعنى فقط.

(تنبيهات). (الأول) يرادف الصحيح بالمعنى المتقدم الجيد والقوى وأما الثابت والمجود والصالح فتشمل الصحيح والحسن وأما المشبه فيطلق بمعنى الحسن وما يقار به.

(الثانى) تتفاوت مراتب الصحيح بحسب تفاوت الأوصاف المقتضية صحة اسناداً ومتناً فاعلا ها اسناد ا ما قال فيه بعض ائمة الحديث انه أصح الأسانيد كقول البخارى أصح الا سانيد ما رواه مالک عن نافع عن ابن عمر، ودونها فى الرتبة كرواية بريد بن عبد الله بن أبى بردة عن أبيه عن جده عن أبى موسى الأشعرى، وأعلاها متنا ما اتفق عليه البخارى ومسلم، ثم ما انفرد به البخارى ثم ما انفرد به مسلم، ثم ما كان على شرطهما ثم ما كان على شرط البخارى، ثم ما كان على شرط مسلم، ثم ما كان على شرط غيرهما كباقى الكتب الستة، وأما الحسن فهو كالصحيح تتفاوت مراتبه اسنادا ومتنا فأعلاها اسنادا ما قال فيه بعض أئمة الحديث انه أحسن الاسانيد، وادناها اسنادا ما ليس كذالک واعلاها متنا ما اختلف فى صحته وحسنه وأدناها كذالک ما اختلف فى صحته وضعفه.

(الثالث) لا تلازم بين السند والمتن فى الصحة لأن السند قد يصح لاستيفائه الشروط من الاتصال وغيره، ولا يصح المتن لشذوذ فيه مثلا، وقد لا يصح السند لفقده بعض الشروط ويصح المتن من طريق آخر، وكذلک لا تلازم بين السند والمتن فى الحسن لأن أحد هما قد يحسن دون الآخر.

(الرابع) قد يقولون فى حديث حسن صحيح وهو باعتبار ظاهره مشكل لتباين مفهومهما. وزبدة الجواب أن أو محذوفة منه للتنويع أى صحيح من طريق وحسن من آخر.

(الخامس) زيادة راوى الصحيح والحسن مقبولة إن لم تناف رواية من لم يزد فان نافت احتيج للترجيح فان كان لأحدهما مرجح اعتبر وكان الآخر شاذا

(السادس) كل حديث صحيح أو حسن فانه يحتج به .

الحديث الضعيف

هو ما فقد شرطا أو أكثر من شروط القبول. وهو كثير الفروع والاقسام ومراتبه متفاوتة باعتبار خفة الضعف وقوته فى الاسناد والمتن. وحكمه أنه يعمل بمالم يشتد ضعفه بشرط ان يندرج تحت أصل معمول به، وأن يعتقد عند العمل به الاحتياط. ولايلزم من ضعف الحديث عند أهل هذا الفن ألا يكون صحيحا أو حسنا فى الواقع كانه لا يلزم من صحته أو حسنه عندهم أن يكون فى الواقع كذلك لجواز الخطأ والنسيان على العدل والصدق على غيره.

الحديث المتواتر

هو قسمان (الاول) ماله طبقة واحدة وهو مارواه جمع تمنع العادة اتفاقهم على الكذب وهو مما يدرك بالحس و (الثانى) ماله أكثر من واحدة وهو مارواه من الابتداء الى الانتهاء جمع عن جمع تمنع العادة اتفاقهم على الكذب وهو مما يدرك بالحسن. ثم هو بقسميه مفيد للعلم الضرورى لا النظرى. وغيره محصور فى عدد معين. ومقبول لعدم توقف الاستدلال به على البحث عن أحوال رواته وموجود وجود كثرة خلافا لمن منع وجوده أوقال بندرته، ولفظى إن اتفق رواته فى لفظه ومعناه كحديث ''من كذب على متعمدا فليتبوأ مقعده من النار'' ومعنوى إن اختلفوا فيهما مع وجود معنى كلى كحديث رفع اليدين فى الدعا إذروى فيه مائة حديث فى قضايا مختلفة كل قضية منها لم تتواتر. لكن القدر المشترك فيها وهو الرفع عند الدعاء قد تواتر باعتبار المجموع.

الحديث المشهور

هو مارواه ثلاثة فا كثر ولو فى طبقة واحدة ولم يصل درجة التواتر.

وينقسم إلى مشهور مطلق وهو ما كان مشهورا بين المحدثين وغيرهم وإلى مشهور مقيد وهو ما كان مشهورا بين المحدثين فقط كحديث أنس أن رسول الله ﷺ قنت شهراً بعد الركوع يدعو على رعل وذكوان[1] وأما الحديث المستفيض فقيل هو المشهور وقيل مارواه ثلاثة فاكثر في جميع الطبقات.

الحديث العزيز

هو ماروا اثنان فقط ولو في مرتبة واحدة. مثاله مارواه الشيخان عن أنس أن رسول الله ﷺ قال لا يؤمن أحدكم حتى أكون أحب إليه من والده وولده والناس أجمعين رواه عن أنس قتادة وعبدالعزيز بن صهيب ورواه عن قتادة شعبة وسعيد رواه عن عبدالعزيز إسماعيل بن علية وعبد الوارث ورواه عن كل جماعة.

الحديث الغريب

هو ما انفرد به راو والانفراد إما في السند فقط كأن يروى متنه جماعة من الصحابة وينفرد واحد بروايته عن صحابي آخر وإما في السند والمتن كحديث النهي عن بيع الولاء وهبته فانه تفرد به عبدالله بن دينار عن ابن عمر. وإما في بعض السند كحديث أم زرع فان الطبراني رواه عن عبدالعزيز عن هشام بن عروة عن أبيه عائشة. والمحفوظ فيه رواية عيسى عن هشام عن أخيه عبدالله بن عروة عن أبيه عن عائشة فقد انفرد عبدالعزيز ببعض السند. وإما في بعض المتن كحديث زكاة الفطر فان مالكا انفرد عن سائر رواته بقوله من المسلمين.

وينقسم الغريب إلى قسمين غريب مطلق وغريب نسبي. (فالأول) ماانفرد به صحابي أو تابعي (والثاني) ماانفرد به غيرهما.

---

[1] (رَعل وذكوان) هما قبيلتان. ورعل: بكسر الراء وسكون العين. وذكوان: بفتح الذال وسكون الكاف.

الحديث المسند

هو ما اتصل اسناده من راويه اِلى النبى ﷺ مثاله قول مالك حدثنا نافع قال حدثنا ابن عمر قال سمعت رسول الله ﷺ يقول كذا.

الحديث المرفوع

هو ما أضيف اِلى النبى ﷺ قولا أوفعلا أو تقريرا أو صفة حقيقة أو حكما، سواء اتصل اِسناده أم لا وسواء كان المضيف صحابيا أم تابعيا أم غير هما، مثال المرفوع حقيقة من القول قول الراوى قال النبى ﷺ كذاو حكما قول الصحابى فى المتعلق بالامور الماضية كبدء الخلق أو المستقبلة كأشراط الساعة لأن مثل هذا لا يقوله الصحابى اِلا عن توقيف ومثاله حقيقة من الفعل قول الصحابى فعل النبى ﷺ كذا. وحكما ان يفعل الصحابى ما لا مجال للرأى فيه. ومثاله حقيقة من التقرير أن يقول الصحابى فعلت بحضرة النبى ﷺ كذا ولم ينكر على. وحكما حديث المغيرة بن شعبة كان أصحاب النبى ﷺ يقرعون بابه بالاظافر فان ذلك مستلزم لا طلاعه ﷺ واِقرارهم عليه. ومثاله حقيقة من الصفة أن يقال: كان رسول الله ﷺ أبيض اللون ربعة. وحكما قول الصحابى أمرنا بكذا أو نهينا عن كذا لظهور أن النبى ﷺ فعل ما ذكروا لفعل وصف لفاعله.

الحديث الموقوف والمقطوع

الموقوف ما أضيف اِلى الصحابى[1] من قول أو فعل أو تقرير سواء اتصل اِسناده أم لا بشرط أن يكون خاليا عن قرينة الرفع فان لم يخل فحكمه الرفع كمافى رواية البخارى: كان ابن عمرو ابن عباس يفطران ويقصر ان فى أربعة برد.[2]

---

[1] (اِلى الصحابى) هو من لقى النبى ﷺ مؤمنا به ومات على الاسلام.

[2] (برد) جمع بريد وهو اثنا عشر ميلا والميل أربعة آلاف خطوة. وهى ذراع ونصف بذراع العامة.

وأما المقطوع فهو ما أضيف إلى التابعي[1] فمن دونه من قول أو فعل أو تقرير سواء اتصل إسناده أم لا بشرط أن يكون خاليا عن قرينة الرفع والوقف.

مثاله قول التابعي كنا نفعل كذا.

الحديث المتصل والمعنعن والمؤنن

المتصل ما اتصل اسناده الى النبي ﷺ أو الى الصحابي بسماع كل واحد ممن فوقه. مثاله قول مالك سمعت نافعا قال سمعت ابن عمر قال سمعت النبي ﷺ يقول كذا. وأما المعنعن فهو ماروى بلفظ عن' كقول المحدث عن مالك عن نافع و شرط حمله على الاتصال سلامة معنعنه من التدليس وثبوت ملاقاته لمن رواه عنه' وأما المؤنن فهو ماروى بلفظ أن. نحو أن فلانا قال كذا وهو كعن فيما ذكر.

الحديث العالي والنازل

العالي ما قلت رجاله بالنسبة إلى سند آخر يرد بذلك الحديث بعينه. وأقسام العلو خمسة (أولها وهو أجلها) القرب من رسول الله ﷺ باسناد لطيف غير ضعيف (ثانيها) القرب من امام من أئمة الحديث كالاوزاعي ومالك وإن كثر العدد بعد ذلك الامام إلى رسول الله ﷺ (ثالثها) العلو بالنسبة لرواية الصحيحين أو أحدهما أو غيرهما من الكتب المعتمدة (رابعها) العلو بتقدم وفاة الراوي عن شيخ على وفاة راو آخر عن ذلك الشيخ وان تساويا في العدد (خامسها) العلو بتقدم السماع من الشيخ عن سماع راو آخر عن ذلك الشيخ' وفي الثالث من هذه الأقسام تقع الموافقة' والبدل ' والمساواة ' والمصافحة ' فالموافقة الوصول الى شيخ أحد المصنفين بطريق أقل عددا من طريق ذلك المصنف. والبدل الوصول الى شيخ شيخه

[1] (إلى التابعي) هو كل مسلم صحب صحابيا . وقيل من لقيه.

بطريق كذالك. والمساواة استواء عدد السند من الراوى الى آخره مع سند أحد المصنفين. والمصافحة الا ستواء مع تلميذ ذلك المصنف وأما النازل فهو ما كثرت رجاله. وأقسام النزول خمسة تعرف من ضدها فالعلوا المطلق يقابله النزول المطلق وهكذا.

الحديث المسلسل

هو ما تتابع رواته أو روايته على وصف واحد. وتتابع الرواة على وصف أعم من أن يكون قوليا أو فعليا أو هما معا مثال الأول قوله ﷺ لمعاذ رضى الله عنه (يا معاذ انى أحبك فقل فى دبر كل صلاة اللهم أعنى على ذكرك وشكرك وحسن عبادتك) فانه مسلسل بقول كل من الرواة لمن يرويه عنه وأنا أحبك فقل. ومثال الثانى قول أبى هريرة شبك بيدى أبو القاسم ﷺ وقال (خلق الله الارض يوم السبت) فانه مسلسل بتشبيك كل واحد من رواته بيد من رواه عنه. ومثال الثالث حديث أنس (لا يجد العبد حلاوة الايمان حتى يؤمن بالقدر خيره وشره حلوه ومره) فانه ﷺ بعد أن قاله لأنس قبض على لحيته الشريفة وقال آمنت بالقدر الخ.

وكذلك أنس يفعل هكذا بعد روايته للغير ومن روى عنه كذلك وهلم جرا. وقد يقع التسلسل فى معظم الاسناد كحديث الاولية فانه ينتهى الى سفيان' واما تتابع رواية الحديث على وصف فذالك الوصف اما صيغة من صيغ الاداء أو أمر متعلق بزمن الرواية أو مكانها أو تاريخها' مثال الأول أن يروى جميع الرواة الحديث بصيغة أنبأنى أو حدثنى أو نحو ذلك' ومثال الثانى قوله ﷺ (قص الاظفار ونتف الابط وحلق العانة يوم الخميس والغسل والطيب واللباس يوم الجمعة) ومثال الثالث الحديث المسلسل باجابة الدعاء فى الملتزم. ومثال الرابع الحديث المسلسل بالآخرية ككون الراوى آخر من روى عن شيخه فيقول أخبرنا فلان وأنا آخر من روى عنه .

الحديث المدبج

هو أن يروى كل من القرينين عن الآخر كعائشة وأبى هريرة من الصحابة. والزهرى وابن الزبير من التابعين. ومالك والا وزاعى من أتباع التابعين. وأحمد بن حنبل وعلى بن المدينى ممن بعدهم فان كل اثنين من هؤلاء روى كل منهما عن الآخر من غير واسطة وكمالك والليث فان كلا منهما روى عن الآخر لكن بواسطة يزيد بن الهادى. وأما غير المدبج فهو أن يروى أحد القرينين عن الآخر ولم يرو الآخر عنه كرواية الأعمش عن التيمى. ويشترط فى المدبج التشارك فى السن والأخذ عن الشيوخ معا' ويكفى أحدهما فى غيره.

رواية الاقران والاكابر عن الاصاغر

رواية الاقران هى أن يشارك الراوى من روى عنه فى أمر من الأمور المتعلقة بالرواية كالسن والأخذ عن الشيوخ مثل رواية الأعمش عن التيمى. وأما رواية الا كابر عن الاصاغر فهى أن يروى الشخص عمن دونه فى السن والأخذ عن الشيوخ كرواية الزهرى عن مالك.

المتفق والمفترق والمؤتلف والمختلف

المتفق والمفترق ما اتفق فيه اسماء الرواة أو أنسابهم أو ألقابهم أو نحوها لفظا و خطا مع اختلاف المسميات كالخليل بن احمد اسم لستة رجال وفائدة معرفة دفع توهم المتعدد واحدا. وأما المؤ تلف والمختلف فهو ما اتفق فيه أسماء الرواة أو القابهم أو نحوها فى الخط دون اللفظ كسلام فان أكثر ما جاء منه بالتشديد وقد جاء بالتخفيف لبعض من الرواة و كعثام (بالعين والثاء المثلثة) ابن على الكوفى وغنام (بالغين المعجمة والنون) ابن أوس الصحابى والعبرة فى اتفاق الخط بالحروف بقطع النظر عن النقط والشكل كما مثلا..

الحديث المتشابه

هو ما اتفقت فيه اسماء الا بناء واختلفت فيه أسما الآ باء أو بالعكس كمحمد ابن عقيل (بفتح العين) ومحمد بن عقيل (بضمها) وكشريح بن النعمان بالشين المعجمة والحاء المحملة وسريج بن النعمان (بالسين المهملة والجيم).

الحديث المبهم

هو ما فى متنه أو سند شخص لم يسم مثال الاول حديث عائشة أن امرأة من الانصار قالت للنبى ﷺ كيف أغتسل من الحيض قال ''خذى فرصة ممسكة فتوضئى ثلاثا ''ومثال الثانى قول الراوى أخبرنى رجل، ولا ضرر فى مبهمات المتون واما مبهمات الاسانيد ففى قبول الحديث معها وعدمه أقوال قال بعض الحنفية: والذى ينبغى أن يكون مذهبنا قبوله إذا عرف أن الراوى لا يروى الا عن ثقة.

الحديث المعلق

هو ما سقط منه راو أو اكثر على التوالى من اول السند سواء سقط الباقى أم لا وحكمه الضعف الا اذا وقع فى كتاب التزمت صحته فانه يكون صحيحا.

الحديث المرسل

هوما رفعه التابعى ولو حكما الى النبى ﷺ، وقلنا ولو حكما ليشمل الصحابى الذى لم يسمع من النبى ﷺ وانما كان يروى عن الصحابة. وأطلقنا التابعى ليتناول الكبير والصغير. فالاول من لقى جميعا من الصحابة وكان جل روايته عنهم كسعيد بن المسيب. والثانى من لقى واحدامنهم كالزهرى. وأما الا حتجاج بالمرسل ففيه أقوال، والمختار عند بعض العلماء قبول مرسل الصحابى اجماعا. ومرسل أهل القرن الثانى والثالث عند ابى

حنيفة ومالك مطلقا وعند الشافعي بأحد خمسة أمور ان يسنده غيره او ان يرسله اخر وشيوخهما مختلفة او أن يعضده قول صحابي. أو أن يعضده قول أكثر العلما. أو أن يعرف أنه لا يرسل اِلا عن عدل.

الحديث المدلس

هو نوعان مدلس الاسناد ومدلس الشيوخ. (فالأول) ما رواه الراوى عمن لقيه ولم يسمع منه موهما أنه سمع منه. وقيل أن يروى عمن سمع منه مالم يسمعه موهما انه سمع منه (والثانى) ما سمى فيه الراوى شيخه لكن وصفه بغير ما اشتهر به من اسم أو كنية أو لقب أو نسبة الى قبيلة أو بلدة أو صنعة لئلا يعرف.

الحديث المنقطع والمعضل

المنقطع ما سقط من رواته واحد قبل الصحابى فى الموضع الواحد أى موضع كان واِن تعددت المواضع بحيث لا يزيد الساقط فى كل منها عن واحد فيكون منقطعا من مواضع وقيل هو مالم يتصل اسناده واما المعضل فهو ما سقط من سنده اثنان أو أكثر على التوالى سواء.كان السقوط من أول السند أو من اثنائه أو من آخره.

الحديث المضطرب والمعل

المضطرب ما اختلف فى سنده أو فى متنه أو فيهما بزيادة أو نقص مع عدم اِمكان الجمع أو الترجيح أما اذا أمكن ذلك فيعمل بالحديث ولا يسمى مضطربا. وأما المعل فهو حديث ظاهره السلامة لكن اطلع فيه بعد البحث فى طرقه على علة قادحة فى السند أوفى المتن كوصل مرسل أو منقطع أو اِدخال حديث فى حديث أو غير ذلك والعلة فى المتن قادحة فى السند أيضا بخلاف العلة فى السند فقد لا تقدح الا فيه.

الحديث الشاذ والمنكر والمقلوب

الشاذ ما رواه الثقة مخالفا لمن هو أرجع منه لمزيد ضبط أو كثرة عدد أو غير ذلک من المرجحات وأما المنكر فهو ماروواه الضعيف مخالفا لمن هو أدنى منه ضعفا وأما المقلوب فهو الحديث المشهور عن راو فيجعل مكانه آخر فی طبقته أو يؤخذ سند متن فيجعل لمتن آخرو بالعكس.

الحديث المدرج

هو قسمان مدرج المتن ومدرج السند، (فالأول) كلام يذكره الراوی فی أول الحديث أو فی أثنائه أو فی آخره فيتوهم من لم يعرف حقيقة الحال انه من الحديث والواقع أنه ليس منه (وأما الثانی) فأربعة أنواع (الاول) أن يكون عند جماعة حديث بأسانيد مختلفة فيرويه عنهم راو بأحدها من غير بيان اختلافها (والثانی) أن يكون الحديث عند راو باسناد الاطرفا فانه عنده باسناد آخر فيرويه عنه راو تاما بالاسناد الأول و (الثالث) أن يكون عند الراوی متنان مختلفان باسنادين كذالک فيرويهما عنه الراوی بأحدهما، أو يروی أحدهما باسناده الخاص به ويزيد فيه من المتن الآخر ما ليس بذلک الاسناد (والرابع) ان يسوق السند فيعرض له عارض فيقول كلاما من قبل نفسه فيروی عنه بهذا السند. ويعرف المدرج فی المتن بورود الحديث منفصلا عن ذلک الكلام فی رواية اخری، او بالتنصيص علی ذلک من الراوی المدرج، او من بعض الأئمة المطلعين، او باستحالة صدور مثله عن النبی ﷺ، وفی السند بمجيئی رواية مفصلة للرواية المدرجة مقبولة باقتصار بعض الرواة علی المدرج فيه.

الحديث المتروک

هو ما انفرد به راواتهم بالكذب لمخالفة حديثه القواعد المعلومة ولم يرو اِلا من جهته، أو عرف بالكذب فی كلام الناس وان لم يظهر ذلک فی

الحديث وهذا دون الاول' اواتهم بكثرة الغلط أو الغفلة أو الفسق بغير الكذب.

الحديث الموضوع

هو المكذوب على رسول الله ﷺ من قول أو فعل أو تقرير أو نحو ذالك عمدا' ويعرف الوضع باقرار واضعه' وبقرينة تؤخذ من حال الراوى كاتباعه فى الكذب هوى بعض الرؤساء او للمروى كركاكة ألفاظه ومعانيه' وبمخالفته بعض القرآن أو السنة المتواترة أو الا جماع القطعى أو صريح العقل سواء اخترع ماوضعه او اخذه من كلام غيره' وسوا وضعه اِضلالا أواحتسابا أو تعصبا أو اِغرابا أو اتباعا لهوى بعض الرؤساء كالخلفاء أو الأمراء تقربا اليهم' وحكم رواية الموضوع مطلقا تحريمها على من علم أو ظن أنه موضوع اِلا مع بيان حاله فان جهل أنه موضوع فروى فلا اِثم عليه.

الحديث المهمل

هو ماروى عن أحد اثنين متفقين فى الاسم أو اللقب أو الكنية أو فى أحد هذا مع اسم الأب فقط أو مع اسم الجد أو فى جميع ما تقدم مع النسبة معبرا فيه الراوى بما فيه الاتفاق ولم يكن ثم مميزفان ظهر أن الراوى لم يأخذ الا عن أحدهما زال الاهمال. وان لم يظهر اختصاصه بأحدهما فان كانا ثقتين عمل بالحديث والا أهمل.

المزيد فى متصل الاسانيد

هو الحديث الذى زاد رواية راويا فاكثر فى أثناء سنده مخالفا لمن هو اتقن منه المصرح بالسماع أو ما فى حكمه فى موضع الزيادة كان يروى راوى حديثا بصيغة حدثنا فيقول حدثنا شقيق قال حدثنا عمرو قال حدثنا ابن مسعود' واما اذا لم يصرح بالسماع اوما فى حكمه بأن عنعن ترجحت رواية الزيادة.

المصحف والمحرف والمعرف والمحفوظ

المصحف ما تغير فيه أوفى سنده نقط الحروف كحديث من صام رمضان وأتبعه ستا من شوال، صحفه أبوبكر الصولى فقال شيئا بالشين المعجمة والياء وكحديث شعبة عن العوام بن مراجم بالراء والجيم صحفه يحيى بن معين فقال مزاحم بالزاى والحاء المهملة وأما المحرف فهو ما تغير فيه أو فى سنده شكل الحروف والمرادبه الحركات والسكنات كحديث جابر رضى الله عنه رمى ابى يوم الاحزاب على أكحله فكواه رسول الله ﷺ، حرفه غندر وقال فيه ابى بالاضافة وانما هو أبى بن كعب وأما المعروف فهو ماروا ه الضعيف مخالفا لمن هو أعلى منه ضعفا وأما المحفوظ فهو مارواه الثقة مخالفا لمن أدنى منه رجحانا.

المتابع والشاهد والاعتبار

المتابع هو الحديث الذى قد تابع راويه غيره فى الرواية عن شيخه أو شيخ شيخه وفى لفظ مارواه والمتابعة نوعان تامة وقاصرة فا لتامة أن تكون رواية المتابع (بكسر الباء) عن شيخ المتابع (بفتحها) والقاصرة أن تكون رواية ممن فوق شيخه مطلقا وأما الشاهد فهو حديث يوافق آخر فى معناه دون لفظه وأما الاعتبار فهو تتبع طرق الحديث الذى يظن أنه فرد ليعلم أن له متابعا أو شاهدا أولا هذا ولا ذاك.

الخاتمة

طرق تحمل الحديث ثمانية وتتبعها صيغ الاداء. (فالاول) السماع من لفظ الشيخ إملاء أو غيره ويقول عند الاداء سمعت أو حدثنى و (الثانى) القراة على الشيخ سواء قرأهو على الشيخ أو قرأ غيره عليه وهو يسمع ويقول القارى وحده على الشيخ أخبرنى أو قرأت عليه أو انبأنى اذهى كاخبرنى عند المتقدمين ويقول من سمع بقراة غيره قرى عليه وأنا أسمع و

(الثالث) الا جازة الخاصة المعينة وشرطها ان يكون المجيز عالما بما فى الكتاب والمجاز له فهما ضابطا والا بطلت ويقول من اجيز له إجازة متلفظا بها شافهنى و (الرابع) المناولة ويشترط اقترانها بالاذن ' وصورتها أن يدفع الشيخ اصله او ماقام مقامه من فرع مقابل به مملكا أو معيرا أو يحضر الطالب أصل نفسه أو الفرع المقابل به فيتامله الشيخ ثم يناوله أيا كان منها قائلا هذه روايتى عن فلان فاروه عنى ويقول عند الاداء ناولنى (والخامس) المكاتبة وهى أن يكتب الشيخ شيئا من حديثه بنفسه او بغيره باذنه الى غائب عنه او حاضرعنده ولا يشترط الاذن بالرواية فيها على الصحيح. ويقول عند الاداء كتب الى و (السادس) الوجادة وهى ان يجد بخط يعرف كاتبه مالم ياخذه عنه بسماع ولا قراة ولا غيرهما. ويقول عند الاداء وجدت بخط فلان ثم يسوق الاسناد والمتن و (ألسابع) الوصية بالكتاب وهى ان يوصى عند موته او سفره لشخص معين بأصله او أصوله ويقول عند الاداء اوصى إلى فلان بكتاب قال فيه حدثنا إلى آخره و (الثامن) الاعلام وهو ان يعلم احد الطلبة بانى أروى الكتاب الفلانى عن فلان لكن يشترط الاذن بالرواية فيه وفى الوصية على الاصح وإلا فلا عبرة بهما ويقول عند الاداء اعلمنى فلان قال حدثنا إلى آخره.

(فائدة) أنبأنى وعن ونحوها مما يحتمل لذاته السماع وعدمه والاجازة وعدمها كقال وذكر وروى مثل شافهنى وكتب الى عند المتأخرين وأما الطبقة المتوسطة بين المتقدمين والمتأخرين فكانوا لا يذكرون الانباء إلا مقيدا بالاجازة' وأما رواية الحديث بالمعنى بأن يغير لفظه بوجه من الوجوه دون معناه فالصحيح أنها جائزة للعالم الذى لا يخل بشئ من المقصود لبراعته وقوة تصرفه فى الكلام.

وأما آداب الشيخ والطالب فمما يشتركان فيه تصحيح النية وتحسين الخلق والتطهر من أعراض الدنيا.

. . (وینفرد الشیخ) بأن یسمع اذا احتیج الیه' وألا یحدث ببلد فیه من هو أولی منه بالتحدیث بل یرشد الیه' والا یترک اِسماع أحد لنیة فاسدة' وأن یتطهر ویجلس بوقار' والا یحدث قائما ولا عجلا ولا فی الطریق اِلا ان اضطر الی شئی من ذلک وأن یمسک عن التحدیث اذا خشی التغیر أو النسیان لمرض أو هرم وأن یکون له اِذا اتخذ مجلسا للاملاء مستمل یقظ.

(وینفرد الطالب) بأن یوقر الشیخ' والایدع الا ستفادة لحیاة أو تکبر' وان یکتب ما سمعه تاما. وأن یعتنی بالتقیید والضبط . وأن یذاکر محفوظه و أن یرشد غیره بما سعمه. وأن یقف عند منتهی علمه والحمد لله کما هو أهله والصلاة والسلام علی سیّدنا محمد الذی طاب فرعه وأصله وعلی آله وأصحابه' وسائر أتباعه وأحبابه.

العلم (سہ ماہی) کراچی

جولائی تا دسمبر ۱۹۷۷ء

مولانا غلام رسول سعیدی' ملک کے مشہور عالم اور مصنف ہیں' اس سے پہلے ان کی کئی وقیع تصانیف منصۂ شہود پر آچکی ہیں' انہوں نے زیرِ تبصرہ کتاب ''تذکرۃ المحدثین'' محدثین کے حالات میں لکھی ہے جس میں امام ابوحنیفہ' امام مالک' امام احمد بن حنبل' امام محمد' امام طحاوی' امام بخاری' امام مسلم' امام ترمذی' امام ابوداؤد' امام نسائی اور امام ابن ماجہ جیسے اجل محدثین کرام کے حالات نہایت صحت و تحقیق کے ساتھ قلم بند کیے ہیں۔ ان کی تصانیف کا پورے طور سے تعارف کرایا ہے۔ مولانا کے قلم میں زور ہے اور بعض جگہ انہوں نے نقد و تبصرہ بھی کیا ہے اور خوب کیا ہے۔ دارالمصنفین نے اس سلسلے میں اچھا کام کیا تھا۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ پاکستان میں بھی دارالمصنفین کے انداز پر علماء و محققین نے کام شروع کر دیا ہے۔

''تذکرۃ المحدثین'' اسی پایہ کی کتاب ہے۔ یہ کتاب کالج اور یونیورسٹیوں کے طلبہ و اساتذہ کے لیے بھی مفید ہے۔ (حکیم ریحان الزمان' اکبر آبادی)

ترجمانِ اہل سنت کراچی

جولائی ۱۹۷۸ء

زیر نظر کتاب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے' اسلام کے جلیل القدر محدثین کرام کے احوالِ مبارکہ پر مشتمل ہے۔ محدثین کرام اور اربابِ سیر کے نزدیک تذکرہ کا اطلاق محض کسی کی سوانح نگاری پر نہیں ہوتا' بلکہ اس میں صاحب [illegible] ت کے شب و روز کے احوال بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے فقہی مسلک' اصول اجتہاد [illegible] احادیث کے رد و قبول کے معیار کو بھی اس کے موافق و مخالف ادلہ کے تفصیلی بیان کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے' تو اس طرح تذکرہ اگرچہ بظاہر ایک فرد یا

چند افراد کے عنوان کے ساتھ معنون ہوتا ہے' مگر دَراصل یہ اس دور کی مکمل اور مستند علمی و ادبی تاریخ ہوتی ہے اور اس تذکرہ کی عظمت کے کیا کہنے جو ان مقدس نفوس کے احوال پر مشتمل ہو' جن کا تعلق بجوائے فرمانِ رسول خیر القرون یا اس سے قریب تر عہد سے ہو' جب کہ اس دور کا ایک عام فرد بھی آسمانِ ہدایت کا درخشندہ ستارہ تھا اور یہ اصحاب کبار تو اپنے اپنے دور کے ایسے آفتاب تھے جن کا علمی شباب اور مطلع انوار نصف النہار پر تھا۔ زیر تبصرہ کتاب اہلسنّت و جماعت کے چار مستند و مسلمہ فقہی مسالک کے مقتداء ائمہ ہدیٰ (امامِ اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت' امام مالک بن انس' امام محمد بن ادریس الشافعی اور امام احمد بن حنبل رضوان اللہ علیہم اجمعین اور علمِ حدیث کے چھ مایہ ناز مشہور مستند ائمۃ کرام (جو صحاحِ ستّہ کے مرتبین و مؤلفین ہیں' یعنی امام محمد بن اسماعیل بخاری' امام مسلم بن الحجاج القشیری' امام ابوعیسیٰ ترمذی' امام ابوداؤد سجستانی' امام ابوعبدالرحمٰن نسائی اور امام ابن ماجہ رضوان اللہ علیہم اجمعین) اور ان کے علاوہ دو مشہور محدثینِ احناف (امام محمد بن حسن شیبانی) اور امام ابوجعفر طحاوی رضی اللہ عنہما) کے احوالِ مبارکہ اور علمی و فقہی مسالک کے بیان پر مشتمل ہے۔

علامہ غلام رسول سعیدی ہمارے دَور کے ان معدودے چند علماء میں سے ہیں جن کو قدرت نے مبدأ فیاضی سے علومِ نقلیہ وعقلیہ پر یکساں دسترس اور وسعتِ نظر ودیعت فرمائی ہے۔ بایں ہمہ کتاب میں ایک تشنگی کا احساس ہوتا ہے اور یہ کہ احناف کے جلیل القدر امام قاضی ابویوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تذکرہ بھی ضرور اس میں شامل ہونا چاہیے تھا' تاکہ اس کی شانِ جمعیت دوبالا ہوجاتی۔ اُمید ہے کہ آئندہ اشاعت میں مصنف و ناشر اس کمی کو پورا فرمائیں گے۔ مکتبہ قادریہ اس علمی اشاعت پر یقیناً مبارکباد کا مستحق ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ ارکانِ ادارہ علامہ سعیدی صاحب کے افاداتِ علمیہ و افاداتِ روحانیہ کو مزید در مزید صفحۂ قرطاس پر منتقل کرنے کی ان مساعی جمیلہ کو جاری رکھیں گے۔ کیونکہ یہ کارِ خیر مصنف و ناشرین کے بقائے دوام کا باعث بنے گا' کیونکہ ''یلوح الخط فی القرطاس دھرا' و کاتبہ دمیم فی التراب''۔

کتاب کے شروع میں علامہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی صاحب نے بہ عنوان تقریب و تعارف اپنی نگارشات کو صفحۂ قرطاس پر منتقل کرکے کتاب کی افادیت وضرورت کو دوچند کردیا

ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کتاب کو تحقیق وحوالہ کے لیے یونیورسٹیوں، تعلیمی اداروں اور تحقیقاتی اکیڈمیوں میں پہنچایا جائے اور عوام وطلبہ کے استفادہ کے لیے تمام لائبریریوں کی زینت بنایا جائے۔

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا
بے شک اللہ اور اُس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس نبی پر اے ایمان والو تم اُن پر درود بھیجو اور خوب سلام بھیجا کرو

جلاء الأفہام

فی الصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر الانام

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ ﷺ

بارگاہ رسالت میں ہدیہ درود شریف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف کا معنیٰ، آپ کی آل پر درود اور آل کی وضاحت، درود شریف پڑھنے کے تاکیدی مواقع، درود شریف سے حاصل ہونے والے فوائد اور فضائل و برکات جیسے موضوعات پر علمی و تحقیقی گفتگو احادیث مبارکہ کی روشنی میں

تصنیف
شمس الدین ابن قیم الجوزی رحمۃ اللہ علیہ
متوفی ۷۵۱ھ

ترجمہ
مولانا علامہ محمد صدیق ہزاروی
جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

ناشر
فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور

الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر

یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں سلطنت عطا فرمائیں (تو) وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور نیکی کا حکم کریں اور برائی سے روکیں

(الحج : ۴۱)

التراتیب الاداریۃ (عربی)

اردو ترجمہ

نظامِ حکومتِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی نظامِ حکومت کس طرح چلایا، خلافت، وزارت صنعت وحرفت، فقہی سرگرمیاں معمولاتِ عبادات، ماپ تول، تحریری وجنگی سرگرمیاں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے معمولات

تالیف

علامہ الشیخ عبدالحی الکتانی

المتوفی ۱۳۸۲ھ

مترجم

مولانا حافظ محمد ابراہیم فیضی

ناشر

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور